مقامِ مسیحؑ

حضرت مسیحؑ کی گمشدہ انجیل

(صحیفۂ یوز آسف)

اور اس کا بھرپور تعارف

تالیف: پیام شاہجہان پوری

انٹرویو: منیر احمد

(ملنے کا پتہ)

ادارۂ تاریخ و تحقیق

۲۳/این عوامی فلیٹس ◉ ریواز گارڈن ◉ لاہور (۵۴۰۰۰)

نام کتاب :- "مقامِ مسیحؑ"
مصنف :- پیام شاہجہان پوری
پرنٹرو پبلشر:- محمد محسن
لاہور آرٹ پریس' 15 نیو انار کلی لاہور
کمپوزنگ :- احمد گرافکس
15 رابرٹس روڈ' لاہور- فون 320521
بار اول :- دسمبر 1993ء
تقسیم کار:- رضی الدین خاں

قیمت 00-100 روپے

ملنے کا پتہ :- ادارہ تاریخ و تحقیق
این / 23 عوامی فلیٹس- ریواز گارڈن لاہور (54000)
ٹیلی فون نمبر (322313)

پبلشر:- لاہور آرٹ پریس
15- نیو انار کلی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باعثِ تحریر

ایک پادری نے کسی مسلمان سے پوچھا کہ ایک شخص درخت کے نیچے سو رہا ہے' دوسرا اس کے پاس بیٹھا جاگ رہا ہے' ادھر سے ایک مسافر گذرتا ہے اسے راستہ پوچھنا ہے' بتاؤ وہ راستہ کس سے پوچھے گا؟ جو سو رہا ہے اس سے یا جو جاگ رہا ہے اس سے؟ مسلمان نے جواب دیا کہ اسی سے پوچھے گا جو جاگ رہا ہے- پادری نے کہا! تمہارے محمد صاحب (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تو سو رہے ہیں اور یسوع کے بارے میں تم بھی مانتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں پس آؤ اسی کی پیروی کرو جو جاگ رہا ہے- اس طرح لاکھوں مسلمان اپنا دین چھوڑ کر مسیحیت کی آغوش میں چلے گئے- اس کتاب کا بنیادی نکتہ یہی ہے اور تاریخ کی شہادت بھی یہی ہے کہ جناب یسوع مسیحؑ ہرگز نہیں جاگ رہے ہیں' قریباً دو ہزار سال گذرے کہ وہ ابدی نیند سو گئے ہاں اگر (روحانی طور پر) کوئی جاگ رہا ہے تو وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں- اس کتاب میں یہ حقیقت تاریخ اور مذہب دونوں کے حوالے سے ثابت کی گئی ہے تاکہ خالص عقلیت پسند اور خالص مذہبی ذہن رکھنے والے دونوں طبقوں تک حقائق پہنچائے جا سکیں-

میں روزنامہ "فرنٹیر پوسٹ" لاہور کے اسٹاف رپورٹر اور اپنے عزیز دوست جناب منیر احمد کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس موضوع پر مجھ سے تفصیلی انٹرویو لیا جو اس وقت کتابی صورت میں آپ کے ہاتھ میں ہے- چونکہ منیر احمد صاحب نے مجھ سے یہ انٹرویو میری کتابیں "مسیحؑ کا سفر زندگی" اور "مسیحؑ کی گم شدہ زندگی" پڑھ کر لیا ہے اس لئے ان دونوں کتابوں کے بہت سے مضامین کا اس انٹرویو میں آ جانا ایک قدرتی امر ہے اس کے باوجود اس میں بعض نئی باتیں بھی ہیں مثلاً "صحیفہ یوز آسف" یعنی ہندوستان کے دورانِ قیام حضرت مسیحؑ نے جو تعلیم دی اور آپؑ پر جو وحی نازل ہوئی وہ پہلی بار اس صدی کے لوگوں کے سامنے آ رہی ہے بلاشبہ یہ وہ

انکشاف ہے جو پڑھنے والوں کو حیرت زدہ کر دے گا۔ اسی طرح اس آسمان کے بارے میں حقائق جہاں حضرت مسیحؑ تشریف فرما ہیں شاید پہلی بار منظر عام پر آ رہے ہیں۔ گورنر پیلاطوس کے انجام کے بارے میں عوام تو کیا خواص بھی نہیں جانتے یہ اردو زبان کی پہلی کتاب ہے جس میں پہلی بار اس موضوع پر خاصی تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ جو اصحاب اس کتاب کو غیر جانبدار ہو کر پڑھیں گے وہ اس میں بیان کردہ حقائق سے اتفاق کریں گے۔

آخر میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کتاب میں مسیحیوں اور یہودیوں کے بعض نظریات کو چیلنج کیا گیا ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں مسیحیوں یا یہودیوں کا دشمن ہوں۔ مجھے ان کے بعض نظریات سے اختلاف ضرور ہے لیکن بحیثیت انسان میں ہر نیک دل اور انسان دوست مسیحی و یہودی بلکہ ہر مذہب و ملت سے تعلق رکھنے والے اچھے لوگوں کی عزت کرتا ہوں کیونکہ میرا مذہب مجھے یہی تعلیم دیتا ہے جس کی رو سے سب انسان یکساں احترام کے مستحق ہیں۔ **"و لقد کرمنا بنی آدم"** (یعنی ہم نے بنی نوع انسان کو صاحب عزت بنا کر پیدا کیا، ہم نے انہیں احترام بخشا ہے) پس ہمیں بھی ہر مذہب و ملت کے لوگوں کا احترام کرنا چاہئے اختلافِ عقائد اپنی جگہ، لیکن اس اختلاف کی بنا پر تعصب، عداوت اور تشدد کی آگ بھڑکانے والے انسانیت اور مذہب دونوں کے دشمن ہیں۔

پیام شاہجہان پوری
N-23 عوامی فلیٹس، ریواز گارڈن لاہور
فون: 322313 (7 جولائی 1993ء)

فہرست عنوانات

مسیحؑ کی ہندی انجیل

مسیحؑ کا آسمان؟

گورنر پیلاطوس کا انجام

واقعۂ صلیب کا تاریخی پس منظر

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائف اور شخصیت پر بہت ریسرچ ورک کیا ہے جو بہت قابلِ قدر ہے لیکن آپ نے اس میں بہت سارے نزاعی مسائل اٹھائے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ اس جدید دور میں جو سائنس کا دور ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جو مسائل سے بھرا پڑا ہے اور ساری دنیا میں ہر طرف افراتفری پڑی ہوئی ہے ان مسائل کو اٹھانے کا کیا فائدہ؟ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہیں تو ہمیں کیا اور فوت ہو گئے تو ہمیں کیا' ان باتوں کا ہماری عملی زندگی سے کیا تعلق ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! بظاہر تو آپ کی بات میں وزن ہے اور آپ کا پہلا حملہ ہی بہت بھرپور ہے۔ میں مقدور بھر اس کا جواب دینے کی کوشش کروں گا خدا کرے آپ مطمئن ہو جائیں۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اور آپ کے بقول ساری دنیا افراتفری سے دوچار ہے' ہر روز نت نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں۔ میرا موقف بھی یہی ہے کہ ان مسائل میں ایک اور مسئلے کا اضافہ کر دیا گیا ہے جو نہایت خطرناک اور امنِ عالم کو تباہ کرنے والا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں (یعنی مسلمانوں کو) پڑھایا جا رہا ہے اور شاید ہی کوئی سال ایسا گزرتا ہو جب اس مفہوم کے مضامین یا کتابیں شائع نہ ہوتی ہوں کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا جہاں سے وہ آخری زمانے میں نازل ہوں گے اور دنیا میں موجود سارے کفار کو قتل کر دیں گے (سوائے ان کے جو جان کے خوف سے آپؑ پر ایمان لے آئیں گے) سوروں کو ہلاک کر دیں گے اور صلیبوں کو توڑ توڑ کر ڈھیر لگاتے چلے جائیں گے۔ پہلے پھونکیں ماریں گے' جہاں تک ان کی پھونک جائے گی وہاں تک کفار مرتے جائیں گے پھر "حربہ" (ہتھیار) لے کر نکلیں گے اور کفار کا قتلِ عام شروع کر دیں گے۔

منیر صاحب! غور کیجئے کہ خدا کے نبی تو امن و آشتی اور صلح کا پیغام لے کر آتے ہیں' اپنے منکروں اور مخالفوں کو دین کی دعوت دیتے ہیں' انہیں تبلیغ کرتے ہیں جو لوگ ان انبیا کو قبول کر لیتے ہیں وہ ان کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں اور جو انہیں قبول نہیں کرتے اللہ کے نبی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں جبرا" اور ڈنڈے کے زور سے انہیں اپنے دین میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کرتے نہ انہیں اس کا حق دیا گیا ہے قران حکیم کا فیصلہ ہے کہ **لا اکراہ فی الدین** کہ "دین میں جبر جائز نہیں"- ہاں اگر انبیا اور ان پر ایمان لانے والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جائے اور ان پر عرصہ ء حیات تنگ کر دیا جائے تو انہیں خاص حالات میں مدافعانہ جنگ کرنے اور تلوار اٹھانے کی اجازت دی جاتی ہے مگر یہاں تو حضرت مسیحؑ آسمان سے اترتے ہی اور زمین پر قدم رنجہ فرماتے ہی کفار کا قتل عام شروع کر دیں گے- اس قتل عام سے ہمارا وطن عزیز بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا کیونکہ یہاں بھی لاکھوں غیر مسلم موجود ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان میں آباد غیر مسلم بے چارے تو گئے ـــــ ان کا تو جناب مسیحؑ آن واحد میں خاتمہ کر دیں گے اور پاکستان کی سرزمین لاکھوں انسانوں کے خون سے لالہ زار ہو جائے گی حالانکہ ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اور اپنے آئین میں بھی ضمانت دی ہے کہ ان کی جان و مال' عزت و آبرو اور عقیدے کی حفاظت کی جائے گی- اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ان سے دھوکا کر رہے ہیں' انہیں فریب دے رہے ہیں' ان سے منافقت کر رہے ہیں کہ زبان پر تو ان کی اور ان کی مذہبی آزادی کی حفاظت کا وعدہ ہے اور دل میں یہ ارادہ ہے کہ جناب مسیحؑ کے نازل ہوتے ہی ان سب کا صفایا کرا دیں گے- انا للہ و انا الیہ راجعون ط- صلیبیں توڑ توڑ کر پہلے تو مسیحیوں کی مذہبی دل آزاری کی جائے گی جس کے نتیجے میں روئے زمین پر ایک فتنہ ء عظیم کھڑا ہو جائے گا- اس کے بعد نہ صرف مسیحیوں کا بلکہ تمام غیر مسلموں کا قتل عام شروع کیا جائے گا اور اتنا خون بہے گا کہ بلا مبالغہ دریا اور سمندر سرخ ہو جائیں گے کیونکہ غیر مسلم تو کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کی تعداد میں آباد ہیں- ان کی لاشوں سے جو تعفن پیدا ہو گا وہ عالمی صحت کے لئے سنگین مسائل پیدا کرے گا کیونکہ کروڑوں اربوں انسانوں کی تدفین انسانی ہاتھوں سے تو ممکن نہیں ہو گی جو لوگ بچ رہیں گے وہ اس تعفن سے پیدا ہونے والی بیماریوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوں گے گویا ہر طرف موت کی گرم بازاری ہو گی- منیر صاحب! سوچئے کہ خدا کے نبی تو دنیا میں رحمتیں اور برکتیں لے کر آتے ہیں مگر جناب مسیحؑ موت اور بیماریاں لے کر

آئیں گے- اپنی پہلی بعثت میں تو وہ پھونک مار کر بیماروں کو صحت یاب فرمایا کرتے تھے "دم عیسیٰ" کی ترکیب اس کی گواہ ہے مگر اس دوسری بعثت میں وہ اپنی پھونکوں سے زندگی اور صحت عطا فرمانے کی بجائے دکھ' بیماریاں اور موت دیں گے- مجھے بتایئے کہ اس جدید سائنسی دور میں جب ہر بات LOGIC اور منطق کے ترازو میں تولی جاتی ہے کیا اس عقیدے کا کوئی جواز ہے؟ ـــــ اور کیا ایسا خوفناک عقیدہ رکھنے والا خونخوار مذہب اس قابل ہے کہ اس کی طرف التفات بھی کیا جائے- یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ کس منہ سے دنیا کو امن اور سلامتی کا پیغام دے سکتے ہیں- یہ عقیدہ تو انسانیت کش' اخلاق سوز اور مذہب دشمن ہے پس یہ عقیدہ جن مسلمانوں نے اختیار کیا محض غلط فہمی کی وجہ سے اختیار کیا اس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں-

منیر صاحب! اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں نے اپنی کتابوں میں ان مسائل پر کیوں قلم اٹھایا ہے- میں نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی رو سے جب حضرت مسیحؑ آسمان پر اٹھائے ہی نہیں گئے تو نازل کہاں سے ہوں گے اور جب نازل نہیں ہوں گے تو ان کے اس فرضی نزول کے ساتھ دنیا میں موجود اربوں غیر مسلموں کے قتل عام اور مذہبی ایذا رسانیوں کی جو کہانیاں منسوب کر دی گئی ہیں وہ خود بخود ختم ہو جائیں گی اور مسائل کے اس جنگل میں سے ایک خوفناک مسئلے کا خاتمہ ہو جائے گا- دنیا سکھ کا سانس لے گی- کیا یہ انسانیت کی خدمت ہے یا نہیں؟ اور اس کا ہماری عملی زندگی سے تعلق ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ میں آپ پر اور آپ کی وساطت سے اس انٹرویو کے قارئین پر چھوڑتا ہوں' اب آگے چلئے-

منیر احمد:- پیام صاحب! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں' مسیحیوں اور مسلمانوں میں سینکڑوں ہزاروں سال سے تنازعہ چل رہا ہے- یہودی تو انہیں پیغمبر ہی نہیں مانتے بلکہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کر دیا- مسیحی انہیں خدا کا بیٹا بلکہ خدا بناتے ہیں' مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ آسمان پر چلے گئے اور اب تک وہیں بیٹھے ہیں- آپ نے اس موضوع پر بہت کام کیا ہے میرا آپ سے دوسرا سوال یہ ہے کہ تاریخی اور واقعاتی لحاظ سے بتایئے کہ اصل واقعہ کیا تھا اور کس طرح پیش آیا؟

پیام شاہجہانپوری:- منیر صاحب! آپ کا سوال بہت اہم' بہت وسیع اور بہت پہلودار ہے اس کے ساتھ ساتھ بہت تفصیل طلب بھی ہے- میں کوشش کروں گا کہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ حقائق پیش کر سکوں- یہ وہ حقائق ہیں جو اس سے پہلے میں اپنی کتابوں

"مسیح" کا سفر زندگی" اور "مسیح" کی گمشدہ زندگی" میں پیش کر چکا ہوں اب ان میں بعض نئی باتوں کا اضافہ ہو جائے گا۔

جب حضرت مسیحؑ نے یہود میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا تو آپؑ کی دلکش شخصیت' روحانی و جلالی چہرہ اور پاکیزہ تعلیمات سے متاثر ہو کر یہودیوں میں سے نیک دل لوگ جوق در جوق آپؑ پر ایمان لانے لگے مگر ہر زمانے کے علمائے سو کی طرح جب علمائے یہود نے دیکھا کہ لوگ ان سے کنارہ کش ہو کر حضرت مسیحؑ کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور ان کی دوکانیں بے رونق ہوتی جا رہی ہیں تو وہ آپؑ کے دشمن ہو گئے۔ حضرت مسیحؑ ان بد کردار علماء پر سخت تنقید فرماتے تھے اور ان کی ریا کاریوں پر سے پردہ اٹھاتے تھے اس لئے وہ آپؑ کے اور بھی دشمن ہو گئے اور انہوں نے قیصر روم کو آپؑ کے خلاف شکایات بھیجنی شروع کر دیں۔ چونکہ حضرت مسیحؑ آسمانی بادشاہت کے قیام کا اعلان فرما رہے تھے اس لئے ان یہودی علماء نے آپؑ کے ان الفاظ کو ظاہری معنی پہنا کر قیصر روم کے دل میں آپؑ کے خلاف آتش غضب بھڑکانے کی کوشش کی اور الزام عائد کیا کہ یسوعؑ نامی یہ شخص لوگوں کو بادشاہ وقت کے خلاف بغاوت پر اکسا رہا ہے اور خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ اس طرح اس علاقے میں بہت شور و غوغا برپا ہو گیا اور قیصر روم نے صوبہ "یہودیہ" کے گورنر "پب لیوس لینٹولیس" (Publius Lentulus) کو جو حضرت مسیحؑ کا ہم عصر اور گورنر پیلاطوس کا پیش رو تھا لکھا کہ یسوعؑ نامی اس شخص کے بارے میں مجھے مطلع کیا جائے کہ یہ کون ہے اور کیا کرتا ہے۔

یہ بھی ایک معجزہ اور تصرفاتِ الٰہی میں سے ایک تصرفِ عظیم ہے کہ قیصر روم کے اس فرمان کے جواب میں گورنر نے جو خط لکھا تھا وہ دستیاب ہو گیا ہے اور چھپ بھی گیا ہے جس کا اردو ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ گورنر لینٹولیس لکھتا ہے کہ:۔

مسیحؑ کے بارے میں گورنر کی رپورٹ

"ایک شخص جو اپنے قد و قامت (سراپا) سے شریف اور صاحبِ عظمت دکھائی دیتا ہے' شکل و صورت کے لحاظ سے نہایت خوبصورت اور وجیہہ ہے۔ اس کا چہرہ ایسا جلالی ہے کہ دیکھنے والا اس کی تعریف و توصیف کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ اس کے بال شاہ بلوط کے پکے ہوئے پھل کی طرح سرخی مائل ہیں جو کاندھوں تک پڑے رہتے ہیں ان بالوں کے کانوں اور کندھوں کا درمیانی حصہ کسی حد تک خاکستری ہے' اس کے بالوں میں بڑی چمک دمک ہے۔

قصبۂ "ناصرہ" کے لوگوں کے بالوں کی طرح اس کے بال سر کے وسط میں سے دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں یعنی ان کے درمیان مانگ ہے۔ اس کی پیشانی صاف اور روشن ہے۔ چہرہ جھریوں اور ہر قسم کے داغوں سے پاک ہے اس کا رنگ ہلکا (سرخی مائل) ہے۔ اس کے نتھنے اور ہونٹ ہر قسم کے عیب سے مبرا ہیں۔ اس کی داڑھی گھنی ہے مگر سر کے بالوں کی طرح بہت لمبی نہیں اور درمیان میں سے دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی ہے۔ آنکھیں سورج کی شعاعوں کی طرح روشنی بکھیرتی ہیں جن سے جلال ظاہر ہوتا ہے اور کسی کے لئے ممکن نہیں کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکے۔ جب وہ لوگوں کو تنبیہہ کرتا اور برے کاموں کی مذمت کرتا ہے تو سننے والے خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب نصائح کرتا ہے تو خود روتا ہے اس طرح وہ لوگوں کا محبوب بن جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے کبھی قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا گیا۔ اس کے ہاتھ اور بازو بہت سڈول ہیں۔ اس کی گفتگو میں سحر ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ بہت کم گفتگو کرتا ہے مگر جب بولتا ہے تو حیا کا پیکر معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص اتنا حسین و جمیل ہے کہ اس سے قبل اس علاقے میں نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا۔ اس کی ماں بھی اس علاقے کی حسین ترین خاتون ہے جو اپنا ثانی نہیں رکھتی۔

اس کے علم کا معاملہ بھی بہت عجیب ہے۔ سارا یروشلم حیران ہے اور تعجب کرتا ہے کہ اس نے کسی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی مگر کوئی علم ایسا نہیں جس پر اسے عبور حاصل نہ ہو۔ پیروں میں چپل پہنتا ہے' ننگے سر چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ بعض لوگ اسے دیکھ کر تمسخر کرتے ہیں لیکن جب اس کے قریب آ کر اس سے گفتگو کرتے ہیں تو خوف کے مارے کانپنے لگتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اس علاقے میں اس سے قبل ایسا شخص نہیں دیکھا گیا اور لوگ غلط بھی نہیں کہتے۔ اس کی تعلیم ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے اور جن مسائل کی وہ تعلیم دیتا ہے وہ ایسے ارفع ہیں کہ اس سے پہلے سنے نہیں گئے۔ ایسے یہودیوں کی تعداد بہت ہے جو اسے خدا رسیدہ انسان تصور کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں جنہوں نے مجھ سے شکائت کی کہ یہ شخص حضور والا (شہنشاہ روم) کا مخالف ہے۔ البتہ یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس نے آج تک کسی کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اپنی ذات سے ہمیشہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا ہے اور اس کے ذریعے سے (بیماروں کو) صحت ملتی ہے"

منیر احمد:۔ پیام صاحب! اتنی اہم اور تاریخی دستاویز جو آپ پیش کر رہے ہیں یہ کہاں

محفوظ تھی اور آپ کو کہاں سے ملی۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! یہ بھی الٰہی تصرفات میں سے ایک عظیم الشان تصرف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ایک صحابی واقعہ ء صلیب کے موقع پر موجود تھے وہ اس واقعے اور اس کے بعد پیش آنے والے بعض واقعات کے عینی شاہد تھے۔ واقعہ ء صلیب کے سات سال بعد انہوں نے یروشلم سے ایک طویل خط حضرت مسیحؑ کے بعض عقیدت مندوں کو مصر کے شہر اسکندریہ بھیجا جس میں حضرت مسیحؑ کا واقعہ ء صلیب اور اس کا پس منظر خاصی تفصیل سے بیان کیا گیا تھا۔ خط لاطینی زبان میں تھا چونکہ یہ خط صاف کئے ہوئے (پکائے ہوئے) چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھا گیا تھا اس لئے محفوظ رہا۔ ایک اُجاڑ مکان سے انیسویں صدی میں یہ دستاویز ایک تاجر کو ملی۔ اس سے ایک فرانسیسی نے حاصل کر لی وہاں سے یہ جرمنی پہنچی اور پھر ۱۹۰۸ء میں اس کا انگریزی ترجمہ شکاگو (امریکہ) سے شائع ہوا' کتاب کا نام ہے:۔

"The Crucifixion By An Eye Witness." یعنی واقعہ صلیب کا آنکھوں دیکھا حال۔ اس کتاب میں یہ خط شامل ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ یہ اصل کتاب ہے جو شکاگو سے شائع ہوئی تھی آپ اسے خود دیکھ لیں اس کے صفحہ ۲۵ پر یہ خط درج ہے جو اُس وقت کے گورنر نے بادشاہ روم کو حضرت مسیحؑ کے بارے میں لکھا تھا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب اس خط سے حضرت مسیحؑ کا حلیہ اور ان کی پاکیزہ اور نکھری ہوئی شخصیت کا تصور ضرور ابھرتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ واقعی وہ خدا رسیدہ انسان تھے مگر یہ خط آپ کے موقف کو کیا تقویت دیتا ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! گورنر لینٹولس کے اس خط سے حضرت مسیحؑ کی شخصیت کے بارے میں کئی امور پہلی بار سامنے آئے ہیں۔ یہ ایک ایسے حاکم کا خط ہے جو نہ حضرت مسیحؑ کا ہم قوم تھا' نہ ہم وطن' نہ ہم عقیدہ۔ وہ رومی بادشاہ قیصر طبریوس کا وفادار تھا اور بادشاہ کی طرف سے صوبہ یہودیہ میں اس کی نیابت کر رہا تھا' اس کی رائے ایک غیر جانبدار شخص کی رائے ہے۔ وہ حضرت مسیحؑ کے بارے میں جو تاثرات بیان کرتا ہے ان کی رو سے:

۱۔ آپؑ کی ظاہری شخصیت بہت پر کشش اور بارعب تھی جس کی نظیر اس زمانے میں نہیں ملتی تھی۔

۲۔ وہ سرتاپا روحانی انسان تھے۔

۳۔ ان کے علم و فضل اور روحانی کمالات کا دور دور تک شہرہ تھا۔

۴۔ یہودیوں کی بہت بڑی تعداد ان کی معتقد ہو چکی تھی۔

۵۔ وہ بہت بے ضرر انسان تھے' یہی نہیں بلکہ ان کی ذات نفع رساں بھی تھی۔

۶۔ یہودیوں کا ایک طبقہ ان کا دشمن ہو گیا تھا اور ان کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتا تھا کہ وہ بادشاہِ وقت کے مخالف ہیں۔

۷۔ گورنر کے خیال میں یہ پروپیگنڈہ بے بنیاد تھا کیونکہ وہ اس کی تائید نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس اپنی رپورٹ میں بادشاہ کو یہ تاثر دیتا ہے کہ یسوعؑ نامی اس شخص سے آج تک کسی کو نقصان نہیں پہنچا بلکہ لوگوں کو فائدہ ہی پہنچا ہے۔

گویا اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے دشمن اس وقت کے گورنر' اور بادشاہ دونوں کو حضرت مسیحؑ کے خلاف مشتعل کر رہے تھے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ایسی تدبیریں فرما رہا تھا کہ ان کی یہ کوشش ناکام ہو' چنانچہ گورنر لینٹولیس کا خط اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نے بادشاہ وقت کو جو رپورٹ بھیجی اس میں سب سے پہلے تو ان کے ظاہری حسن و جمال اور شوکت و وجاہت سے قیصر روم کو مسحور کرنے کی کوشش کی۔ پھر یہ تاثر دیا کہ حضرت مسیحؑ ایک شریف النفس' خدا رسیدہ' صاحبِ علم اور بے ضرر انسان ہیں' اس کے ساتھ ساتھ اگر ان کے بہت سے مخالف موجود ہیں تو ان کے عقیدت مندوں اور ان پر ایمان لانے والوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ اس طرح گورنر نے بادشاہ کو یہ تاثر بھی دیا کہ ایسے بے ضرر اور اپنی قوم میں مقبول شخص پر ہاتھ ڈالنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے یہودیوں کی اس پہلی کوشش کو ناکام کر دیا' حضرت مسیحؑ حکومت وقت کی گرفت سے محفوظ رہے اور آزادی سے رشد و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

علمائے یہود کے اقتدار کو خطرہ

منیر صاحب! اگر غور کیا جائے تو اس واقعے نے یہودی علماء کو حضرت مسیحؑ کا اور بھی دشمن بنا دیا کیونکہ اس طرح ایک طرف تو وہ اپنی کوشش میں ناکام ہو گئے تھے' دوسری طرف وقت کے ساتھ ساتھ یہودی عوام پر حضرت مسیحؑ کا اثر و رسوخ بڑھ رہا تھا' ان کے پیروکاروں کی تعداد میں روزبروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور پھر ایک دن ایسا آیا جب ان کی طاقت اتنی بڑھ

گئی کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کے ایک ہجوم کے ساتھ یروشلم کے سب سے بڑے ہیکل میں داخل ہو کر غیرت ایمانی کا بھرپور مظاہرہ کیا چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ ------ "پھر وہ یروشلم میں داخل ہو کر ان کو جو ہیکل میں خرید و فروخت کر رہے تھے باہر نکالنے لگا اور صرافوں کے تختوں اور کبوتر فروشوں کی چوکیوں کو الٹ دیا ○ اور اس نے کسی کو ہیکل میں سے ہو کر کوئی برتن لے جانے نہ دیا اور کہا کیا یہ نہیں لکھا ہے کہ "میرا گھر قوموں کے لئے دعا کا گھر کہلائے گا مگر تم نے اسے ڈاکوؤں کی کھوہ بنا دیا ہے"۔ ○ اور سردار کاہن اور فقیہ اس کے ہلاک کرنے کا موقع ڈھونڈنے لگے۔ ○" (مرقس کی انجیل باب ۱۱ آیت ۱۵ تا ۱۸)

برادرِ عزیز منیر صاحب! یہ معمولی واقعہ نہ تھا یہودی علماء اور ان کا چیف کاہن (بیت المقدس کا پیشوائے اعظم) دیکھ رہے تھے کہ مسیحؑ اتنی عوامی طاقت حاصل کر چکا ہے کہ ہیکل (بیت المقدس) کے نظام کو تہہ و بالا کر سکتا ہے۔ اگرچہ حضرت مسیحؑ نے جو کچھ کیا تھا وہ درست تھا اور تورات کے حوالہ سے فرمایا تھا کہ عبادت گاہ خرید و فروخت کی جگہ نہیں ہوتی صرف عبادت اور ذکر الٰہی کے لئے مخصوص ہوتی ہے، مگر چیف کاہن اور ہیکل کے منتظم وہاں بازار لگواتے تھے اور غالباً تاجروں سے اپنا حصہ وصول کرتے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے ان کے ذریعۂ معاش پر ہاتھ ڈال کر ان کی آمدنی کا ایک راستہ مسدود کر دیا تھا چنانچہ انجیل کے بقول یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کھلم کھلا دشمن ہو کر آپؑ کو ہلاک کرنے کی تدابیر کرنے لگے۔

گویا مسئلہ صرف مذہبی نہیں رہا تھا۔ اصل مسئلہ اقتدار اور معاش کا پیدا ہو گیا تھا اور علمائے یہود کو یہ دونوں چیزیں اپنے ہاتھ سے جاتی نظر آ رہی تھیں۔ ان حالات میں ان کے لئے سب سے آسان راستہ یہ تھا کہ وہ بادشاہ وقت کو حضرت مسیحؑ سے بدظن کر دیں اور اس کے ہاتھوں آپؑ کو قتل کروا دیں کیونکہ انجیل کے راویوں کے بیانات کی رو سے یہودی اکابر حضرت مسیحؑ کی مقبولیت سے گھبرا گئے تھے بلکہ ان سے خوف کھانے لگے تھے۔

(مرقس کی انجیل باب ۱۱ آیت ۱۸)

پھر کچھ مدت کے بعد حضرت مسیحؑ کے وطن یہودیہ کا پہلا گورنر لینٹولیس جو آپؑ کی شخصیت سے بہت متاثر تھا تبدیل ہو گیا اور نواب پانتیس پیلاطوس نے نئے گورنر کی حیثیت سے چارج لے لیا۔ اس کے آتے ہی حضرت مسیحؑ کے دشمنوں نے آپؑ کے خلاف اس کے پاس شکایات بھیجنی شروع کر دیں۔ شروع میں تو اس نے ان شکایات کی پروا نہ کی کیونکہ اسے

اپنے پیش رو گورنر سے معلوم ہو چکا تھا کہ یسوعؑ نامی یہ شخص بے ضرر انسان ہے۔ اسے حکومت سے کچھ سروکار نہیں، یہ صرف یہودیوں کے مذہبی عقائد کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اس لئے اس نے آپؑ کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا لیکن جب علمائے یہود نے اسے یہ کہہ کر ڈرایا کہ دیکھ یہ شخص (مسیحؑ) اپنے آپ کو یہودیوں کا بادشاہ کہتا ہے جبکہ یہودیوں کا بادشاہ قیصر روم ہے جس کا تو گورنر ہے اگر تو اس کے خلاف کارروائی نہ کرے گا تو بادشاہ کا وفادار نہیں کہلائے گا بلکہ ایک باغی کا سرپرست سمجھا جائے گا۔ یہ وار کارگر ثابت ہوا شاید اس لئے بھی گورنر پیلاطوس ڈر گیا اور اس نے حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرانے کے سلسلے میں یہودیوں کی پوری مدد کی۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! حضرت مسیحؑ کوئی معمولی آدمی تو نہیں تھے اپنے وقت کے پیغمبر تھے اور آپؑ کے ہزاروں مرید تھے۔ حاکم وقت نے اتنی عظیم اور مقبول عوام ہستی کو کس طرح گرفتار کر لیا؟ اس بارے میں کچھ تھوڑی سے تفصیل بتایئے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! حضرت مسیحؑ کی گرفتاری کے بارے میں معلومات کا ایک ہی ذریعہ ہمارے پاس ہے اور وہ ہے انجیل۔ انجیل کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ پھر یوں ہوا کہ یہودیوں کی عید (عیدِ فسح) قریب آ گئی اور حضرت مسیحؑ پر منکشف ہو گیا کہ اب وہ وقت آیا ہی چاہتا ہے جب "ابن آدم" (ابن مریمؑ) کو صلیب پر ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اسے بہت دکھ اٹھانا پڑیں گے پس وہ اللہ کی رضا اور قضا و قدر کے فیصلے سے بھاگنے کی بجائے اللہ کے فرستادے اور ایک صابر و شاکر نبی کی حیثیت سے اپنے شاگردوں کے ساتھ عید فسح منانے اور عبادت کرنے کی غرض سے یروشلم روانہ ہو گئے، اس وقت ان کے بارہ شاگرد بھی ان کے ساتھ تھے جنہیں انہوں نے انجیل کی اصطلاح کے مطابق "رسولوں" کا نام دیا تھا تاکہ وہ ان کا مقدس پیغام بنی اسرائیل کے مختلف قصبات اور شہروں میں پہنچائیں اور لوگوں کو گناہوں سے پاک کریں۔ انہی بارہ رسولوں میں شمعون کا بیٹا "یہوداہ اسکریوتی" بھی تھا۔ یہی وہ بدبخت شخص ہے جو حضرت مسیحؑ کی گرفتاری کا ذریعہ اور واسطہ بنا۔

حضرت مسیحؑ کی یروشلم میں آمد کا ان کے مریدوں اور شاگردوں کو قبل از وقت علم ہو چکا تھا اس لئے ان پر ایمان لانے والوں کا جم غفیر "یروشلم" کے راستوں پر جمع ہو گیا تھا۔ یہ لوگ ہاتھوں میں کھجور کے درختوں کی تازہ شاخیں ہلا ہلا کر حضرت مسیحؑ کا استقبال کر رہے تھے اور یہ نعرے بلند کر رہے تھے۔

"ہوشعنا" مبارک ہے جو خداوند کے نام پر آتا ہے اور اسرائیل کا بادشاہ ہے"

(یوحنا کی انجیل باب ۱۲ آیت ۱۲‘۱۳)

یہ آخری فقرہ "اسرائیل کا بادشاہ" حضرت مسیحؑ کے ماننے والوں کی سب سے "بڑی کمزوری" تھی جو مخالفینِ مسیحؑ کے ہاتھ آگئی تھی چنانچہ وہ رومی انتظامیہ‘ قیصر روم اور اس کے گورنر کو یہی الزام لگا کر حضرت مسیحؑ کے خلاف مشتعل کرتے تھے کہ یہ شخص یہودیوں کا بادشاہ ہونے کا مدعی ہے۔ چیف کاہن "کائفا" کو جب حضرت مسیحؑ کی یروشلم میں آمد کا علم ہوا ہو گا تو اس نے علمائے یہود اور دیگر یہودی اکابر سے جناب مسیحؑ کی گرفتاری کے بارے میں یقیناً مشورہ کیا ہو گا مگر چونکہ عیدِ فسح قریب تھی اور حضرت مسیحؑ کے عقیدت مندوں کی بہت بڑی تعداد گردو نواح سے آکر یروشلم میں جمع ہو رہی تھی اس لئے بیت المقدس سے انہیں گرفتار کرنا بہت بڑے فساد کا موجب ہو سکتا تھا اس لئے دشمنانِ مسیحؑ بیت المقدس میں آپؑ پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہ کر سکے۔

حضرت مسیحؑ اپنے سیکڑوں مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی میں عبادت سے فارغ ہو کر بیت المقدس سے نکلے اور یروشلم کے قریب واقع "قدرون" کے نالے کے پار باغ میں چلے گئے۔ اس دوران یہودیوں کے پیشوائے اعظم سردار "کائفا" نے حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرنے کی ایک اور کوشش کی اور آپؑ کے قابل اعتماد شاگردوں میں سے کسی ایک کو لالچ دے کر اسے خریدنے کا منصوبہ بنانے لگا۔ آخر کار شمعون کا بیٹا "یہوداہ اسکریوتی" اس لالچ میں آگیا۔ انجیل میں ہے کہ:۔

اس وقت ان بارہ میں سے ایک نے جس کا نام "یہوداہ اسکریوتی" تھا سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ ○ اگر میں اسے تمہارے حوالے کر دوں تو مجھے کیا دو گے؟ انہوں نے اسے تیس روپے تول کر دے دیئے ○ اور وہ اس وقت سے اسے (یسوعؑ) کو پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا ○ (متی کی انجیل باب ۲۶ آیت ۱۴‘۱۶)

مسیحؑ کی گرفتاری کے واقعات

عید فسح میں ایک دن باقی تھا کہ حضرت مسیحؑ اپنے شاگردوں کو لے کر رات کے وقت یروشلم کے قریب واقع "کوہ زیتون" پر گئے اور شاگردوں سے کہا کہ آج کی رات اللہ سے دعا کرو کہ کسی آزمائش میں نہ ڈالے جاؤ۔ اس وقت یہوداہ اسکریوتی حضرت مسیحؑ سے جدا ہو کر

سردار "کائفا" کے پاس گیا اور اسے اطلاع دی کہ یسوع اس وقت صرف چند شاگردوں کے ساتھ "کوہ زیتون" پر ہے چنانچہ سردار "کائفا" نے یہودیوں کی ایک جماعت کو جس میں اس کے مسلح سپاہی بھی شامل تھے حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ آپؑ کا شاگرد "یہوداہ اسکریوتی" اس جم غفیر کے ساتھ تھا بلکہ راستہ دکھا رہا تھا۔

دوسری طرف حضرت مسیحؑ گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے ہاتھ پھیلا کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کر رہے تھے کہ:۔

"اے باپ! اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹا لے‘ تو بھی میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو" (لوقا کی انجیل باب ۲۲ آیت ۴۲)

حضرت مسیحؑ دعا کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ یہودیوں کی بھیڑ جس کے ساتھ یہوداہ اسکریوتی بھی تھا ان کے نزدیک آ پہنچی۔ رات کا وقت تھا اس لئے یہوداہ نے گرفتار کرنے والوں کو بتا دیا تھا کہ جس شخص کا میں بوسہ لوں وہی یسوع ہو گا پس تم اسے پکڑ لینا چنانچہ قریب آکر یہوداہ نے حضرت مسیحؑ سے کہا کہ "اے ربی سلام" اور اس کے بوسے لئے" ○ (متی کی انجیل باب ۲۶ آیت ۴۹)

یوحنا کی انجیل کے بیان کے مطابق "تب سپاہیوں اور ان کے صوبیدار اور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع کو پکڑ کر باندھ لیا"۔

انجیل کہتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرنے کے بعد اسی رات سردار کاہن "کائفا" کے سامنے پیش کیا گیا جہاں علمائے یہود اور ان کے فقیہ جمع تھے۔ سردار "کائفا" اپنے دیوان خانے میں صدر عدالت کی جگہ بیٹھا ہوا تھا اور خدا کا مقدس رسول رسیوں سے جکڑا ہوا اس کے سامنے جواب دہی کر رہا تھا۔ حضرت مسیحؑ سے سردار "کائفا" نے سوال کیا کہ کیا تو مسیحؑ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے آپؑ نے جواب دیا کہ "تو نے خود کہہ دیا"۔

"اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو ابھی تم نے یہ کفر سنا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں (علمائے یہود اور فقیہوں) نے جواب دیا کہ وہ قتل کے لائق ہے (متی باب ۲۶ آیت ۲۵)

اس کے بعد سردار کاہن نے اس سفارش کے ساتھ حضرت مسیحؑ کو گورنر پیلاطوس کی عدالت میں بھیج دیا "کہ اسے صلیب دی جائے"۔ جناب مسیحؑ رسیوں میں جکڑے ہوئے پیلا

طوس کے سامنے پیش کئے گئے۔ اس نے آپؑ سے پوچھا کہ "کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے"؟ کیونکہ حضرت مسیحؑ پر سب سے بڑا الزام یہی تھا کہ یہ قیصر کی بجائے اپنی بادشاہی کا اعلان کرتا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے جواب دیا کہ "میری بادشاہی دنیا کی نہیں' اگر میری بادشاہی اس دنیا کی ہوتی تو میرے خادم لڑتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالے نہ کیا جاتا مگر اب میری بادشاہی یہاں کی نہیں"۔ پیلاطوس نے اس سے کہا پس کیا تو بادشاہ ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ تو خود کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں۔ میں اس لئے پیدا ہوا اور اس واسطے دنیا میں آیا ہوں کہ حق پر گواہی دوں۔ جو کوئی حقانی ہے میری آواز سنتا ہے ○" (یوحنا کی انجیل باب ۱۸ آیت ۳۶)

حضرت مسیحؑ کا بیان سن کر اور ان ؑ کے حالات کی تحقیق کر کے گورنر پیلاطوس نے جو حاکم عدالت بھی تھا سردار کاہنوں سے کہا کہ "میں اس شخص (مسیحؑ) میں کچھ قصور نہیں پاتا۔" اس پر علمائے یہود کاہن اور فقیہ چلائے کہ "وہ مصلوب ہو"۔ پیلاطوس نے ان سے کہا کیوں اس میں کیا برائی ہے؟ وہ اور بھی چلائے کہ "وہ مصلوب ہو" واقعات شہادت دیتے ہیں کہ گورنر پیلاطوس پر حضرت مسیحؑ کی بے گناہی ثابت ہوچکی تھی اور وہ آپؑ کو بچانے کی پوری کوشش کررہا تھا مگر یہودی کسی طرح جناب مسیحؑ کی رہائی پر آمادہ نہ ہوتے تھے آخر میں اس نے ایک اور کوشش کی اور یہودیوں سے کہا کہ تم اپنی عید (عیدِ فسح) کے موقع پر ایک قیدی رہا کرا لیتے ہو اگر کہو تو میں "برابا" نامی قیدی کو صلیب دیدوں اور اس کے عوض مسیحؑ کو رہا کردوں گا مگر یہودی بدستور مطالبہ کرتے رہے کہ نہیں "برابا" کو رہا کیا جائے اور یسوع مصلوب ہو۔ گورنر پیلاطوس نے ایک برتن میں پانی منگوایا اپنے دونوں ہاتھ اس میں ڈبوئے اور یہودیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں تم جانو۔" "سب لوگوں (یہودیوں) نے جواب میں کہا اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر"۔ (متی کی انجیل باب ۲۷ آیت ۲۱ تا ۲۶)

اس کے بعد پیلاطوس نے قانون کے مطابق حضرت مسیحؑ کو کوڑے لگوا کر یہودیوں کے سپرد کردیا اور مسلح پولیس کا ایک دستہ بھی ساتھ کردیا جس کی موجودگی میں جناب مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔

منیر احمد :۔ پیام صاحب! اگر یہ واقعہ درست ہے تو بہت ہی دردناک واقعہ ہے کہ خدا کے ایک مقدس رسول کو اس طرح صلیب دیدی گئی۔ اب میرا سوال یہ ہے کہ جب یہودیوں کی ایک جماعت اور گورنر کا بھیجا ہوا مسلح سرکاری دستہ حضرت مسیحؑ کو اپنی حفاظت میں لے کر صلیب کے مقام پر گیا تو وہ صلیب سے کیسے بچ گئے؟ کیا حضرت مسیحؑ کو صلیب پر جان بوجھ کر ہلاک نہیں کیا گیا۔

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ اس سارے واقعے میں قدم قدم پر الٰہی تصرفات کار فرما نظر آتے ہیں اور آپ بہت حد تک بات کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا دینے کے باوجود گورنر پیلاطوس کی کوشش یہی تھی کہ جناب مسیحؑ صلیب پر ہلاک نہ ہونے پائیں اس کی کئی وجوہ تھیں :۔

(۱) ایک وجہ تو یہ ہے جو خود انجیل میں درج ہے کہ جس شب کی صبح کو حضرت مسیحؑ کا مقدمہ پیلاطوس کی عدالت میں پیش ہوا اس شب پیلاطوس کی بیوی نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس نے پیلاطوس کو خواب کی اطلاع دے کر کہا تھا کہ "یسوع مسیحؑ" نامی یہ شخص راستباز ہے تو اس کو صلیب نہ دینا" (متی کی انجیل باب ۲۷ آیت ۱۹ اصل الفاظ یہ ہیں کہ "تو اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ")

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ خود پیلاطوس بھی حضرت مسیحؑ کو بے گناہ سمجھتا تھا اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہودی علما ازروئے حسد اس بے گناہ کو صلیب پر چڑھوانا چاہتے ہیں۔ (مرقس کی انجیل باب ۱۵ آیت ۱۰' ۱۱)

(۳) پیلاطوس پر حضرت مسیحؑ کے بعض حواریوں اور شاگردوں کا خاصا اثر تھا' ان میں سے شہر "ارمتیاہ" کا ایک شخص یوسف نامی بھی تھا جو شاہی کونسل کا رکن اور مشیرِ حکومت تھا دولتمند ہونے کے ساتھ ساتھ راستباز شخص تھا' اپنے علاقے کا بہت بڑا رئیس اور پیلاطوس کا دوست تھا۔ اسی طرح اس عہد کا مشہور طبیب "نیکدیمس" بھی یوسف ارمتیائی کے حوالے سے پیلاطوس کا دوست تھا۔

مسیحؑ کو بچانے کی تدابیر

واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے سے قبل ہی آپؑ کے ان حواریوں اور گورنر پیلاطوس کے درمیان ایک منصوبہ طے پاگیا تھا جس پر نہایت ہوشیاری سے عمل کیا گیا اور اس طرح حضرت مسیحؑ کو شدید بے ہوشی کی حالت میں جو موت سے مشابہ

تھی صلیب سے زندہ اتار لیا گیا۔ مندرجہ ذیل واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں:۔

(۱) حضرت مسیحؑ کو صلیب دینے کی کارروائی جس رومی افسر کی نگرانی میں انجام دی جانے والی تھی وہ اس منصوبہ میں شریک تھا چنانچہ حضرت مسیحؑ کے واقعہ ٔ صلیب کے بارے میں چشم دید حالات پر مبنی دستاویز کا راوی جو حضرت مسیحؑ کا ایک شاگرد ہے، وہ لکھتا ہے کہ:۔

"اس واقعے کی نگرانی کرنے والے دستے کا فوجی افسر میرے ساتھ دوستانہ تعلق رکھتا تھا۔ دراصل اس پر یسوعؑ کی بے گناہی آشکار ہو چکی تھی چنانچہ جب اس کے ساتھ مصلوب ہونے والے چوروں کی ہڈیاں توڑی جانے لگیں تو یہ افسر اس صلیب کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا جس پر یسوعؑ لٹک رہا تھا اور جب سپاہی اس کی طرف آئے تو اس نے یہ کہہ کر انہیں روک دیا کہ اس کی ہڈیاں نہ توڑو یہ مر چکا ہے"

اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں۔

"DO NOT BREAK HIS BONES' FOR HE IS DEAD."

(The Crucifixion by An Eye Witness, P - 70)

اس طرح اس منصوبہ کے تحت جو گورنر پیلاطوس اور حضرت مسیحؑ کے حواریوں کے درمیان طے پا چکا تھا فوجی افسر نے حضرت مسیحؑ کی ہڈیاں نہ تڑوائیں ورنہ صلیب دینے اور صلیب سے اتارنے کے بعد مصلوب کی ہڈیاں توڑنا ضروری ہوتا تھا تاکہ مجرم کی موت میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ فوجی افسر کی اس رعایت کی وجہ سے حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتر آئے۔

(۲) جب حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھے ہوئے کچھ دیر گزر گئی تو آپؑ کا حلق اور زبان خشک ہو گئے۔ شدید پیاس کی وجہ سے آپؑ کی حالت غیر ہونے لگی اور آپؑ نے بے قرار ہو کر کہا "ایلی ایلی لما سبقتنی" (اے میرا خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) تو اسپنج کو سرکے میں ڈبو کر اور سرکنڈے کے سرے پر رکھ کر آپؑ کے منہ کے قریب کر دیا گیا جسے آپؑ نے چوسا (اور اپنی پیاس بجھائی)۔ (متی کی انجیل باب ۲۷ آیت ۴۸)

منیر صاحب! یہ بڑے غور کا مقام ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھانسی گھاٹ پر یہ سرکہ کہاں سے آ گیا؟ وہاں تو موت کے سامان فراہم کئے جاتے ہیں، زندگی کے نہیں۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ پہلے سے ایک طے شدہ منصوبے کے تحت کسی ایسے مشروب کا انتظام کر لیا گیا تھا جو قوت بخش ہونے کے ساتھ ساتھ بے ہوش کر دینے والا بھی تھا جس سے انسان کی

حس سو جاتی ہے، جسے انجیل میں "سرکہ" کا نام دیا گیا ہے۔

(۳) حضرت مسیحؑ کا شاگرد "یوسف ارمتیائی" جو شاہی کونسل کا ممبر اور گورنر پیلاطوس کا دوست تھا شام کے قریب اس کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ یسوعؑ "فوت" ہو گیا ہے اس کی لاش مجھے (یوسف کو) دے دی جائے۔ پیلاطوس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ زرنقد لئے بغیر نعش ورثاء کے سپرد نہیں کرتا تھا یہ زرنقد سرکاری خزانے میں جمع کرا دیا جاتا تھا لیکن اپنے دوست یوسف کی درخواست پر اس نے واقعہ ٔ صلیب کی نگرانی کرنے والے افسر کو حکم دیا کہ یسوعؑ کی لاش کسی معاوضے کے بغیر یوسف کو دے دی جائے (CRUCIFIXION, p-72)

یہ واقعہ بھی ثابت کرتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب سے زندہ اتار لینے کے بارے میں گورنر پیلاطوس اور آپؑ کے دو تین حواریوں کے درمیان ایک منصوبہ پہلے سے طے پا چکا تھا جس کے مطابق آپؑ کا جسم فوری طور پر یوسف کے حوالے کر دیا گیا تاکہ معاوضے کی ادائیگی اور وصولی کی کارروائی مکمل کرتے ہوئے اتنی دیر نہ ہو جائے کہ زخموں کی شدت سے آپؑ وفات ہی پا جائیں۔

(۴) حضرت مسیحؑ کو صلیب دیئے جانے کے بعد یہودی علماء اور چیف کاہن "کائفا" جو حضرت مسیحؑ کا سب سے بڑا دشمن اور آپؑ کے خون کا پیاسا تھا، گورنر پیلاطوس کے پاس ایک وفد لے کر گئے اور انجیل کی روایت کے مطابق اس سے درخواست کی کہ۔

"خداوند! ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکے باز (حضرت مسیحؑ) نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اٹھوں گا پس حکم دے کہ تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے شاگرد اسے چرا لے جائیں اور لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا اور یہ پچھلا دھوکا پہلے دھوکے سے بھی برا ہو۔ پیلاطوس نے ان سے کہا کہ تمہارے پاس پہرے والے ہیں جاؤ جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی نگہبانی کرو۔ ○" (متی کی انجیل باب ۲۷ آیت ۶۲ تا ۶۵)

کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ چیف کاہن اور یہودی علماء گورنر پیلاطوس کو بتا رہے ہیں کہ اگر حضرت مسیحؑ کی قبر کی نگرانی نہ کی گئی اور ان کا جسم غائب کر دیا گیا تو بہت بڑا فتنہ اٹھ کھڑا ہو گا جو پہلے فتنے سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا اس لئے آپ رومی فوج کا ایک دستہ یسوعؑ (حضرت مسیحؑ) کی قبر پر نگرانی کے لئے متعین کر دیں۔ اس کے باوجود گورنر ان کی درخواست قبول نہیں کرتا اور قبر کی نگرانی کرنے کی غرض سے رومی فوج کا دستہ متعین کرنے سے انکار

کرتا ہے بلکہ انہیں صاف جواب دیتا ہے کہ میرا اس سے کیا تعلق؟ تم جانو اور تمہارا کام۔ خود جاؤ اور اپنے آدمیوں کو متعین کر کے قبر کی نگرانی کرو۔ اس طرح پیلا طوس نے اس آخری موقع پر بھی حضرت مسیحؑ کے معاملے میں نرمی برتی اور ان کے حواریوں کو موقع فراہم کیا کہ وہ آپؑ کو لے کر اس علاقہ سے نکل جائیں۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ گورنر پیلا طوس اور حضرت مسیحؑ کے حواریوں کے درمیان پہلے سے ایک منصوبہ طے پا چکا تھا جس کے مطابق آپؑ کو بچانے کی ساری کارروائی نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے عمل میں لائی گئی۔ بلاشبہ یہ منصوبہ حیرت انگیز طور پر کامیاب رہا اور آپؑ کے حواری آپؑ کو صلیب سے زندہ اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے۔ رومی گورنر پیلا طوس نے یہودیوں کی منشا اور اپنے بادشاہ (قیصر روم) کی پالیسی کے خلاف اتنا بڑا قدم اٹھایا اور حضرت عیسیٰؑ کو صلیب سے زندہ اتروا لیا تو کیا قیصر روم کو اس کی خبر نہیں ہوئی؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے' چونکہ یہ سوال بہت تفصیل طلب ہے اس لئے جب یہ انٹرویو کتابی صورت میں شائع ہو گا تو انشاء اللہ اس کے آخر میں اس سوال سے متعلق تفصیلی جواب عرض کر دوں گا۔ اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں اور ایک ایسا حوالہ پیش کرتا ہوں جس سے روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو جب صلیب سے اتارا گیا تو آپؑ زندہ تھے۔ حوالہ بھی حضرت مسیحؑ کے ایک شاگرد کا ہے جس کے مستند ہونے میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں۔

جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے تین سے چھ گھنٹے تک صلیب پر رہنے کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی اور خطرہ تھا کہ ذرا سی بے احتیاطی سے آپؑ کی زندگی کا چراغ گل نہ ہو جائے' اس کے باوجود حضرت مسیحؑ کا شاگرد اور اس عہد کا حاذق طبیب (حکیم) نیکدیمس جو صلیب گاہ میں موجود تھا حضرت مسیحؑ کی زندگی سے مایوس نہیں ہوا تھا بلکہ نہایت پرامید تھا چنانچہ واقعہ صلیب کا عینی شاہد لکھتا ہے کہ:۔

(جب حضرت مسیحؑ) کو صلیب سے اتار لیا گیا تو) "حکیم نیکدیمس نے جناب مسیحؑ کے جسم کا (بغور) معائنہ کیا اور ان کی حالت سے غیر معمولی طور پر متاثر ہو کر یوسف ارمیتہ کو ایک طرف (تنہائی میں) لے گیا اور اس سے کہنے لگا کہ مجھے حیاتِ انسانی اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں

کے اسرار و رموز کا جتنا علم حاصل ہے اس کی بنا پر میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یسوع کو بچایا جا سکتا ہے۔" (The Crucufixion By and Eye Witness, P-67)

حضرت مسیحؑ کے صحابی کے بقول "آپؑ کے جسم کو رسیوں سے بہت احتیاط اور آہستگی سے آزاد کیا گیا اور پھر اسی احتیاط اور نرم ہاتھ سے دونوں ہاتھوں کی میخیں نکالی گئیں اور بہت آہستگی سے زمین پر لٹا دیا گیا۔ حضرت مسیحؑ کے شاگرد اور اس عہد کے حاذق طبیب "حکیم نیکدیمس" نے پہلے سے شفا بخش ادویہ اور مرہم تیار کر لئے تھے۔ اس نے "BYSSUS" نامی کپڑے کے لمبے لمبے ٹکڑوں پر یہ دوائیں اور مرہم پھیلائے پھر کپڑے کے یہ ٹکڑے حضرت مسیحؑ کے جسم کے اردگرد لپیٹ دیئے۔ ("The Crucifixion", P-73)

انجیل سے بھی اس واقعے کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ حضرت مسیحؑ کا معروف اور مقرب صحابی "یوحنا" جو واقعہ صلیب کے عینی شاہدوں میں شامل ہے اور آپؑ کو صلیب سے اتارے جانے کی کارروائی کے بعض مرحلوں میں یوسف ارمتیائی اور حکیم "نیکدیمس" کا رازدار بھی رہا اپنی انجیل میں تصدیق کرتا ہے کہ یہ حکیم پچاس سیر کے قریب اشیاء لایا تھا جن میں "مر" اور "عود" ملا ہوا تھا پس یسوع کی لاش کو سوتی کپڑے میں (ان) خوشبو دار چیزوں کے ساتھ دفنایا۔ (یوحنا کی انجیل باب ۱۹ آیت ۴۰)

ظاہر ہے کہ یوحنا نہ طبیب تھا اور نہ ان خوشبودار چیزوں کی اہمیت سے واقف تھا نہ وہ یہ چیزیں خود لایا تھا اس لئے وہ ان کی تفاصیل بیان نہیں کر سکا لیکن چونکہ اس نے حکیم نیکدیمس کو یہ اشیاء یا (ادویہ) لاتے اور حضرت مسیحؑ کے جسم پر لگاتے دیکھا تھا اس لئے اس نے ان کا اجمالی تذکرہ کر دیا۔ اس سے پہلی روایت کی تصدیق ہو گئی جس کی رو سے حکیم "نیکدیمس" نے حضرت مسیحؑ کے جسم پر خوشبودار اشیا اور ادویہ لگائی تھیں جن میں ایک مرہم بھی شامل تھا۔ حضرت مسیحؑ کے جسم کو رسیوں سے جکڑ دینے کی وجہ سے ان کا دوران خون قریب قریب رک گیا تھا اور بہت سا خون دل میں جمع ہو گیا تھا۔ ان کی ٹانگیں بھی گھٹنوں کے پاس سے پیچھے کی طرف دوہری کر کے باندھ دی گئی تھیں اس طرح جسم کے اس حصے کا دورانِ خون بھی رک گیا تھا اور بہت سا خون دل کی طرف چلا گیا تھا پس آپؑ کی سانس گھٹ گئی تھی۔ سب سے ضروری امر آپؑ کا تنفس بحال کرنا تھا۔ اس واقعے کا عینی شاہد بیان کرتا ہے:

"(حکیم) نیکدیمس" اور یوسف ارمتیائی حضرت مسیحؑ پر جھکے ہوئے تھے۔ ان کے آنسو

آپ" کے چہرے پر گر رہے تھے اور دونوں باری باری آپ" کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر اپنی سانسوں کے ذریعے آپ" کا تنفس بحال کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی آپ" کی کنپٹیوں کو بھی گرما رہے تھے" (The Crucifixion, P-74)

آخر کار وہ اس میں کامیاب ہو گئے اور حضرت مسیح" کا سانس آہستہ آہستہ بحال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ" کو کسی محفوظ مقام پر لے جانے کا مسئلہ تھا۔ یہ مسئلہ بھی پہلے سے حل کر لیا گیا تھا اور آپ" کے ایک دولتمند شاگرد یوسف ارمتیائی نے قریبی باغ میں جو اس کی ملکیت تھا پتھروں کو کھود کر ایک کمرہ نما قبر تیار کروا لی تھی۔ آپ" کو اس قبر یا غار میں رکھا گیا' پھر وہ عود اور دوسری اشیا جن کی مقدار انجیل کا راوی اور حضرت مسیح" کا صحابی پچاس سیر قرار دیتا ہے اس غار میں رکھ کر جلائی گئیں جن سے دھواں پیدا ہوا۔ حکیم نیکدیمُس نے فن طب کی رو سے اس دھویں کو غار میں روک دینا ضروری سمجھتا تاکہ ادویہ اور خوشبوؤں کے جلنے سے جو بخارات اٹھ رہے تھے وہ سانس کے ذریعے حضرت مسیح" کے دل' دماغ اور دوسرے اعضا میں داخل ہو سکیں۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھی کی مدد سے ایک بڑے پتھر سے اس کمرہ نما قبر کا منہ بند کر دیا صرف ہوا کے لئے معمولی سی درز باقی رکھی۔ (یہ حوالہ بھی "دی کروسی فکشن" کا ہے صفحہ ۷۵۔ غار کے اندر روشنی کی غرض سے ایک چراغ بھی رکھ دیا گیا تھا)

منیر احمد:۔ پیام صاحب! شاید آپ نے بھی کسی جگہ اس نکتے کو اٹھایا ہے کہ آخر حضرت مسیح" کو کفن دینے کے لئے پچاس سیر خوشبوؤں کی کیا ضرورت تھی اور کیا یہ بات عقل میں آتی ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ کا اعتراض درست ہے اور میں اپنی کتاب "مسیح" کا سفر زندگی" میں اس پر بحث کر چکا ہوں مگر چونکہ اس کتاب کے قاری نئے ہوں گے' دوسرے آپ نے سوال اٹھایا ہے اس لئے مجھے جواب دینا چاہئے۔

اس میں تو شک نہیں کہ جناب مسیح" کے صحابی اور انجیل کے راوی یوحنا کے بقول حضرت مسیح" کو کفنانے کے لئے جو خوشبوئیں لائی گئی تھیں ان کی مقدار پچاس سیر تھی (یوحنا کی انجیل باب ۱۹ آیت ۳۹' ۴۰) یعنی ایک من اور دس سیر۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا آج تک کوئی ایسا انسانی جسم عالم وجود میں آیا جسے کفنانے کے لئے سوا من کے قریب اشیاء لائی گئی ہوں۔ ایک دو شیشیاں یا ایک دو بوتلیں عرقیات اور خوشبوؤں کی کافی ہوتی ہیں اور اگر وہ خوشبوئیں سفوف کی شکل میں ہوں تو چند تولے بہت ہوتے ہیں' چند سیر فرض کر لیجئے۔ آخر

ایک من دس سیر خوشبودار اشیاء یا مسالے کس غرض سے لائے گئے تھے؟ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یوحنا صحابی نے غلط بیانی سے کام لیا یا مبالغہ آرائی کی۔ نہیں بالکل نہیں۔ یوحنا نے واقعہ درست درج کیا اس کی تشریح نہیں کی۔ حضرت مسیح" کا دوسرا صحابی جو اس واقعے کا عینی شاہد ہے اور جس کی تحریر کا انگریزی میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے اس نے ایک من دس سیر وزن کی وضاحت کر دی کہ یہ صرف خوشبوئیں نہیں تھیں بلکہ ایسے مسالے اور جڑی بوٹیاں بھی ان میں شامل تھیں جن سے اس کمرہ نما قبر میں دھونی دینا مقصود تھا جس میں حضرت مسیح" کو رکھا گیا تھا تاکہ یہ اشیاء ساری رات سلگائی جا سکیں اور ان کا دھواں آہستہ آہستہ سانس کے ذریعے آپ" کے جسم میں داخل ہوتا رہے۔

گویا اس حقیقت کی تصدیق ہو گئی کہ حضرت مسیح" کو صلیب پر چڑھانے سے قبل ہی پوری منصوبہ بندی کر لی گئی تھی تاکہ آپ" صلیبی موت سے محفوظ رہیں اور صلیب سے اتارنے کے بعد فوری اور ضروری علاج معالجے کے ذریعے آپ" کے زخم مندمل کئے جا سکیں اور آپ" کی صحت اور توانائی بحال ہو جائے۔

منیر صاحب! جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ حضرت مسیح" کے واقعہ ء صلیب میں قدم قدم پر تصرفاتِ الٰہی کارفرما نظر آتے ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک زبردست ہاتھ ہر نازک موقع پر لحہ بہ لحہ اپنی قدرت دکھا رہا تھا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ بندوں کی تدبیروں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی تدبیریں ہی ہمیشہ غالب آتی ہیں اور اس کا دعویٰ کہ وہ "خیرالماکرین" ہے (یعنی تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا) سو فیصد درست ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح" کو اس کمرہ نما قبر میں رکھے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک شدید اور خوفناک زلزلہ آیا جس کے ساتھ شدید طوفان تھا۔ اس زلزلے کی شدت سے اردگرد کے پہاڑوں کی چٹانیں اڑ اڑ کر ریزوں کی طرح بکھرنے لگیں اور پہاڑوں میں سے ایسے شعلے اٹھنے لگے جن سے ساری فضا سرخ ہو گئی اور چاروں طرف ایک خاص قسم کی بو پھیل گئی۔ حکیم نیکدیمُس نے اپنے ساتھی یوسف ارمتیائی سے کہا کہ "فضا کی یہ مخصوص کیفیت ایسے موقع پر زمینی عناصر کے تغیر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور طبی نقطہ نگاہ سے یہ حضرت مسیح" کے لئے بہت مفید ہے"۔

(The Crucifixion, P-77)

غرض یہ کہ ماہرانہ اور بروقت علاج اور قدرت کی طرف سے ایک صحت بخش بو کا حضرت

مسیحؑ کی سقیم حالت پر نہایت اچھا اثر ہوا۔ آپؑ کا تنفس پوری طرح بحال ہو گیا، جسم میں طاقت آ گئی اور آپؑ نے آنکھیں کھول دیں۔ اس واقعے کا عینی شاہد لکھتا ہے کہ طے شدہ منصوبے کے مطابق حضرت مسیحؑ کو اس کمرہ نما قبر میں رکھنے کے بعد آپؑ کے ایک شاگرد کو یہ خدمت تفویض کی گئی کہ وہ پوشیدہ طور پر قبر کی نگرانی کرے۔ جس وقت شدید اور خوفناک زلزلہ آیا تو اس شاگرد نے حضرت مسیحؑ کی عارضی قبر میں ایک آواز سنی۔ جب وہ اس کے اندر گیا تو قبر میں ہر طرف (زلزلے سے پیدا ہونے والی) بو پھیلی ہوئی تھی۔ پھر اس نے حضرت مسیحؑ کے جسم کی طرف دیکھا تو ان کے ہونٹ ہل رہے تھے، وہ سانس لے رہے تھے، ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ چاروں طرف نگاہ دوڑا رہے تھے۔ اسی دوران میں حکیم نیکدیمس اور یوسف ارتمیائی بھی پہنچ گئے۔ وہ غار میں داخل ہوئے تو حضرت مسیحؑ کا وہ شاگرد جو قبر کی نگرانی پر مامور تھا آپؑ کے سر کو اپنے سینے کا سہارا دیئے ہوئے تھا، آپؑ کی آنکھوں میں نور سا تھا، چہرے پر سرخی نمودار ہو چکی تھی، جب آپؑ نے اپنے شاگردوں اور اصحاب کو دیکھا تو فرط مسرت سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ واقعہ صلیب کے بعد آپؑ کی زبان سے سب سے پہلے جو الفاظ نکلے انہیں تاریخ نے ریکارڈ کر لیا آپؑ نے فرمایا۔ (انگریزی ترجمہ)

" WHERE AM I"

(The Crucifixion By An Eye Witness, P-80)

یعنی "میں کہاں ہوں" اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے حکیم نیکدیمس کے مشورے پر کچھ کھجوریں اور شہد کے ساتھ تھوڑی سی روٹی تناول فرمائی اور ایک مشروب پیا جو یقیناً ان کی نازک حالت کے مطابق تیار کیا گیا ہو گا۔ اس طرح ان کے جسم میں توانائی پیدا ہو گئی۔ جب آپؑ کی پٹیاں کھولی گئیں تو زخم حیرت ناک طور پر مندمل ہو رہے تھے کیونکہ جو ادویہ اور مرہم انہیں استعمال کرائے گئے تھے وہ نہایت زود اثر تھے۔ اس مرہم کو طب کی تاریخ میں "مرہم عیسیٰ!" اور "مرہم رسل" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور زمانہ قدیم کے تمام نامور اطبا نے اس مرہم کا اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

اس موقع پر یوسف ارتمیائی نے مشورہ دیا کہ یہ جگہ زیادہ مدت ٹھہرنے کے لئے مناسب نہیں اور ہمارے دشمن یہاں پہنچ کر ہمیں کسی نئی مصیبت میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ چونکہ ابھی آپؑ کمزور تھے اور زخم بھی پوری طرح مندمل نہیں ہوئے تھے اس لئے آپؑ کو دور دراز سفر پر

لے جانا مناسب نہیں سمجھا گیا، البتہ اس کمرہ نما قبر میں سے نکال لیا گیا اور تین رات تین دن زمین کے پیٹ میں رہنے کے بعد آپؑ اس میں سے باہر نکل آئے۔ یہاں سے آپؑ کو قریب کے ایک مکان میں پوشیدہ طور پر منتقل کر دیا گیا جو حضرت مسیحؑ کے ایک شاگرد کی ملکیت تھا۔
(یہ حوالہ بھی "کروسی فکشن" سے ماخوذ ہے صفحہ ۸۱)

اس طرح حضرت مسیحؑ کے بارے میں حضرت موسیٰؑ کی وہ پیش گوئی پوری ہو گئی اور حقیقت یہ ہے کہ بڑی شان سے پوری ہوئی جو انجیل میں بھی درج ہے اور جو خود حضرت مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کے سامنے بیان فرمائی تھی کہ :۔

"مسیح دکھ اٹھائے گا اور تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھے گا۔" (لوقا کی انجیل باب ۲۴ آیت ۴۶)

یہی وہ پیش گوئی تھی جسے مسیحیوں نے غلط فہمی کی بناء پر حضرت مسیحؑ کی حقیقی موت اور پھر اس کے بعد حقیقت میں جی اٹھنے پر محمول کر لیا، کیونکہ انہوں نے ظاہری الفاظ سے دھوکا کھایا، لیکن واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ مرنے سے آپؑ کی مراد حقیقی موت نہیں تھی نہ جی اٹھنے سے مراد حقیقت میں جی اٹھنا تھا کیونکہ دکھ اٹھانے کے بعد حضرت مسیحؑ فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ موت کے قریب پہنچ گئے تھے، اس حالت سے واپسی کو آپؑ نے دوبارہ جی اٹھنا قرار دیا تھا۔

اس واقعے کا ایک پہلو اور بھی ہے کہ اگر کسی طبعی بیماری کی وجہ سے اپنے بستر علالت پر آپؑ کی حالت مردوں کے مشابہ ہو جاتی اور پھر آپؑ زندگی کی طرف واپس آ جاتے تو اس طرح واپسی کے نتیجے میں آپؑ کا مردوں میں سے جی اُٹھنا پوری صراحت سے ثابت نہ ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ یہ واقعہ صلیب گھاٹ پر پیش آیا جہاں زندوں کو مردہ کیا جاتا، مردوں کو زندہ نہیں کیا جاتا ہے، مگر حضرت مسیحؑ اسی صلیب گھاٹ پر مردوں کے مشابہ ہوئے اور یہیں آپؑ کے برچھی ماری گئی جس سے خون بہہ نکلا اور یہیں آپؑ میں پہلی بار زندگی کی علامات پائی گئیں۔

اس واقعے کا دوسرا پہلو اور بھی زیادہ قابل غور ہے جو الٰہی تصرفات کا عجیب نمونہ ہے وہ یہ کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ دو مجرموں کو بھی صلیب پر چڑھایا گیا تھا اور صلیب سے اتارنے کے بعد ان کی ہڈیاں توڑ کر انہیں مار دیا گیا تھا مگر حضرت مسیحؑ کی ہڈیاں نہیں توڑی گئی تھیں۔ اس طرح آپؑ ان دو مردوں میں سے تیسرے واحد شخص تھے جو تیسرے دن جی اٹھے۔ یہ نکتہ

غور طلب ہے کیونکہ حضرت موسیٰؑ کی اس پیش گوئی کے مطابق کہ "مسیح تیسرے دن مردوں میں سے جی اٹھے گا" ضروری تھا کہ آپؑ کے ساتھ مردے بھی ہوتے جو حقیقی طور پر مردہ ہو چکے ہوتے اور پھر ان حقیقی مردوں میں سے آپؑ کو نئی زندگی ملتی۔ ان مردوں میں سے دو کا ہونا ضروری تھا جن میں سے آپؑ تیسرے ہوں اور زخموں سے صحت یاب ہو کر تیسرے دن نئی زندگی پالیں (جی اٹھیں) ــــــ سو ایک جلیل القدر نبی حضرت موسیٰؑ کی یہ پیش گوئی دوسرے جلیل القدر نبی (حضرت عیسیٰؑ) کے بارے میں بڑی شان سے اور لفظ بہ لفظ پوری ہو گئی۔

صلیب پر کون تھا؟

منیر احمد :۔ پیام صاحب! آپ کی تحقیق اور دلائل اپنی جگہ لیکن اس بارے میں آپ کیا کہیں گے کہ اب تک ہم یہ پڑھتے اور سنتے آرہے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ جو چور یا ڈاکو قید خانے میں بند تھا اسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی شکل دیدی اور حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ وہی چور صلیب پر چڑھا دیا گیا اور یہودی اس دھوکے میں رہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کر دیا ہے۔

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! یہ سب قصے کہانیاں ہیں تاریخ سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ سب عقل کے خلاف باتیں ہیں۔ حضرت مسیحؑ کون سی کوٹھری میں بند تھے جہاں ان کے ساتھ چور بھی تھا جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ واقعات کچھ اور ہی ہیں جو میں آپ کے سامنے ثبوت کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی حیاتِ آسمانی کے عقیدے کو باطل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے ایسے سامان پیدا کر دیئے تھے کہ لوگ اس غلط فہمی سے نکلنے کے لئے راستہ پا سکیں چنانچہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے' یہ سامان ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ کچھ مدت ہوئی کہ ایک ایسا انکشاف ہوا جو انسان کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ یہ حضرت مسیحؑ ناصری کے مقدمے کے اختتام پر جاری ہونے والا وہ عدالتی پروانہ ء موت ہے جو قریباً دو ہزار سال سے پوشیدہ خزانے کی طرح چھپا ہوا تھا اور ۱۸۱۰ء میں دریافت ہوا۔ اصل حکم عبرانی زبان میں ہے جسے اسی عہد کے کسی شخص نے تانبے کی پلیٹ پر منتقل کر دیا تھا ـــــ یہ پلیٹ سنگ مرمر کے ایک قدیم برتن میں محفوظ تھی "جونیپلز" کی بستی "عقیلہ" سے کھدائی کے دوران برآمد ہوئی تھی اور فرانسیسی آرمی کے ایک کمشنر نے اسے دریافت کیا تھا جو شعبہ فنون لطیفہ کا افسر تھا۔ عبرانی زبان سے اسے فرانسیسی زبان میں اور فرانسیسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ اب میں اس کا اردو ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

"حکم نامہ بعدالت پونٹیوس پیلاطوس قائم مقام گورنر صوبہ گلیل زیریں۔

قرار دیا جاتا ہے کہ (مسمی) یسوع ناصری کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا جائے۔

بہ عہد حکومت حضور قیصر طبریوس شہنشاہ روم

(بتاریخ ۲۷ مارچ ۱۷ قیصری)

بمقام شہر مقدس یروشلم۔ کاہنوں کے سردار حنا اور کائفا کی موجودگی میں جو خدا کے نام پر بندگانِ خدا سے قربانی قبول کرتے ہیں۔

(میں) پونٹیوس پیلاطوس گورنر گلیل زیریں صدر عدالت کی حیثیت سے حکم جاری کرتا ہوں کہ (مسمی) یسوع ناصری کو دو چوروں کے درمیان صلیب پر لٹکا کر مار دیا جائے کیونکہ اس کے خلاف مضبوط اور زباں زد عوام شہادتوں کی رو سے درج ذیل الزامات ثابت ہوگئے ہیں۔

(۱) وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے (۲) وہ (حکومت وقت کا) باغی ہے۔ (۳) وہ (رائج الوقت) قانون کا دشمن ہے (۴) وہ کذب بیانی سے کام لے کر خود کو خدا کا بیٹا کہلواتا ہے (۵) وہ (اپنے بارے میں) یہ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے کہ اسرائیلیوں کا بادشاہ ہے۔ (۶) وہ (مقدس) ہیکل (بیت المقدس) میں اپنے پیروکاروں کے ہجوم کے ساتھ (ناجائز طور پر) داخل ہو گیا جن کے ہاتھوں میں کھجور کے درختوں کی شاخیں تھیں (اس طرح وہ مقدس ہیکل کی بے حرمتی کا مرتکب ہوا)

پس محافظوں کے دستے کے سردار اول قولیشس کلونیلشس کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی نگرانی اور حفاظت میں مجرم (یسوع ناصری) کو مقام صلیب تک لے جائے۔ عوام الناس کے نام ہدایت جاری کی جاتی ہے کہ یسوع مسیح کی سزا دہی کے عمل میں کوئی شخص خواہ وہ غریب ہو یا امیر کسی قسم کی مداخلت و مزاحمت نہ کرے۔

مندرجہ ذیل اصحاب نے اس حکم نامہ پر بطور گواہ دستخط کیے۔

۱۔ دانیال ربانی (فریسی) ۲۔ جوانس ربانی ۳۔ رافیل ربانی ۴۔ کیپٹ (شہری نمائندہ)

یسوع کو اسٹریوس کے دروازے سے یروشلم کے باہر (مقام صلیب پر) لے جایا جائے۔

(The Crucifixion, P-29)

علمائے یہود کا کردار

حضرت مسیحؑ کے خلاف اس ظالمانہ فیصلے کی دستاویز کے منظر عام پر آنے سے کئی چیزیں سامنے آئی ہیں یا ان کی تصدیق ہو گئی ہے۔

یروشلم کا وہ تاریخی قلعہ (گورنر ہاؤس) جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے بائیں کمرے میں گورنر پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ کے مقدمے کی سماعت کی اور یہیں آپؑ اس کے روبرو پیش ہوئے۔
("دی ٹرائل آف جیزز آف نزارتھ" مولفہ پروفیسر برانڈن سے حاصل شدہ تصویر)

واقعہ صلیب کے قریباً ستر سال بعد رومیوں کے غضبناک لشکر نے یروشلم پر حملہ کر کے یہودیوں کا قتل عام کیا اور شہر کو تباہ و برباد کر دیا ------ بربادی کا ایک منظر۔

(۱) ہر زمانے کے علمائے سوکی طرح اس وقت کے علمائے یہود نے بھی وقت کے نبی اور امام (حضرت مسیح) کے راستے میں سنگین رکاوٹیں کھڑی کیں۔ ان کے خلاف ناپاک منصوبے بنائے اور انہیں صلیب پر چڑھوانے میں بنیادی کردار ادا کیا چنانچہ گورنر اور جج پیلاطوس نے یہ فیصلہ علمائے یہود اور بیت المقدس کے پیشوائے اعظم چیف کاہن "کائفا" کی موجودگی میں اور ان کے ایما سے تحریر کیا جیسا کہ اس دستاویز سے ثابت ہوتا ہے۔

(۲) علمائے سو خود بزدل ہوتے ہیں اس لئے ہمیشہ دوسروں کو آگے کر دیتے ہیں خصوصاً حکومت وقت کے کاندھے پر بندوق رکھ کر فائر کرتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے عدالتی نظام کا سہارا لیا اور عدالت سے حضرت مسیحؑ کو گمراہ، کاذب اور دینی معاملات میں گستاخیوں کا مجرم قرار دلوایا۔

(۳) علمائے سو کا سب سے بڑا ہتھیار ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کے راستباز بندوں اور اس کے فرستادوں کو حکومت وقت کا دشمن اور قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیتے ہیں تاکہ حکام وقت کے نازک جذبات کو مشتعل کر کے مطلب برآری میں کامیاب ہو سکیں، چنانچہ حضرت مسیحؑ پر بھی علمائے یہود نے یہی الزام لگایا اور اس الزام کے حق میں شہادتیں دیں کہ یہ شخص حکومت کا باغی ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی متوازی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ پر یہ الزام لگایا کہ یہ شخص اسرائیلیوں کا بادشاہ ہونے کا مدعی ہے۔

افسانہ طرازیاں

منیر احمد:- پیام صاحب! اس میں شک و شبہ نہیں کہ یہ دستاویز بہت تاریخی قسم کی ہے اور سوائے چند لوگوں کے باقی دنیا کے لئے تو یہ ایک نئی چیز ہے مگر میرا سوال تو یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (تفسیروں کے مطابق) صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے بلکہ ایک چور حضرت عیسیٰؑ کی جگہ مصلوب ہو گیا کیونکہ اسے حضرت عیسیٰؑ کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔

پیام شاہجہانپوری:- منیر صاحب! اسی دستاویز نے تو اس افسانے کے تار و پود ہمیشہ کے لئے بکھیر دیئے جس کی رو سے کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ ایک کوٹھری میں بند تھے، آپؑ کے ساتھ ایک چور بھی تھا، خداوند تعالیٰ نے چور کو حضرت مسیحؑ کی شکل دے دی اور رومی سپاہی حضرت مسیحؑ کے دھوکے میں چور کو پکڑ کر لے گئے اور اسی کو صلیب پر چڑھا دیا اس طرح حضرت مسیحؑ صلیب سے بچ گئے اور اللہ تعالیٰ اس ترکیب سے آپؑ کو آسمان پر اٹھانے میں

شہر "بیت لحم" جہاں حضرت عیسیٰؑ کی ولادت ہوئی

"گلیلی (فلسطین) وہ تاریخی جھیل جس کے کنارے حضرت مسیحؑ نے اپنے شاگردوں سے خطاب فرمایا تھا۔

کامیاب ہو گیا لیکن اس دستاویز کی رو سے چور ایک نہیں دو تھے۔ وہ دونوں جیل کی کوٹھری سے صلیب کے مقام پر لائے گئے۔ ان دونوں چوروں کے درمیان حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے کا حکم دیا گیا۔ غور کرنا چاہئے کہ یہاں وہ چور کس طرح حضرت مسیحؑ کی شکل و صورت اختیار کر گیا؟ صلیب تو تینوں کو دی گئی۔ ان تینوں میں سے کسی ایک کو حضرت مسیحؑ کی شکل دی جاتی تھی، وہ تینوں تو صلیب پر چڑھا دیئے گئے پھر مسیحؑ کی شکل کسے دی گئی؟ ہاں اگر صرف ایک چور ہوتا اور اس کے ساتھ حضرت مسیحؑ بھی ہوتے پھر تو ممکن تھا کہ اس چور کو حضرت مسیحؑ کی شکل دے دی جاتی اور حضرت مسیحؑ آسمان پر اٹھا لئے جاتے، مگر یہاں ایسا نہیں ہوا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرنے کے بعد جیل کی کسی کوٹھری یا حوالات میں بند کر دیا جاتا، جس میں ایک چور بھی ہوتا، اس چور کو حضرت مسیحؑ کی شکل دے دی جاتی اور اللہ تعالیٰ جیل کی کوٹھری یا حوالات کی چھت پھاڑ کر حضرت مسیحؑ کو نکال لیتا پھر انہیں آسمان پر اٹھا لیتا لیکن یہاں ایسا بھی نہیں ہوا۔

تاریخ اور اسرائیلیات کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ صلیب دہی کا یہ واقعہ دن کی روشنی میں پیش آیا اور سینکڑوں افراد کی موجودگی میں پیش آیا۔ خود حضرت مسیحؑ کے ایک بدکردار حواری یہوداہ اسکریوتی نے آپؑ کو گرفتار کروایا تھا۔ یہودیوں نے بہت سے مسیحیوں کی موجودگی میں آپؑ کو رومی گورنر پیلاطوس کی عدالت میں پیش کیا تھا اور پیلاطوس نے یہودیوں کے اصرار اور شور و غوغا سے مجبور ہو کر آپؑ کو صلیب پر چڑھانے کا حکم جاری کیا تھا۔ نہ تو حضرت مسیحؑ کو کسی حوالات میں بند کیا گیا نہ جیل کی کوٹھری میں رکھا گیا جہاں دوسرے حوالاتیوں یا قیدیوں میں مخلوط ہو جانے کی وجہ سے کسی شک یا شبہ کا امکان ہوتا۔ مسیحیوں یا یہودیوں کے بیانات سے جو اس واقعے کے اصل گواہ ہیں ایسا ہرگز ثابت نہیں ہوتا نہ کسی آسمانی کتاب میں یہ واقعہ درج ہے کہ گرفتاری یا فیصلے کے بعد حضرت مسیحؑ کو پھانسی کی کوٹھری یا جیل کی چہار دیواری میں مقید کیا گیا یا کسی نجی عمارت میں بند کیا گیا۔

خود حضرت مسیحؑ کے کم سے کم تین حواری متی، یوحنا اور شمعون پطرس جو انجیل اور اس میں شامل تحریروں کے راوی ہیں شروع سے آخر تک موقعے پر موجود رہے۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے حضرت مسیحؑ کی گرفتاری سے لے کر انہیں صلیب پر چڑھائے جانے تک کے سارے حالات انجیل اور اپنے خطوط میں بیان کئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی ایسا کوئی بیان یا روایت انجیل میں موجود نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ صلیب پر چڑھانے سے قبل

حضرت مسیحؑ کو حوالات، جیل یا کسی نجی عمارت میں رکھا گیا ہو۔ اگر ایسا واقعہ پیش آتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اسے قلم بند نہ کرتے کیونکہ اس طرح تو حضرت مسیحؑ کی مظلومیت میں اور اضافہ ہو جاتا اور آپؑ کو آسمان پر اٹھا لینے کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم ہو جاتی جس سے مسیحی عقیدے کو زبردست تقویت ملتی گویا اس واقعے کا درج کرنا صریحاً ان کے مفاد میں ہوتا مگر اس کے باوجود مسیحیوں کی کسی کتاب میں یہ واقعہ درج نہیں ہوا پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا۔

واقعات کے مطابق رات کو ایک باغ میں جناب مسیحؑ کو گرفتار کیا گیا جہاں آپؑ عبادت کر رہے تھے اور خداوند تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری میں مصروف تھے۔ (یوحنا کی انجیل باب ۱۸ آیت ۱ تا ۱۳) یہی واقعہ متی نے اپنی انجیل کے باب ۲۶ میں بیان کیا ہے) بلکہ آپؑ نے خود ہی اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا تھا۔ اسی رات کو انہیں باغ سے سیدھا چیف کاہن "کائفا" کے پاس لے جایا گیا اور اس کی "شریعت کورٹ" (عدالتِ امورِ مذہبی) میں پیش کر دیا گیا جہاں آپؑ رسیوں میں بندھے اس کے روبرو کھڑے رہے۔ آپؑ کا بیان سننے اور جرح کرنے کے بعد صدرِ عدالت سردار "کائفا" نے یہودی ارکان عدالت کی متفقہ رائے حاصل کی اور پھر حضرت مسیحؑ کو اس ریمارک کے ساتھ گورنر پیلاطوس کے پاس بھیج دیا کہ "یسوع کو صلیب دی جائے"۔ اس سارے عمل میں صبح ہو گئی۔ یہودیوں کے جمِ غفیر اور مسلح رومی سپاہیوں کی نگرانی میں آپؑ کو پیلاطوس کے پاس لے جایا گیا۔ دن نکلنے کے بعد سے عدالت کا وقت شروع ہونے تک حضرت مسیحؑ رسیوں میں جکڑے اپنے مقدمے کی کارروائی شروع ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ کا بیان سننے، آپؑ پر جرح کرنے اور یہودی علماء کے بیانات لینے کے بعد آپؑ کو صلیب پر چڑھانے کا حکم جاری کر دیا، اس افسر کو بھی نامزد کر دیا جس کی نگرانی میں صلیب دہی کی کارروائی ہونی تھی، وہ راستہ بھی متعین کر دیا جس سے حضرت مسیحؑ کو صلیب گھاٹ تک لے جانا تھا۔ پیلاطوس کی عدالت سے لے جا کر حضرت مسیحؑ کو دو چوروں کے درمیان صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ اس سارے عمل کے دوران یہودیوں کی ایک مشتعل جماعت جو ان کے خون کی پیاسی تھی ان کے ساتھ رہی، مسلح سپاہی اور ان کا افسران مشتعل یہودیوں کے علاوہ تھے جن سے حضرت مسیحؑ ایک لمحے کے لئے جدا نہیں ہوئے نہ ہو سکتے تھے۔ مسیحی مردوں اور عورتوں کا جمِ غفیر بھی باحسرت و یاس یہ دل دوز

منظر دیکھ رہا تھا۔ گویا شروع سے آخر تک جناب مسیحؑ لوگوں کی نگاہوں کے سامنے رہے۔

برادرم منیر صاحب! یہ وہ واقعات ہیں جن کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، کسی مستند تاریخی کتاب سے ان کی تردید نہیں ہو سکتی، انجیل یا یہودیوں کی کسی کتاب سے بھی کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا جس سے ثابت ہوتا ہو کہ پیلاطوس کے فیصلے کے اجرا اور صلیب دہی کے عمل میں ایک شب بھی درمیان میں گزری ہو یا ایک لمحے کے لئے بھی حضرت مسیحؑ لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہوئے ہوں۔ ہمیں بتایا جائے کہ پھر حضرت مسیحؑ کو کس وقت اور کیسے آسمان پر اٹھایا گیا؟ جب آپؑ کوٹھری میں بند ہی نہیں ہوئے تو چھت کس کوٹھری کی پھاڑی گئی؟ اور چور سے ان کے جسم کا تبادلہ کون سی کوٹھری میں کیا گیا؟ کیا یہ سب لغو اور من گھڑت افسانے نہیں؟ جن کی اس عہد کی کسی کتاب یا روایت سے تائید نہیں ہوتی۔ اس واقعے کے ڈیڑھ یا دو ہزار سال کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ حضرت مسیحؑ کو کوٹھری میں بند کیا گیا جہاں انہیں ایک چور کی شکل دے دی گئی؟ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

میرے عزیز دوست منیر صاحب! حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی کہ جن لوگوں نے یہ افسانہ گھڑا ان کی دینی غیرت کہاں چلی گئی تھی؟ کیا چور کو خدا کے نبی کی مقدس شکل دے دینا خدائی فعل ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے لئے بڑی غیرت رکھتا ہے۔ وہ کبھی حق و باطل میں اشتباہ پیدا نہیں ہونے دیتا، طیب کو خبیث سے نہیں بدلتا بلکہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ اور ممتاز رکھتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا ایک چور کو اپنے نبی کی مقدس شکل دے کر اس کی توہین کا مرتکب ہو، توہین بھی خود کرے۔ کیا خدا یہودیوں کے سامنے نعوذ باللہ اس قدر بے بس اور عاجز ہو گیا تھا کہ مجبور ہو کر اسے ایک چور کو نبی بنانا پڑا یعنی چور کو حضرت مسیحؑ کی شکل دینا پڑی۔ کیا اس کی تدابیر کا خزانہ بالکل خالی ہو گیا تھا؟ اپنے نبی کو بچانے کے لئے اس کے پاس اور کوئی تدبیر نہیں رہی تھی؟ کچھ تو سوچنا چاہئے، بیسویں صدی کے اس روشن زمانے میں جب کہ دنیا اکیسویں صدی کے دروازے پر دستک دے رہی ہے اس قدر ناپختہ، طفلانہ اور نادانی کی باتیں کون قبول کرے گا؟ ہمارا نوجوان طبقہ اس لئے بھی مذہب سے باغی ہو رہا ہے اور مذہبی روایات کو اس لئے بھی شکوک و شبہات کی نظر سے دیکھتا ہے کہ ان کی بنیاد غیر منطقی ہے اور خرافات کا اہم عنصر بھی ان میں شامل ہو گیا ہے۔

خدا پر دھوکے بازی کا الزام

اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ چور کو حضرت مسیحؑ کی شکل میں لایا گیا اور اسی چور کو مسیحؑ سمجھ کر صلیب پر چڑھا دیا گیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی اپنے دعوے میں سچے تھے کہ "ہم نے یسوع کو جو خود کو مسیح رسول اللہ کہلواتا تھا صلیب دے کر مار دیا"" کیونکہ انہوں نے جس شخص کو صلیب دی یا دلوائی وہ تو مسیحؑ کی شکل و صورت اختیار کر چکا تھا، ہو بہو مسیحؑ تھا اور وہ مسیحؑ کو ہی صلیب دینا چاہتے تھے، انسان تو ظاہر کو دیکھتا ہے، باطن پر تو صرف اللہ تعالیٰ کی نظر ہوتی ہے، پس انہوں نے جس شخص کو صلیب پر مارا وہ تو مسیحؑ کی شکل و صورت میں تبدیل کر دیا گیا تھا اس لئے جب انہوں نے کہا کہ ہم نے یسوع ابن مریمؑ کو صلیب پر مارا تو وہ ظاہری حالات کے مطابق بالکل سچ کہہ رہے تھے، انہیں کیا معلوم تھا کہ بعض مفسرین کی روایت کی رو سے نعوذ باللہ ان کے ساتھ دھوکہ بازی کی جا رہی ہے اور نہ وہ خدا تعالیٰ کے بارے میں ایسا سوچ سکتے تھے کہ ان کا رب بھی نعوذ باللہ انہیں ہاتھ دکھا جائے گا اور ایک جعلی مسیح بنا کر انہیں تھما دے گا کہ لو اسے لے جا کر صلیب پر مار دو۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

گویا جن لوگوں نے یہ مضحکہ خیز افسانہ گھڑا انہوں نے حضرت مسیحؑ کی توہتک کی ہی خود اللہ تعالیٰ کو بھی (نعوذ باللہ) دھوکے باز اور جعل ساز ثابت کیا۔ انا للہ وہ انا الیہ راجعون ط حالانکہ اللہ تعالیٰ قدوس ہے، وہ اس قسم کے ہیر پھیر، دھوکہ فریب اور جعل سازی کی کارروائیوں سے پاک ہے، نہ اسے اس کی ضرورت ہے۔ وہ رب قادر و توانا ہے، اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں، وہ حضرت مسیحؑ کو دھوکے فریب کے بغیر بھی اپنی حکیمانہ تدبیر سے صلیبی موت مرنے سے اسی دنیا میں اور اسی زمین پر بچا سکتا تھا، جیسا کہ اس نے بچایا اور محض حسن تدبیر سے بچایا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! میں آپ کی علمیت اور تاریخ دانی پر اعترض نہیں کرتا نہ ان حقائق کی تردید کرنے کے لئے میرے پاس دلائل ہیں جو آپ نے پیش کئے ہیں لیکن آخر دنیا میں اور بھی تو محقق اور عالم پیدا ہوئے ہیں کیا ان کی تحقیق اور خیالات کو سرے سے رد کیا جا سکتا ہے مثلاً مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی جو بہت پائے کے عالم اور محقق تھے ان کی کتاب "قصص القرآن" بہت عالمانہ کتاب ہے ان کی رائے اور تحقیق تو کچھ اور ہی ہے آپ اسے کیسے رد کریں گے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے علم و فضل کا

انکار نہیں کرتا بلاشبہ وہ بہت فاضل انسان تھے لیکن مورخ نہیں تھے انہی قدیم تفسیری کہانیوں سے متاثر تھے جو مسیحیوں کے زیر اثر اسلامی لٹریچر میں داخل ہو گئی تھیں میں نے ان کی کتاب "قصص القرآن" کا مطالعہ کیا ہے موصوف کی "تحقیق انیق" کا خلاصہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:

"سبت کی شب میں حضرت مسیح (علیہ السلام) بیت المقدس کے ایک بند مکان میں اپنے حواریوں کے ساتھ موجود تھے کہ بنی اسرائیل کی سازش سے دمشق کے بت پرست بادشاہ نے حضرت عیسیٰؑ کی گرفتاری کے لئے ایک دستہ بھیجا اس نے آکر محاصرہ کر لیا اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جب سپاہی داخل ہوئے تو انہوں نے حواریوں میں سے ہی ایک شخص کو حضرت عیسیٰؑ کی ہم شبیہہ پایا اور اس کو گرفتار کر کے لے گئے..... پھر ان روایات میں سے بعض میں یہ ہے کہ یہ شخص مقتول اپنی خلقت ہی میں حضرت مسیحؑ کا مشابہ اور نقش ثانی تھا...... حواریوں میں سے یہوداا سخریوطی حضرت عیسیٰؑ کا ہم شبیہ تھا۔ (قصص القرآن جلد چہارم صفحہ ۱۲۶)

یعنی حضرت عیسیٰؑ تو ملاء اعلیٰ کی طرف اٹھا لئے گئے اور یہوداہ اسکریوتی صاحب ان کے ہم شبیہ ہونے کے "جرم" میں صلیب پر ٹانگ دیئے گئے۔

اس افسانے کی دو اہم کڑیاں ہیں۔ پہلی کڑی یہ کہ "حضرت مسیحؑ گرفتاری کے وقت ایک بند مکان میں اپنے حواریوں کے ساتھ موجود تھے۔" دوسری کڑی یہ ہے کہ "آپؑ کے حواریوں میں سے یہوداہ اسکریوتی آپؑ کا ہم شکل تھا' سپاہی اسی کو پکڑ کر لے گئے" وہی مصلوب ہوا' حضرت مسیحؑ ملاء اعلیٰ کی طرف اٹھا لئے گئے۔ مگر اس افسانے کی پہلی کڑی ہی موئے آتش دیدہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ واقعہ ء صلیب کے اصل راوی یہودی اور مسیحی ہیں۔ یہودی تو اس روایت کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ حضرت مسیحؑ کی جگہ کسی اور کو صلیب دی گئی وہ تو آج تک اس دعوے پر مصر ہیں کہ انہوں نے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو قتل کر دیا۔ رہ گئے مسیحی جو اس واقعے کے سب سے پہلے راوی اور ان میں سے بعض موقعے کے گواہ ہیں' وہ بھی اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت مسیحؑ گرفتاری سے قبل کسی بند مکان میں تھے۔ چاروں انجیلوں میں سے کسی ایک میں بھی ایسی کوئی روایت موجود نہیں۔ چاروں انجیلوں میں ان کی گرفتاری کے واقعے کی تفاصیل موجود ہیں "متی" میں ان کی گرفتاری کا جو واقعہ درج کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "عید فسح کے دن یسوع نے اپنے شاگردوں

کے ساتھ کھانا کھایا' پھر وہ گیت گا کر (یعنی حمدیہ اشعار پڑھ کر) باہر زیتون پہاڑ پر گئے اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا جب تک میں وہاں جا کر دعا کروں..... مختصر یہ کہ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں کی ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے آپہنچی..... اور یسوع کے پکڑنے والے اس کو "کائفا" نام سردار کاہن کے پاس لے گئے (متی باب ۲۶ آیت ۳۰ تا ۵۷)

اس روایت کی رو سے آپؑ کی گرفتاری کا واقعہ کسی بند مکان میں نہیں بلکہ کوہ زیتون کے قریب پیش آیا جہاں آپؑ دعا کر رہے تھے اور یہ کھلی جگہ تھی۔ دوسری انجیل مرقس کی ہے اس میں بھی آپؑ کی گرفتاری کا واقعہ بالکل اسی طرح اور انہی الفاظ میں درج کیا گیا ہے' اس میں بھی کسی بند مکان یا کمرے کا ذکر نہیں جہاں سے آپؑ کو گرفتار کیا گیا' ایک بڑے بالا خانے کا ذکر ضرور ہے جو آپؑ کے شاگردوں نے آپؑ کی دعوت کے لئے آراستہ کیا تھا مگر ساتھ ہی یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ عید فسح کا کھانا کھانے کے بعد آپؑ شاگردوں کے ساتھ:

"پھر گیت گا کر باہر زیتون کے پہاڑ پر گئے۔" (مرقس کی انجیل باب ۱۴ آیت ۲۶)

اس کے بعد آپؑ کی گرفتاری عمل میں آئی۔ تیسری انجیل کا راوی لوقا حضرت مسیحؑ کی گرفتاری کا واقعہ وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

"پھر وہ (یسوع) نکل کر اپنے دستور کے موافق زیتون کے پہاڑ کو گیا اور شاگرد اس کے پیچھے ہو لیئے ○ اور اس جگہ پہنچ کر اس نے ان سے کہا دعا کرو کہ آزمائش میں نہ پڑو اور وہ ان سے بمشکل الگ ہو کر کوئی پتھر کا ٹپہ آگے بڑھا اور گھٹنے ٹیک کر یوں دعا کرنے لگا...... وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو ایک بھیڑ آئی..... پھر وہ اسے پکڑ کر لے چلے۔" (لوقا کی انجیل باب ۲۲ آیت ۳۹ تا ۵۴)

اس تیسری انجیل کی رو سے بھی حضرت مسیحؑ کی گرفتاری کا واقعہ کوہ زیتون پر پیش آیا جہاں پتھروں پر بیٹھے آپؑ دعا کر رہے تھے' کسی بند مکان یا کمرے کا کوئی ذکر نہیں۔

چوتھی انجیل جو حضرت مسیحؑ کے سب سے مقرب حواری جناب یوحنا کی انجیل ہے اس کی رو سے بھی حضرت مسیحؑ کی گرفتاری نہ کسی بند مکان سے عمل میں آئی نہ کسی کمرے میں سے آپ کو پکڑا گیا۔ اس انجیل کے مطابق کھانا کھانے کے بعد حضرت مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کو نصائح فرمائیں اور پھر:-

"یسوع یہ باتیں کہہ کر اپنے شاگردوں کے ساتھ قدرون کے نالے کے پار گیا۔ وہاں ایک باغ تھا اس میں وہ اور اس کے شاگرد داخل ہوئے۔" (یوحنا کی انجیل باب ۱۸ آیت ۱'۲)

اس کے تھوڑی دیر بعد آپ کو گرفتار کرنے والے آپہنچے اور پکڑ کر لے گئے۔ گویا اس روایت کی رو سے آپ کی گرفتاری کا واقعہ ایک کھلے باغ میں پیش آیا۔ یہاں بھی کسی عمارت کا ذکر نہیں، کسی بند کمرے کا ذکر نہیں۔

منیر صاحب! یہ چاروں انجیلوں کی روایات ہیں جو میں نے اپنی طرف سے کسی اضافے کے بغیر بیان کر دی ہیں اور کسی روایت میں سے ایسا ایک فقرہ بھی حذف نہیں کیا جس سے گرفتاری کے وقت حضرت مسیح کا کسی بند کمرے یا عمارت میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہو۔ انجیلیں ہر شہر میں موجود ہیں، بہ آسانی ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ جب حضرت مسیح کسی بند عمارت یا کمرے میں موجود ہی نہیں تھے تو اس بند عمارت میں داخل ہو کر سپاہیوں نے آپ کے ہم شبیہ حواری کو کس طرح پکڑ لیا۔ یہ واقعہ کوہ زیتون کا ہے اور دوسری روایت کے مطابق ایک کھلے باغ کا۔ گویا دونوں جگہ کسی بند عمارت کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا۔ پھر یہ روایت ہمارے مفسرینِ عظام اور سیرت نگارانِ کرام کو کہاں سے ملی؟ کون اس کا راوی ہے؟ کون اس کا شاہد اور گواہ ہے؟ کچھ نہیں معلوم۔ گویا اس افسانے کی پہلی کڑی ہی بال سے زیادہ کمزور ہے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! ایک روایت یہ بھی تو ہے کہ یہوداہ اسکریوتی جو حضرت مسیح کا حواری اور آپ کا ہم شکل تھا اس لئے اسے حضرت عیسیٰ کے دھوکے میں گرفتار کر لیا گیا۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! میں اسی طرف آ رہا تھا اور میں یہ واقعہ اپنی کتاب "مسیح کا سفر زندگی میں" درج کر چکا ہوں اور اس پر تفصیلی بحث کر چکا ہوں آپ کے سوال کے جواب میں پھر عرض کئے دیتا ہوں۔

اس افسانے کی دوسری کڑی حضرت مسیح کی بجائے آپ کے ایک حواری کی گرفتاری ہے جس کا نام یہوداہ اسکریوتی بیان کیا جاتا ہے۔ افسانے کے مطابق سپاہی حضرت مسیح کے دھوکے میں یہوداہ اسکریوتی کو پکڑ کر لے گئے کیونکہ وہ آپ کا ہم شبیہ تھا اور اسی کو مصلوب کر دیا۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ اور خلاف واقعہ بات ہے کہ ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جنہوں نے افسانہ طرازی کے لئے اس روایت کو بنیاد بنایا حالانکہ چاروں انجیلوں میں نہایت صراحت سے یہ

واقعہ درج ہے کہ یہوداہ اسکریوتی تو وہ بدبخت شخص تھا جس نے تیس روپے لے کر حضرت مسیح کو پکڑوایا تھا، وہ نہ کسی عمارت میں موجود تھا نہ کسی بند کمرے میں بیٹھا حضرت مسیح کا لیکچر سن رہا تھا بلکہ یہودیوں کے اس انبوہ اور سردار کاہنوں کے سپاہیوں کی رہنمائی کر رہا تھا جو حضرت مسیح کو گرفتار کرنے جا رہے تھے۔ اس سے قبل وہ یہودی کاہنوں سے حضرت مسیح کا سودا کر چکا تھا۔ چنانچہ انجیل میں ہے کہ:۔

"ان بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ ○ اگر میں اسے تمہارے حوالے کر دوں تو مجھے کیا دو گے؟ انہوں نے اسے تیس روپے تول کر دیدیئے ○ اور وہ اس وقت سے اسے پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا۔" (متی کی انجیل باب ۲۶ آیت ۱۴ تا ۱۶)

یہی نہیں کہ یہوداہ اسکریوتی نے کاہنوں سے تیس روپے میں حضرت مسیح کا سودا کر لیا بلکہ اس نے اس رقم کو پوری طرح "حلال" کیا چنانچہ انجیل میں اس واقعے کی تفصیل بھی درج ہے کہ حضرت مسیح دعا کر چکے تو اپنے حواریوں سے فرمایا کہ:۔

"دیکھو وقت آ پہنچا ہے اور ابن آدم گنہگاروں کے حوالے کیا جاتا ہے ○ اٹھو چلیں۔ دیکھو میرا پکڑوانے والا نزدیک آ پہنچا ہے ○ وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یہوداہ جو ان بارہ میں سے ایک تھا آیا اور اس کے ساتھ ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں کی طرف سے آ پہنچی ○"۔ (متی کی انجیل باب ۲۶ آیت ۴۵ تا ۴۷)

عجیب بات یہ ہے کہ چاروں انجیلوں میں جو حضرت مسیح کے مختلف شاگردوں اور راویوں کی ہیں اور مختلف اوقات میں لکھی گئیں یہ واقعہ اسی تفصیل کے ساتھ درج ہے اور نفسِ مضمون میں معمولی سا بھی اختلاف نہیں بلکہ حضرت مسیح کے سب سے مقرب صحابی اور مستند انجیل نویس جناب یوحنا کی انجیل میں صاف صراحت موجود ہے کہ جس وقت حضرت مسیح کو گرفتار کیا گیا تو:۔

"اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی ان کے ساتھ کھڑا تھا"۔ (یوحنا کی انجیل باب ۱۸ آیت ۵)

گویا یہوداہ کی نشان دہی پر اور اس کی موجودگی میں بیت المقدس کے پیشوائے اعظم "کائفا" کے سپاہی حضرت مسیح کو گرفتار کر کے لے گئے۔ مجھے بتایئے کہ اس سارے واقعے میں یہوداہ کہاں اور کیسے مسیح کی شکل اختیار کر گیا اور کس طرح سپاہیوں کے ہاتھ آیا۔ یہاں دونوں اشخاص یعنی یہوداہ اسکریوتی اور حضرت مسیح موجود ہیں۔ دونوں کا الگ الگ ذکر انجیل کے

چاروں نسخوں یعنی چاروں انجیلوں میں موجود ہے۔ انجیلیں کہتی ہیں کہ یہوداہ کی نشان دہی پر حضرت مسیحؑ کو گرفتار کیا گیا اور یہوداہ پاس کھڑا رہا۔ اگر یہوداہ مسیحؑ کی شکل اختیار کر لیتا تو وہ سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا مگر وہ تو آخر وقت تک وہاں کھڑا رہا اور حضرت مسیحؑ گرفتار ہو گئے۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ یہوداہ اسکریوتی کا انجام کیا ہوا چنانچہ انجیل میں ہے :۔

"جب اس (مسیحؑ) کو پکڑوانے والے یہوداہ نے یہ دیکھا کہ وہ (مسیحؑ) مجرم ٹھہرایا گیا تو پچھتایا اور وہ تیس روپے سردار کاہنوں اور بزرگوں کے پاس واپس لا کر کہا ○ میں نے گناہ کیا کہ بے قصور کو قتل کے لئے پکڑوایا انہوں نے کہا ہمیں کیا؟ تو جان ○ اور وہ روپیوں کو مقدس (بیت المقدس) میں پھینک کر چلا گیا اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دی (متی ۲۷ آیت ۳ تا ۵)

گویا اس کہانی کی دوسری کڑی بھی ہاتھ سے جاتی رہی اور جس یہوداہ کو حضرت مسیحؑ کے دھوکے میں گرفتار کئے جانے کا افسانہ تراشا گیا تھا وہ اپنے فعل پر سخت نادم ہوا اور تیس روپے کی وہ رقم جو اس نے حضرت مسیحؑ کو پکڑوانے کے عوض لی تھی کاہنوں کے سامنے بیت المقدس میں پھینک کر چلا گیا اور اس واقعے سے اتنا دل برداشتہ ہوا کہ خود کو پھانسی دے کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ اس طرح یہ قصہ بھی تمام ہوا اور حضرت مسیحؑ کی شکل اختیار کرنے والا آپؑ کا ہم شبیہ اپنے ہاتھوں انجام کو پہنچا۔ کیا اب بھی اس امر میں کوئی شک و شبہ باقی رہ گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی جگہ یہوداہ کو گرفتار کر کے صلیب پر چڑھانے کا واقعہ محض افسانہ ہے جس کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔

منیر احمد :۔ پیام صاحب! اسی کتاب "قصص القرآن" میں ایک اور روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ حضرت مسیحؑ علیہ السلام کے ایک حواری نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا تھا تاکہ حضرت عیسیٰؑ صلیب سے بچ جائیں اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔

پیام شاہجہانپوری :۔ ہاں منیر صاحب! یہ روایت بھی ہے مگر اس کی بنیاد بھی نہایت کمزور اور بودی ہے۔ یہ پوری روایت اس طرح ہے جو حضرت مولانا (حفظ الرحمٰن سیوہاری) نے بیان کی ہے۔

"جب یہ نازک گھڑی آ پہنچی تو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے حواریوں کو دعوت و تبلیغ حق سے متعلق تلقین و ہدایت کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے مطلع کر دیا ہے کہ میں ایک مدت کے لئے ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جاؤں گا اور یہ واقعہ مخالفین اور متبعین دونوں

کے لئے سخت آزمائش و امتحان بن جانے والا ہے لہٰذا تم میں سے جو شخص اس امر پر آمادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرا شبیہ بنا دے اور وہ خدا کی راہ میں جام شہادت پئے اس کو جنت کی بشارت ہے۔ تب ایک حواری نے پہل کی اور خود کو اس کے لئے پیش کیا اور منجاب اللہ وہ حضرت مسیحؑ کا ہم شکل ہو گیا اور سپاہیوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔" (قصص القران جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۷)

غور کرنے کا مقام ہے کہ اتنا بڑا واقعہ کہ ساری انسانی تاریخ میں آج تک پیش نہیں آیا مگر نہ قرآن میں اس کا ذکر نہ انجیل میں اس کا بیان' نہ رسولؐ خدا کی تصدیق' اگر زبانِ وحی و رسالت ہی سے اس کی تصدیق ہو جاتی تو بھی اس کا انکار کفر ہوتا مگر کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس میں اس واقعے کی جانب اشارہ بھی ملتا ہو۔ ایک گھڑی ہوئی داستان ہے جو صرف اس لئے گھڑی گئی کہ کسی نہ کسی طرح جناب مسیحؑ کو زمین سے اٹھوا دیا جائے مگر داستان وضع کرنے والا بہت ہوشیار بھی ہے اس لئے آسمان کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھائے جانے کا کہیں ذکر نہیں اس لئے روایت ساز پورے ذہنی تحفظ کے ساتھ آسمان کی بجائے "ملاء اعلیٰ" کے الفاظ استعمال کرتا ہے اب اس واقعے کو درایت کی کسوٹی پر کس کر دیکھئے کیونکہ یہاں سلسلۂ روایت تو سرے سے موجود ہی نہیں۔

حضرت مسیحؑ نے اپنے حواریوں کو دعوتِ شہادت دی یعنی رضاکارانہ قربانی کا مطالبہ کیا کہ ان میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو پیش کرے جسے جناب مسیحؑ کا ہم شکل بنا دیا جائے۔ افسانے کے مطابق ایک حواری نے خود کو اس قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ یہ کون شخص تھا؟ ظاہر ہے حواری تھا مگر حواری ہونے کے باوجود اس کا نام؟ کہیں مذکور نہیں۔ اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو آج مسیحیوں کے بچے بچے کی زبان پر ہوتا اور اس کا بت بنا کر مسیحی اسے پوج رہے ہوتے کیونکہ یہ حواری وہ عظیم المرتبت شخص تھا جو اپنے آقا' اپنے مرشد اور اپنے روحانی باپ کی زندگی بچانے کے لئے خود صلیب پر چڑھ گیا تھا۔ اگر انجیل سے یہ واقعہ نکال بھی دیا گیا تھا تو بھی اللہ تعالیٰ اس کی قربانی کو کبھی فراموش نہ ہونے دیتا اور جس طرح حضرت اسماعیلؑ کا نام قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا حالانکہ آپؑ نے اپنی جان راہ خدا میں پیش ضروری کر دی تھی مگر جان قربان کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن حضرت مسیحؑ کا یہ اولوالعزم اور عظیم المرتبت صحابی اور اللہ اور اس کے نبی کا عاشق صادق تو بڑی بے جگری سے صلیب پر چڑھ گیا اور بھوکا پیاسا' گھنٹوں صلیب پر لٹکا رہا' اور تڑپ تڑپ کر راہ خدا میں جان دے دی لیکن اپنے مرشد کو بچا لیا۔ حیرت ہے کہ اتنے عظیم روحانی انسان کا نام تک صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ راہ

حق کے اس شہید کے نام سے آج دنیا کا ایک شخص بھی واقف نہیں جبکہ اس سے کمتر درجے کے حواریوں کے نام مسیحی بچوں تک کی زبان پر ہیں۔ کیا عقل سلیم اسے تسلیم کرتی ہے؟ پس ثابت ہو گیا کہ یہ بالکل فرضی داستان ہے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! ایک سوچ یہ بھی ہے کہ ممکن حد تک تفسیروں میں بیان کئے ہوئے واقعات اور روایات کو رد نہیں کرنا چاہئے بلکہ ان کی تاویل کر لینی چاہئے کیونکہ یہ تفسیریں معمولی مولویوں نے نہیں لکھیں بلکہ اسلامی علوم کے ماہرین نے لکھی ہیں شاید اسی لئے ہمارے ایک عالم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بجائے ایک یہودی جس کا نام شمعون تھا اور جس کی شکل ہو بہو حضرت عیسیٰؑ کی طرح تھی اسے پھانسی دے دی گئی اور حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب میں اپنے مفسرین کی بہت عزت و تکریم کرتا ہوں وہ بہت بلند پایہ اور جیّد علما تھے لیکن اس کے باوجود انسان تھے ان سے بعض جگہ غلطیاں بھی ہوئیں یہ غلطیاں انہوں نے دانستہ نہیں کیں بلکہ یہ فکری لغزشیں تھیں یا بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے انہوں نے کمزور روایتیں قبول کر لیں اس لئے انہیں مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا نہ ان لغزشوں کی وجہ سے ان کی علمی عظمت میں کمی ہو سکتی ہے لیکن جس روایت کا آپ نے ذکر کیا ہے یہ تو ہمارے دور کے مصنف نے بیان کی ہے اور بغیر کسی سند کے بیان کی ہے۔ یہ روایت اس طرح ہے:۔

"جب آپؑ کو سولی کی طرف لے جا رہے تھے تو رسم کے مطابق صلیب جو بہت بھاری تھی آپؑ کے کاندھے پر رکھ دی گئی راستے میں دیہات کی طرف سے آتا ہوا ایک یہودی ملا جس کا نام شمعون کرینی (Simon The Cyrenion) تھا۔ یہ دیکھ کر کہ یہودی آپؑ کو چھیڑ رہے ہیں شمعون آپؑ کو بہت زیادہ پریشان کرنے لگا بالآخر رومی سپاہیوں کو آپؑ کی شرافت و معصومیت پر ترس آیا اور انہوں نے ڈانٹ کر اس کی شرارت کی سزا میں صلیب آپؑ کے کاندھوں سے اٹھا کر اس کے اوپر لاد دی کہ قتل گاہ تک پہنچائے۔ اس کی شہادت خود موجودہ اناجیل سے ملتی ہے ----- شمعون کرینی آپؑ سے عمر اور شکل و صورت میں ملتا جلتا تھا "معلوم یہ ہوتا ہے" کہ جب شمعون کرینی کی شرارت پر سپاہیوں نے آپؑ کی صلیب اس کے سر پر رکھ دی تو سابقہ معجزات کی طرح آپؑ کی صورت تبدیل ہو گئی۔ "رسم تھی" کہ مجرم خود اپنی صلیب اٹھا کر

لے جاتا تھا، مقتل میں شمعون صلیب اٹھائے ہوئے پہنچا تو یہود کو اس کی شکل بھی حضرت مسیحؑ کی سی نظر آئی اور اس شبہ میں پڑ کر کہ وہی مسیحؑ ہے انہوں نے شمعون کو صلیب پر چڑھا دیا اور یہ شمعون وہی ہے جس نے الوہی الوہی لما شبقتنی (اے میرا خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) کہتے ہوئے صلیب پر دم توڑ دیا۔" (انبیائے قرآن جلد ۳ صفحہ ۴۴۹)

منیر صاحب! اب ذرا اس بے سروپا اور من گھڑت کہانی کا تجزیہ کیجئے۔ یہ کہانی چھ اجزائے ترکیبی سے مرکب ہے۔

۱۔ حضرت مسیحؑ کو اپنی شکل و صورت تبدیل کرنے میں کمال حاصل تھا، مسیحی اسے آپ کا معجزہ قرار دیتے تھے۔

۲۔ رسم تھی کہ مجرم اپنی صلیب خود اٹھاتا تھا۔

۳۔ شمعون کرینی نامی یہودی نے حضرت مسیحؑ کو ستانا شروع کیا یہ دیکھ کر رومی سپاہی غصے میں آ گئے اور انہوں نے صلیب حضرت مسیحؑ کے کاندھے پر سے اٹھا کر شمعون کرینی پر لاد دی۔

۴۔ شمعون کرینی حضرت مسیحؑ کا ہم عمر تھا اور شکل و صورت میں بھی ملتا جلتا تھا۔

۵۔ رومیوں نے شمعون کو مسیحؑ سمجھ کر صلیب پر چڑھا دیا۔

۶۔ شمعون ہی نے "الوہی الوہی لما شبقتنی" کہتے ہوئے صلیب پر دم توڑ دیا۔

نتیجہ:۔ پھر خود ہی فیصلہ صادر کر دیا کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔

داستان گو کے بقول حضرت مسیحؑ کو اپنی شکل و صورت تبدیل کرنے میں کمال حاصل تھا۔ مسیحی "آپؑ" کے اس کمال کو معجزات میں شمار کرتے تھے، سوال یہ ہے کہ مسیحی تو آپؑ کو بہت کچھ قرار دیتے تھے۔ وہ تو آپؑ کو ابن اللہ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر خدا قرار دیتے تھے۔ داستان گو اور اس کے ہم خیال اصحاب کو کیا مسیحیوں کے ان عقائد سے بھی اتفاق ہے؟

دوسری بات یہ کہ کیا اس معجزے کی قرآن بھی تصدیق کرتا ہے؟ کیا رسول اقدسؐ نے بھی اسے جناب مسیحؑ کا معجزہ قرار دیا؟ احادیث صحیحہ میں کوئی ایسی حدیث ہے جس کی رو سے حضور اقدسؐ نے فرمایا ہو کہ مسیحؑ کو ایک معجزہ یہ بھی دیا گیا تھا کہ آپؑ اپنی شکل و صورت تبدل کر لیا کرتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسا ایک ارشاد نبویؐ بھی احادیث صحیحہ میں نہیں ملتا۔ قرآن کریم نے حضرت مسیحؑ کے جو معجزات بیان فرمائے ہیں (جن کا حقیقی مفہوم کچھ اور ہے) ان میں کہیں اس معجزے کا ذکر نہیں۔ کیا یہ انتہا درجے کی علمی بددیانتی نہیں کہ اپنے ایک غلط

مفروضے کو درست ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا جائے۔ یہ صرف علمی بددیانتی ہی نہیں بلکہ دینی لحاظ سے بھی بہت بڑا جرم ہے کہ جس امر کا قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے کوئی ثبوت تو کیا معمولی سا اشارہ بھی نہ ملتا ہو اسے ایک عقیدے کی بنیاد بنایا جائے پھر اس پر ایک پوری مذہبی عمارت تعمیر کر دی جائے۔

اپنی صلیب اپنے کاندھے پر

برادر مکرم منیر صاحب! اس کہانی کا دوسرا جزو یہ ہے کہ داستان گو کے بقول "رسم" تھی کہ مجرم اپنی صلیب خود اٹھاتا تھا۔ یہاں داستان گو نے بہت ہوشیاری سے کام لے کر صرف ایک لفظ کا تغیر کیا اور اس تحریف سے اپنی کہانی کو مکمل کرنے کے لئے بنیاد فراہم کر لی۔ وہ جان بوجھ کر اسے "رسم" کہتا ہے حالانکہ یہ رسم نہیں بلکہ قانون کا حصہ تھا۔ سولی کے مجرم کو اپنی صلیب خود اٹھا کر مقام صلیب تک لے جانا پڑتا تھا۔ اس قانون کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی تھی مگر چونکہ آگے چل کر کہانی نویس کو اپنی کہانی مکمل کرنے اور اسے ہر ممکن اعتراض سے بچانے کے لئے اس تغیر کی ضرورت تھی اس لئے اس نے قانون کو "رسم" میں بدل ڈالا۔

اس کہانی کا تیسرا جزو یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اپنی صلیب اٹھائے جا رہے تھے کہ راستے میں شمعون کرینی نام کا ایک یہودی آپؑ کو ستانے لگا۔ یہ دیکھ کر رومی سپاہیوں کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے صلیب حضرت مسیحؑ کے کاندھے پر سے اٹھا کر شمعون پر لاد دی۔ سوال یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کو تو وہ یہودی بھی ستا رہے تھے جو آپؑ کے ساتھ چل رہے تھے خود داستان گو اس کا اعتراف کرتا ہے۔ ان میں ہر مرتبے کے لوگ تھے، پھر رومی سپاہیوں نے ان میں سے کسی کو پکڑ کر اس پر صلیب کیوں نہ لاد دی؟۔

دوسری بات یہ ہے کہ رومی سپاہی تو مسیحی نہیں تھے وہ تو بت پرست تھے، انہیں حضرت مسیحؑ سے کیوں ہمدردی پیدا ہو گئی۔ تیسری بات یہ کہ رومی قانون تھا کہ مجرم اپنی صلیب خود اٹھا کر مقام صلیب تک لے جائے۔ رومی پولیس شاہی قانون کی کھلم کھلا خلاف ورزی کیسے کر سکتی تھی جبکہ یہودیوں کا ایک انبوہ بھی ساتھ تھا اور انہی کے اصرار پر حضرت مسیحؑ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا تھا۔ کیا وہ یہ گوارا کر سکتے تھے کہ جس شخص کو انہوں نے صلیب پر چڑھانے کا حکم حاصل کیا ہے اس کے ساتھ اس قدر نرمی برتی جائے کہ شاہی قانون کو توڑ دیا جائے۔ وہ تو حضرت مسیحؑ کو زیادہ سے زیادہ ایذا پہنچانا چاہتے تھے نہ کہ آپؑ کی اذیت اور تکلیف میں کمی۔

حضرت مسیحؑ کا بھاری صلیب کے بوجھ سے آزاد ہو کر چلنا یہودی کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اسی وقت رومی پولیس کے افسر سے شکایت کرتے کہ یسوع کے ساتھ امتیازی اور خلاف قانون سلوک کیا جا رہا ہے۔ خود رومی پولیس اور اس کے افسر پر الزام آ رہا تھا کہ انہوں نے شاہی قانون کی خلاف ورزی کی اس لئے وہ ایسی حرکت کر ہی نہیں سکتے تھے جو خود ان کی گرفت کا موجب بن جاتی اس لئے انجیل کی یہ روایت ناقابل قبول ہے کیونکہ عقل اور تاریخ دونوں اس کی تردید کرتے ہیں اور ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔

داستان گو کہتا ہے کہ شمعون یہودی جس پر حضرت مسیحؑ کی صلیب لاد دی گئی تھی آپؑ کا ہم عمر اور ہم شکل تھا۔ یہ انجیل میں صریحاً" تحریف ہے' اضافہ ہے' کھلی جعل سازی ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے تو اپنی مقدس کتابوں میں تحریف کی اور ان پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ اب بعض مسلمان علماء بھی ان کی مقدس کتابوں میں تحریف کر رہے ہیں اور خدا کے غضب کے نیچے آنے کے مستحق بن رہے ہیں۔ یہ واقعہ تین انجیلوں میں درج ہے ذیل میں تینوں کتابوں سے یہ روایت اصل الفاظ میں درج کی جاتی ہے:۔

"جب باہر آئے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی آدمی کو پا کر اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔" (متی کی انجیل باب ۲۷ آیت ۳۲، ۳۳)

"اور شمعون نام ایک کرینی آدمی سکندر اور روفس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے ادھر سے گزرا۔ انہوں نے اسے بیگار میں پکڑا کہ اس کی صلیب اٹھائے۔" (مرقس کی انجیل باب ۱۵ آیت ۲۱)

"اور جب اس کو لئے جاتے تھے تو انہوں نے شمعون نام ایک کرینی کو جو دیہات سے آتا تھا پکڑ کر صلیب اس پر لاد دی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے" (لوقا کی انجیل باب ۲۳ آیت ۲۶)

منیر صاحب! ان تینوں انجیلوں میں درج شدہ روایت آپ کے سامنے ہے اسے پڑھئے اور دیکھئے کہ ان میں سے کسی ایک روایت میں کہیں بھی شمعون کو نہ تو حضرت مسیحؑ کا ہم عمر بتایا گیا ہے اور نہ ہم شبیہ لکھا گیا ہے نہ کہیں اس قسم کا واقعہ ملتا ہے کہ وہ حضرت مسیحؑ کو ستا رہا تھا۔ میں چیلنج کرتا ہوں انجیل کے کسی صفحے پر مجھے یہ الفاظ دکھا دیئے جائیں کہ شمعون کرینی حضرت مسیحؑ کا ہم عمر اور ہم شکل تھا اور یہ کہ وہ حضرت مسیحؑ کو ستا رہا تھا اس لئے رومی سپاہیوں نے غصے میں آکر صلیب حضرت مسیحؑ پر سے اتار کر شمعون پر لاد دی۔ اگر کوئی شخص چاروں انجیلوں میں سے کسی ایک انجیل میں یہ الفاظ دکھا دے تو میں ہر سزا قبول کرنے کو تیار ہوں۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ شمعون کو صلیب پر چڑھائے جانے کا واقعہ گھڑنے اور اس واقعے کو سچا ثابت کرنے کے لئے اسے حضرت مسیحؑ کا ہم عمر اور ہم شکل ہونے کی روایت گھڑی گئی اور اپنے دعوے کو مزید تقویت پہنچانے کی غرض سے یہ دوسرا افسانہ تراشا گیا کہ چونکہ شمعون حضرت مسیحؑ کو ستا رہا تھا اس لئے رومی سپاہیوں نے غصے میں آکر حضرت مسیحؑ کی صلیب آپؑ کے کاندھے پر سے اتار کر اس پر لاد دی۔ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آتا تو انجیل نویس اسے ضرور درج کرتے اور اگر انہیں یہ واقعہ اپنے مقصد کے خلاف اور اس کے لئے نقصان دہ نظر آتا تو وہ سرے سے شمعون کو پکڑ کر اس پر صلیب لادنے کا واقعہ درج ہی نہ کرتے مگر تینوں انجیل نویسوں نے اس غلط روایت کو بھی قبول کر لیا کیونکہ کسی ضعیف ترین راوی سے ہی سہی یہ ان تک پہنچی ضرور تھی۔ اگر اس کا دوسرا حصہ ان تک پہنچتا کہ شمعون حضرت مسیحؑ کا ہم شکل اور ہم عمر تھا تو وہ اسے بھی ضرور قبول کر لیتے اور انجیلوں میں درج کر دیتے مگر اس دوسرے حصے کا کسی انجیل میں کوئی ذکر نہیں۔

اس کہانی کی ساری عمارت اس وقت دھڑام سے نیچے آرہتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ واقعہ دن کی روشنی میں پیش آیا یعنی دوپہر کے قریب جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے ــــــ شمعون یہودی کو پولیس کے اس دستے نے پکڑا تھا اور اس پر صلیب لادی تھی جو آپؑ کو گرفتار کر کے لے جا رہا تھا۔ مقام صلیب پر پہنچ کر جب صلیب اس پر سے اتار کر زمین پر کھڑی کر دی گئی تو شمعون آزاد ہو گیا۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ جس شخص پر رومی سپاہیوں نے صلیب خود لادی تھی اسی کو پکڑ کر وہ صلیب پر لٹکا دیتے خواہ وہ حضرت مسیحؑ کا کتنا ہی ہم شکل کیوں نہ ہوتا۔ اگر شمعون حضرت مسیحؑ کا ہم شکل تھا تو یہ بات اسے پکڑتے ہی رومی سپاہیوں کو معلوم ہو چکی ہو گی۔ آخر خدا نے انہیں آنکھیں دی تھیں۔ وہ دیکھ چکے ہوں گے کہ یہ شخص جس پر صلیب لادی جا رہی ہے حضرت مسیحؑ کا ہم شکل ہے کیونکہ حضرت مسیحؑ ان کی حراست میں تھے دونوں کے چہرے ان کے سامنے تھے۔ دونوں کے عمل اور کیفیات الگ الگ تھیں۔ ایک (یعنی شمعون) صلیب اٹھائے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا دوسرا (یعنی حضرت مسیحؑ) ان کی تحویل اور پہرے میں جا رہا تھا' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو شخص ان کے سخت پہرے میں تھا اوپر سے یہودیوں کی نگرانی؟ اسے تو وہ چھوڑ دیں اور جو شخص صلیب اٹھائے آگے آگے چل رہا تھا' جیسے ہی وہ صلیب اتار کر زمین پر رکھے' رومی سپاہی اسے پکڑ لیں اور پھر صلیب پر چڑھا دیں؟ کیا عقل اسے تسلیم کرتی ہے؟

اس عمارت کی آخری اینٹ اس وقت گر جاتی ہے جب اس پہلو پر غور کیا جائے کہ جس وقت شمعون کرینی کو صلیب پر چڑھایا گیا تو وہ خاموشی سے کیسے چڑھ گیا؟ اس نے کچھ داد فریاد نہیں کی کہ "اے لوگو! تم کیا ظلم کر رہے ہو' میں تو شمعون کرینی ہوں جو یسوع کی صلیب اٹھا کر تمہارے آگے آگے چل رہا تھا' میرے باپ کا یہ نام ہے' یہ میرے گاؤں کا نام ہے' میں تو مذہبا" یہودی ہوں یسوع نامی اس شخص کا دشمن ہوں جو مسیحؑ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے' عدالت نے سزائے موت اسے دی ہے' مجھے نہیں دی' مجھے کیوں صلیب پر چڑھاتے ہو؟ آخر میرا کیا قصور ہے؟" ـــــ سارا مجمع اسے واویلا کرتے سنتا' خود رومی سپاہیوں کو خیال پیدا ہوتا کہ وہ کیا ظلم کر رہے ہیں؟ یہودی الگ سوچتے کہ یہ تو شمعون کرینی ہے' یہ تو ہمارا ہم مذہب اور ہم قوم ہے جو یسوع کو ستا کر ہمارا ساتھ دے رہا تھا' اسے کیوں صلیب پر چڑھایا جا رہا ہے' مگر حیرت ہے کہ نہ شمعون کرینی دم مارتا ہے نہ موقع پر موجود لوگوں میں سے کوئی اس واقعے کا نوٹس لیتا ہے۔ پھر یہ کہ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آتا تو مسیحیوں' یہودیوں اور رومی سپاہیوں میں سے ایک ایک شخص اس کا گواہ ہوتا اور یہ واقعہ اسی وقت زبان زد خاص و عام ہو جاتا' کتابوں میں درج ہو جاتا مگر اس عہد کی کسی کتاب' کسی صحیفے میں اس کا کوئی ذکر نہیں' ذکر تو کیا اشارہ تک نہیں ملتا۔

ایک ایمان افروز حقیقت

منیر صاحب! اب میں آپ کے سامنے ایک بہت بڑی صداقت پیش کر رہا ہوں جو نہ صرف آپ کو بلکہ ساری دنیا کو حیرت زدہ کر دے گی میں **چیلنج کرتا ہوں کہ دنیا کے بڑے سے بڑے علامہ کے پاس اگر اس دلیل کا جواب ہے تو وہ پیش کرے** میں اپنے موقف سے دست بردار ہو جاؤں گا۔

افسانے کے مطابق حضرت مسیحؑ کا ہم شکل ہونے کی وجہ سے شمعون یہودی کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ فرض کیا کہ وہ حضرت مسیحؑ کا ہم شکل تھا لیکن کیا وہ آپؑ کا ہم قلب بھی تھا؟ آپؑ کی ہی طرح کیا اللہ تعالیٰ کا فرستادہ یا کوئی بہت بڑا روحانی انسان تھا؟ کیونکہ جس شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا انجیل کہتی ہے کہ :۔

"جب وہ اس جگہ پر پہنچے جسے کھوپڑی کی جگہ کہتے ہیں تو وہاں اسے مصلوب کیا اور بدکاروں کو بھی' ایک کو دہنی طرف اور دوسرے کو بائیں طرف ○ یسوع نے کہا اے باپ! ان

کو معاف کر کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں۔" (لوقا کی انجیل باب ۲۳ آیت ۳۴)

اگر یہ حضرت مسیحؑ نہیں بلکہ شمعون کرینی نامی یہودی تھا تو بلاشبہ بہت بڑا انسان تھا' بہت ہی عالی ظرف' عفو و درگزر کا پیکر عظیم' پیغمبرانہ صفات کا حامل شخص کہ اس وقت تک کی معلوم تاریخ میں جس کی نظیر نہیں ملتی کیونکہ جو لوگ اس بے گناہ کو جرم قتل میں ملوث ہوئے بغیر صلیب پر چڑھا چکے تھے ان کے لئے زندگی کے آخری لمحات میں وہ یہ دعا کر رہا تھا کہ :۔

"اے باپ ان کو معاف کر کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں"۔

سوچئے اور ہزار بار سوچئے کہ اتنے پاکیزہ اور دردمندانہ الفاظ کیا ایسے خبیث الفطرت یہودی کی زبان سے نکل سکتے تھے جو خدا کے ایک نبی کو عین اس وقت ستا رہا تھا جب وہ منوں بوجھ کی صلیب تلے دبا ہوا بظاہر مرنے کے لئے جا رہا تھا؟ اس سے یہ حقیقت سورج کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ صلیب پر چڑھا ہوا جو شخص اپنے بدترین دشمنوں کے لئے بھی دردمندانہ دعا کر رہا تھا اور خدا سے ان کی مغفرت طلب کر رہا تھا وہ بدفطرت یہودی نہیں بلکہ خدا کا مقدس نبی ہی ہو سکتا تھا جس کا دل اپنے دشمنوں کے لئے بھی ہمدردی کے انتہائی پاکیزہ جذبے سے سرشار تھا۔

رسولِ اقدسؐ کی تصدیق

برادرم منیر صاحب سنئے! تاریخ عالم میں ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا' واقعہ بھی خدا کے ایک مقدس نبیؐ کے ساتھ پیش آیا۔ نبیؐ بھی وہ جو سردار انبیاء اور فخرِ رسل تھے۔ اس مقدس نبیؐ نے بھی بعینہ وہی الفاظ ادا فرمائے جو جناب مسیحؑ کی زبان پر جاری ہوئے' تصور کیجئے! ——— احد کا میدان ہے' دشمن کا لشکر رسول اقدسؐ اور حضورؐ کے نام لیواؤں کو بزعم خود مٹا دینے کے درپے ہے' تیروں کی بارش ہو رہی ہے' رسولِ اقدسؐ زخمی ہوتے ہیں' دندان مبارک شہید ہو جاتے ہیں' دہن مبارک سے خون بہہ رہا ہے اور زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں (بہ روایت حضرت عمرؓ)

"اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون"

(اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ یہ نہیں جانتے)

("شفا" صفحہ ۸۱ مولفہ حضرت قاضی امام حافظ ابو الفضل عیاضؒ بن موسیٰ (اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے)

اس واقعے سے چھ صدیاں پیچھے لوٹئے ——— وہاں بھی ایک وسیع میدان ہے جسے عبرانی زبان میں "گلگتا" (موت کا میدان یا کھوپڑی کی جگہ) کہتے ہیں۔ وہاں بھی خدا کا ایک مقدس و مظلوم رسول (جناب مسیحؑ) دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہوا ہے' اس کے دشمن بھی اسے شہید کر دینے کے درپے ہیں' وہ بھی اپنی قوم کے لئے بددعا نہیں کرتا بلکہ اس کی زبان پر بھی وہی الفاظ جاری ہیں کہ :۔

"اے (آسمانی) باپ ان کو معاف کر دے کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں"۔

پھر غور کیجئے کہ خدا کے دونوں مقدس نبی دشمنوں کے نرغے میں ہیں' دونوں کے دشمن انہیں شہید کر دینے کے درپے ہیں' دونوں کے جسم سے خون بہہ رہا ہے اور دونوں ایک ہی دعا کرتے ہیں' دونوں کی زبان پر ایک جیسے الفاظ جاری ہیں کہ :۔

"اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ یہ نہیں جانتے۔ (رسولؐ اقدس)

"اے (آسمانی) باپ انہیں معاف کر دے کیونکہ یہ جانتے نہیں....." (جناب مسیحؑ)

کیا ان دونوں مقدس نبیوں نے ایک دوسرے کے الفاظ نقل کر دیئے تھے؟ جبکہ حضرت مسیحؑ حضور اقدسؐ سے چھ صدیاں قبل پیدا ہوئے تھے اور حضورؐ اقدس نے انجیل نہیں پڑھی تھی ——— پھر یہ ایک جیسے الفاظ دونوں مقدس رسولوںؑ کی زبان پر کیسے جاری ہو گئے؟ کیا اس سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ جناب مسیحؑ کی زبان مبارک پر جو الفاظ جاری ہوئے تھے وہ الہامی تھے اور خدا کی طرف سے جاری ہوئے تھے۔ ایسے مقدس اور درد میں ڈوبے ہوئے الفاظ اور ایسے موقع پر؟ ایک دشمن خدا اور بدفطرت یہودی کی زبان پر ہرگز جاری نہیں ہو سکتے۔ چھ سو سال کے بعد یہی الفاظ عین اس سے مشابہ حالت میں رسولؐ اقدس کی زبان مبارک پر جاری ہوئے۔ پس اس طرح حضورؐ اقدس کے ان مقدس الفاظ نے اس افسانے کا تار و پود ہمیشہ کے لئے بکھیر دیا کہ جناب مسیحؑ کی جگہ ایک چور یا دشمن خدا یہودی کو صلیب پر چڑھا دیا گیا تھا اور حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ جو الفاظ عین درد و کرب کی حالت میں جناب مسیحؑ نے ادا کئے وہی الفاظ شدت درد میں حضورؐ اقدس نے ادا فرما کر امت کو بتا دیا کہ صلیب پر جو شخص اپنے بدترین دشمنوں کے لئے بھی دعا کر رہا تھا وہ چور' ڈاکو یا کوئی بدفطرت یہودی نہیں بلکہ حضور اقدسؐ کا پیغمبر بھائی مسیحؑ ابن مریمؑ تھا ———

جس کی فطرت سعید ہو وہ سمجھ لے اور یقین کر لے۔

برادرم منیر صاحب! آخری بات جس نے اس افسانے کی جڑ ہی اکھیڑ ڈالی' وہ حضرت مسیح کے سب سے مقرب اور محبوب حواری جناب یوحنا کی روایت ہے۔ چاروں انجیلوں میں ان کی انجیل کو سب سے زیادہ معتبر قرار دیا جاتا ہے لیکن اس انجیل کے راوی جناب یوحنا شمعون کرینی سے منسوب واقعہ نہ صرف قبول نہیں کرتے بلکہ سرے سے شمعون کرینی کا نام تک درج نہیں کرتے اور ان واقعات سے باخبر ہر شخص جانتا ہے کہ یوحنا صحابی وہ شخص ہے جو شروع سے آخر تک اس واقعے (واقعہ ء صلیب) کا عینی شاہد ہے۔ وہ نہ صرف اس واقعے کا ذکر تک نہیں کرتا بلکہ اس سے مختلف روایت بیان کر کے اس افسانے کی جڑ ہی ختم کر دیتا ہے۔ چنانچہ یوحنا اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"پس وہ یسوع کو لے گئے ○ اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے جس کا ترجمہ عبرانی میں "گلگتا" ہے وہاں انہوں نے اس کو اور اس کے ساتھ دو اور شخصوں کو مصلوب کیا ○ (یوحنا کی انجیل باب ۱۹ آیت ۱۷' ۱۸)

اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ شمعون کرینی کو پکڑ کر حضرت مسیحؑ کی صلیب اس پر لادنے کا واقعہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا۔ یہ ضعیف روایت کسی راوی سے سن کر متی' مرقس اور لوقا نے اپنی انجیلوں میں درج کر دی۔ اگر یوحنا جیسا راوی اسے مستند سمجھتا تو وہ بھی اسے قبول کر لیتا اور اپنی انجیل میں ضرور درج کرتا مگر وہ اسے ناقابل اعتبار سمجھ کر رد کر دیتا ہے اور اپنا چشم دید واقعہ درج کرتا ہے جس کی رو سے "وہ (مسیحؑ) اپنی صلیب خود اٹھائے ہوئے اس جگہ تک گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے۔"

یہی واقعہ درست اور مستند ہے۔ یہی عقل اور تاریخ کے مطابق ہے کہ اس زمانے کے قانون کے مطابق مجرم اپنی صلیب خود اٹھا کر صلیب گاہ تک جاتا تھا۔ پس حضرت مسیحؑ بھی اپنی صلیب خود اٹھا کر صلیب گاہ تک گئے اور آپؑ ہی کو صلیب پر چڑھایا گیا اور آپؑ ہی کی زبان مبارک پر یہ مقدس اور پیغمبرانہ الفاظ جاری ہوئے کہ "اے (آسمانی) باپ انہیں معاف کر دے کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں" بعد میں رسول اقدسؐ کی زبان مبارک پر بھی قریباً یہی الفاظ جاری ہوئے۔ جس طرح دشمن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود رسولؐ اقدس کو شہید کرنے میں ناکام رہا اسی طرح حضرت مسیحؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور اقدسؐ کو آپؐ کے دشمن سے اسی دنیا میں اور اسی زمین پر بچایا' اسی طرح حضرت مسیحؑ کو بھی ان کے دشمنوں کے ہاتھوں سے اسی دنیا میں اور اسی

زمین پر بچایا۔ نہ حضورؐ کو آسمان پر اٹھا کر بچایا نہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا کر بچایا۔

عزیز مکرم منیر صاحب! آیئے اب آخر میں ان متضاد روایتوں اور کہانیوں پر ایک اجمالی نظر ڈالیں جو حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھائے جانے کا جواز بنانے کے لئے گھڑی گئیں' آپ خود محسوس کریں گے کہ ایک سیدھے سادے اور سچے واقعے کو اپنی خواہشات اور مفروضات کے سانچے میں ڈھالنے کا کیا نتیجہ نکلا؟ کس قدر پیچیدگیاں پیدا ہوئیں؟ کیسے کیسے مضحکہ خیز تضادات نے جنم لیا؟ ـــــ ایک طرف سے آواز آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چور کو حضرت مسیحؑ کی شکل و صورت عطا کر دی' وہی صلیب پر چڑھا دیا گیا اور حضرت مسیحؑ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ دوسری طرف سے آواز آتی ہے کہ (نہیں چور کو نہیں) بلکہ حضرت مسیحؑ کے ایک حواری یہوداہ اسکریوتی کو آپؑ کا ہم شکل و ہم عمر ہونے کے شبہ میں صلیب دے دی گئی اور حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ تیسری طرف سے آواز آتی ہے کہ (نہیں یہوداہ اسکریوتی کو نہیں بلکہ) ایک دوسرے مقدس حواری نے خود کو رضاکارانہ طور پر قربانی کے لئے پیش کر دیا' اسے پہلے حضرت مسیحؑ کی شکل دی گئی پھر وہ مصلوب ہو گیا اور حضرت مسیحؑ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ چوتھی طرف سے آواز آتی ہے (کہ نہیں یوں نہیں ہوا بلکہ) شمعون کرینی نامی یہودی حضرت مسیحؑ کا ہم عمر اور ہم صورت تھا' غلطی سے وہ صلیب پر چڑھا دیا گیا اور حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؎ ہر ذی فہم شخص سوچتا ہے کہ یا الہ العالمین! آخر ان میں سے کونسا واقعہ درست ہے؟ اگر پہلا درست ہے تو باقی تین غلط ہیں۔ اگر پہلا غلط ہے اور باقی تین درست ہیں تو ان میں تو سخت تضاد ہے۔ اگر تین میں سے ایک درست ہے تو باقی دو غلط ہیں اور باقی دو میں سے اگر ایک صحیح ہے تو دوسرا غلط ہے ـــــ باقی تو کچھ نہیں بچا۔ اس عمارت کے چار ستون تھے۔ چاروں گر گئے۔ آخر یہ کیا تماشہ ہے؟ یہ کس قسم کی کہانی ہے جو تضادات کا مجموعہ بنتی چلی جاتی ہے۔

دراصل یہ نتیجہ ہے ایک صداقت کے انکار کا۔ جو لوگ الٰہی صداقتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے ازل سے مقدر ہو چکا ہے کہ وہ اسی طرح تاریکی میں ٹامک ٹوئیے مارتے پھرتے ہیں۔ کبھی ایک روایت کو پکڑتے ہیں' جب وہ ہاتھ سے جاتی محسوس ہوتی ہے تو دوسری کا سہارا لیتے ہیں جب وہ بھی دامن کش ہوتی ہے تو تیسری کو پکڑتے ہیں' جب اس کا سرا بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو چوتھی کو پکڑنے دوڑتے ہیں مگر وہ بھی دامن چھڑا لیتی ہے۔ آخر کار ان میں سے

سعید الفطرت لوگ صداقت کو قبول کرنے پر مائل ہو جاتے ہیں' وہی مبارک ہوتے ہیں۔

یہاں صداقت کیا ہے' جسے قبول نہ کرنے کی وجہ سے عقیدے اور فکر کی یہ آفات آئیں؟ صداقت صرف اس قدر تھی کہ یہودیوں نے رومی گورنر پیلا طوس پر دباؤ ڈال کر حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھوا دیا تاکہ آپؑ کو ہلاک کروا دیں مگر اللہ تعالیٰ جو "خیر الماکرین" ہے یعنی تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا' اس نے یہودیوں کی اس کوشش اور تدبیر کو ناکام کر دیا اور حضرت مسیحؑ پر موت سے مشابہ کیفیت طاری کر دی جسے دشمنوں نے موت سمجھ لیا۔ اسی شدید بے ہوشی کی حالت میں آپؑ کو صلیب سے اتار لیا گیا' علاج معالجہ کیا گیا' صحتیاب ہونے کے بعد آپؑ نے پوشیدہ طور پر اور بھیس بدل کر کچھ مدت فلسطین میں گزاری اور پھر اپنے وطن سے ہجرت کر گئے' باقی زندگی اپنی قوم (بنی اسرائیل) کے گم شدہ قبائل کی تلاش اور ان کی تربیت و اصلاح کا فریضہ انجام دینے میں گزار دی۔ اس کے بعد طبعی موت سے فوت ہو گئے جس طرح اللہ تعالیٰ کے دوسرے انبیاء طبعی عمر گزار کر وفات پا گئے۔

یہ ہے وہ ثابت شدہ صداقت جسے تسلیم کرنے میں نہ کوئی دشواری ہے' نہ اس میں کوئی افسانہ طرازی کی ضرورت' نہ روایت سازی کی حاجت' نہ اس میں کوئی بات خلاف عقل ہے' نہ کوئی پیچیدگی۔

ایک عظیم الشّان نشان

منیر احمد:۔ پیام صاحب! کئی سال ہوئے یورپ میں اس چادر کے بارے میں بہت شور پڑا تھا جس میں صلیب سے اتارنے کے بعد روایات کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کو لپیٹا گیا تھا پاکستان میں عام طور پر لوگ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور خود کرسچن صاحبان کے درمیان بھی اس کے بارے میں شکوک اور اختلافات ہیں اس پر کچھ اظہار خیال فرمائیں کہ اس چادر کی حقیقت کیا ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا ضرور گیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو صلیبی موت مرنے سے بچا لیا اور سخت قسم کی غشی کی حالت میں جو موت سے مشابہ تھی آپؑ کو صلیب سے اتار لیا گیا تھا اور ایک بڑی چادر میں لپیٹ کر جس پر کچھ ادویہ مل دی گئی تھیں ایک کمرہ نما قبر میں لٹا دیا گیا تھا قبر کا منہ پتھر سے بند کر دیا گیا تھا البتہ ہوا کے لئے تھوڑی سی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ تیسرے دن جب حضرت مسیحؑ کے بعض شاگرد قبر پر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ قبر کے منہ پر پتھر نہیں ہے۔ انجیل کہتی ہے کہ:۔

○ پس پطرس اور دوسرا شاگرد نکل کر قبر کی طرف چلے اور دونوں ساتھ ساتھ دوڑے مگر وہ دوسرا شاگرد پطرس سے آگے بڑھ کر قبر پر پہلے پہنچا ○ اس نے جھک کر نظر کی اور سوتی کپڑے پڑے ہوئے دیکھے مگر اندر نہ گیا ○ شمعون پطرس اس کے پیچھے پیچھے پہنچا اور اس نے قبر کے اندر جا کر دیکھا کہ سوتی کپڑے پڑے ہیں اور وہ رومال جو اس کے سر سے بندھا ہوا تھا سوتی کپڑوں کے ساتھ نہیں بلکہ لپٹا ہوا ایک جگہ الگ پڑا ہے۔" (یوحنا کی انجیل باب ۲۰ آیت ۴ تا ۹)

یعنی حضرت مسیحؑ قبر میں موجود نہ تھے البتہ وہ کپڑے پڑے ہوئے تھے جن میں ان کا جسم لپیٹا گیا تھا یہ دو کپڑے تھے ایک رومال جو سر پر باندھا گیا تھا اور دوسرا کپڑا ایک چادر تھی جس میں باقی جسم لپیٹا گیا تھا۔ قدرتی بات ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کے شاگرد آپؑ کی عارضی قبر پر

پہنچے ہوں گے تو ان ہی میں سے کوئی حواری یا شاگرد رومال اور چادر اٹھا لے گئے ہوں گے اور انہیں ایک نادر و گراں قدر یادگار سمجھ کر محفوظ کر لیا ہوگا (کسی قدر تفصیل آگے چل کر عرض کروں گا) رومال جو بہت چھوٹا تھا ضائع ہو گیا مگر چادر جو قریباً پندرہ فٹ (۱۴ فٹ ۳ انچ) لمبی اور قریباً ساڑھے تین فٹ (۳ فٹ ۷ انچ) چوڑی تھی محفوظ رہی۔ چونکہ اس چادر کے ذریعے سے ایک بہت بڑی صداقت آشکار ہونی تھی اور وہ بہت بڑی امانت کی امین تھی اس لئے ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ سینکڑوں انقلابات آنے کے باوجود وہ چادر آج تک محفوظ ہے' اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اس چادر کی مسلسل تاریخ محفوظ نہیں اور درمیان میں کئی صدیوں پر مشتمل ایسے وقفے آئے ہیں جب یہ چادر نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اس کے باوجود بھی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ وہی چادر ہے جس میں جناب مسیحؑ کو لپیٹ کر ان کی عارضی قبر میں رکھا گیا تھا تو یقیناً یہ بہت بڑا معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عظیم الشان نشان ہوگا اور اب ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں چنانچہ اس چادر کے بارے میں اب تک کئی ہزار مضامین لکھے جا چکے ہیں' سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بعض مستقل ادارے قائم ہو چکے ہیں جو اس چادر سے منسوب ہیں۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! میرا سوال یہ ہے کہ جب انجیل کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب سے اتار کر چادر میں لپیٹا گیا تھا اور آپ نے اپنی کتاب "مسیحؑ کی گمشدہ زندگی" میں اس چادر کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھا بھی ہے کہ یہ چادر کچھ مدت حضرت عیسیٰؑ کے افرادِ خاندان کے قبضے میں رہی پھر ترکیہ کے شہر "ادیسا" (EDESSA) لے جائی گئی' وہاں سے فرانس اور فرانس سے اٹلی پہنچی اور اسی اٹلی کے شہر تورین (TURIN) کے گرجا گھر میں ابھی تک محفوظ ہے جو خاص اس چادر کے لئے تعمیر کرایا گیا تھا۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر تنازعہ کس بات پر ہے یعنی مسیحیوں میں تنازعہ کیوں ہے جب کہ یہ ان کے مقدس نبی کے کفن کی چادر ہے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! خداوند تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ اس چادر پر حضرت مسیحؑ کے چہرۂ مبارک اور آپؑ کے جسم کی مکمل تصویر اتر آئی ہے اسی وجہ سے اس کے بارے میں تنازعہ پیدا ہو گیا اس کی مختصر سی تفصیل بھی بیان کر دوں۔

کفن پر مسیحؑ کی شبیہہ

سب سے بڑا اعتراض اس چادر پر یہی کیا گیا کہ کسی کپڑے پر کسی انسان یا منظر کی تصویر

خود بخود کیسے بن سکتی ہے جب تک کہ اسے پینٹ نہ کیا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ جعلی کارروائی ہے اور کسی ماہرِ فن مصور نے برش اور رنگوں کی مدد سے یہ تصویر بنا دی۔

اس تصویر کی مختصر روداد یہ ہے کہ روایت کے مطابق ہر ۳۳ سال کے بعد اس چادر کی نمائش کی جاتی تھی (۳۳ سال کے بعد اس لئے کہ واقعہ صلیب کے وقت حضرت مسیحؑ کی عمر قریباً ۳۳ سال قرار دی جاتی ہے) اس کے علاوہ بعض خاص مواقع پر بھی اس کی زیارت کروائی جاتی تھی۔ ۱۸۹۵ء میں جب یہ چادر اٹلی کے معزول حکمران شاہ امبرٹو ثانی (UMBER TO II) کے قبضے میں تھی تو بادشاہ کی اجازت سے اس کا دیدار عام کروایا گیا اور دور و نزدیک سے ہزاروں مسیحی اس کی زیارت کرنے کے لئے اٹلی آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فوٹوگرافی کا فن اور کیمرہ نیا نیا ایجاد ہوا تھا چنانچہ اٹلی کے ایک شوقیہ فوٹو گرافر "مسٹر سیکنڈوپیا" (SECONDOPIA) نے جو پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے اس چادر کی تصویر اتار لی اس وقت تک فوٹوگرافی ابتدائی مرحلے میں تھی اور تصویر اتارنے کے لئے بکس نما کیمرے استعمال ہوتے تھے۔ سیلولائٹ کی فلم ابھی ایجاد نہیں ہوئی تھی بلکہ شیشے کی پلیٹ سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ فوٹو گرافر "سیکنڈوپیا" تصویر اتار کر جب ڈارک روم میں گیا اور اس پلیٹ کو کیمیائی محلول میں ڈال کر نکالا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ اس پلیٹ پر حضرت مسیحؑ کی سیدھی تصویر ابھر آئی تھی جسے مثبت (POSITIVE) کہتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا بلکہ فوٹوگرافی کی دنیا کا حیرت انگیز اور ناممکن الوقوع واقعہ تھا جو اب وقوع میں آ چکا تھا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! یہ ایک بالکل ٹیکنیکل اور خالص معاملہ ہے اس لئے عام لوگوں کی خاطر آپ اس کی تھوڑی سی وضاحت کر دیجئے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! فوٹوگرافی کے فن کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ جب کسی انسان' حیوان یا کسی منظر کی تصویر اتاری جاتی ہے تو کیمرے کی فلم پر اس کا ہمیشہ الٹا عکس آتا ہے جسے نیگیٹو (NEGATIVE) کہتے ہیں۔ اس نیگیٹو سے بعد میں سیدھی تصویر جسے مثبت یا پازیٹو (POSITIVE)' کہتے ہیں بنتی ہے لیکن یہاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو ناممکن ہے یعنی الٹی تصویر (نیگیٹو) بننے کی بجائے سیدھی تصویر بن گئی یعنی پازیٹو بن گیا۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ جس کپڑے سے تصویر اتاری گئی تھی اس پر حضرت مسیحؑ کی الٹی تصویر یعنی نیگیٹو پہلے سے موجود ہوتا۔ چنانچہ اس کپڑے کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں تصاویر شائع ہو چکی ہیں اور سب

جانتے ہیں کہ یہ تصویریں واقعی الٹی ہیں یعنی نیگیٹو ہیں۔ جب یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی اور اس کے ساتھ یہ تصویر شائع ہوئی تو سارے یورپ اور پھر امریکہ میں تہلکہ مچ گیا' ہر شخص سوچتا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ آخر طویل غور و فکر اور اس سارے معاملے کا تجزیہ کرنے کے بعد اصل حقیقت سامنے آئی' جس کی تفصیل یہ ہے۔

انجیل کہتی ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اتارا گیا تو انہیں ایک چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ چادر میں لپیٹنے سے قبل "مر" اور "ایلوا" (عود) کے محلول کا لیپ کیا گیا۔ (یوحنا کی انجیل باب ۱۹ آیت ۳۹' ۴۰)

یہی محلول شدہ چادر فوٹو گرافی کی پلیٹ بن گئی چنانچہ تورین شراوڈ (Turin Shroud) کی برطانوی سوسائٹی کے ممبر مسٹر روڈنی ہورے (Rodney Hoare) نے اس چادر پر نہایت سنجیدہ اور گہری تحقیق کرنے کے بعد یہ رائے دی ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کو اس چادر میں لپیٹا گیا جس میں "مر" اور "ایلوا" کے محلول کا لیپ کیا گیا تھا اور انہیں کمرہ نما قبر میں رکھا گیا تو ان کے جسم سے جو پسینہ اور بخارات خارج ہوئے وہ اس محلول شدہ چادر میں جذب ہو گئے' ان بخارات نے چادر کے ان تمام حصوں کو چھوا جو حضرت مسیحؑ کے جسم کو ڈھانپے ہوئے تھے اس طرح ان کے جسم کے سارے خدوخال اس چادر پر اتر آئے مگر کہیں گہرے اور کہیں مدہم۔

اس نظریے کو اس وقت زیادہ تقویت ملتی ہے جب ہم علم الابدان کے بہت بڑے ماہر پروفیسر پال وگنان (Prof : Paul Vignon) کے تجربات پر غور کرتے ہیں' پروفیسر وگنان نے تجربے سے ثابت کیا ہے کہ جب پسینے میں شرابور جسم کو ایسے کپڑے میں لپیٹ دیا جائے جسے "مر" کے تیل اور "ایلوا" کے محلول میں ڈبویا جا چکا ہو تو وہ اس قسم کا رنگ پیدا کرے گا جیسا اس متبرک چادر پر نظر آتا ہے کیونکہ پسینے میں جو اجزاء موجود ہوں گے ان کے کپڑے پر بکھرنے سے ایک قسم کا بے رنگ دھواں یا بھاپ پیدا ہو گی' یہ بھاپ چادر کی گھنتی کے خانوں میں ایک قسم کا رنگ پیدا کرنے کا سبب بنے گی۔ رنگ پیدا کرنے کا یہ عمل اس جگہ زیادہ واضح ہو گا جہاں کپڑے اور جسم میں فاصلہ بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہو گا اور جس جگہ چادر اور بدن میں فاصلہ زیادہ ہو گا وہاں رنگ ہلکا اور مدہم ہو گا اس سے یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ چادر پر حضرت مسیحؑ کے جسم اور چہرے کے بعض حصوں کے رنگ مدھم اور بعض کے نمایاں اور تیز کیوں ہیں۔

("Jesus Lived In India" By Holger Kersten, P-149)

پروفیسر وگنان نے عملی تجربہ کرنے کے بعد اپنی تھیوری کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چادر پر حضرت مسیحؑ کی شبیہ کے خدوخال اس پسینے کی وجہ سے پیدا ہوئے جو آپؑ کے جسم سے خارج ہو رہا تھا اور جس میں یورک ایسڈ اور "سلفر" شامل تھا۔ ان دونوں قدرتی کیمیائی مادّوں کے امتزاج نے اس چادر پر موجود "مر" اور "ایلوا" کے کیمیائی مادّوں سے مل کر ایسا عمل کیا جس کے نتیجے میں حضرت مسیحؑ کے چہرے اور جسم کے نقوش چادر پر مرتسم ہو گئے۔

گویا پروفیسر وگنان کے تجربے نے ثابت کر دیا کہ اگر کسی جسم کو بشرطیکہ وہ زندہ ہو ایسے کپڑے میں لپیٹ دیا جائے جسے "مر" اور "ایلوا" کے محلول میں تر کیا جا چکا ہو تو آج بھی اس کپڑے پر جسم اور چہرے کے خدوخال کے نقوش منعکس ہو جائیں گے اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ "مر" اور "ایلوا" کے محلول میں یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر کسی کپڑے یا جسم پر اس کا لیپ کر دیا جائے اور پھر اس کپڑے میں کسی ایسے جسم کو لپیٹ دیا جائے جس سے پسینہ اور نمک خارج ہو رہا ہو تو صرف ۴۵ سیکنڈ کی قلیل مدت میں وہ کپڑا اس جسم کے سارے اعضاء اور خدوخال کے نقوش اتار لے گا۔ (پروفیسر وگنان کی یہ تجرباتی تحقیق مسٹر ہولگر کرسٹن نے اپنی اس کتاب کے صفحہ ۴۹ پر درج کی ہے جس کا میں نے ابھی حوالہ دیا ہے)

یعنی محلول میں تر کیا ہوا کپڑا فوٹو گرافی کی پلیٹ (فلم) کی حیثیت اختیار کر لے گا۔ سب جانتے ہیں کہ انجیل کے بیان کے مطابق حضرت مسیحؑ کو جس چادر میں لپیٹا گیا تھا اس پر "مر" اور "عود" (ایلوا) کے محلول ہی کا لیپ کیا گیا تھا۔ (یوحنا کی انجیل باب ۱۹ آیت ۳۹' ۴۰)

منیر احمد:۔ پیام صاحب! سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عیسیٰؑ کے جسم سے نمک اور پسینہ خارج ہو رہا تھا؟ یہ تو صرف دعویٰ ہے' اس کا تو ثبوت درکار ہو گا۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! یہ بالکل قرین عقل حقیقت ہے کہ صلیبی زخموں کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کو شدید بخار تھا اور بخار میں پسینہ آنا ایک قدرتی امر ہے پس جب حضرت مسیحؑ کو "مر" اور "ایلوا" کے محلول میں تر کی ہوئی چادر میں لپیٹ کر کمرہ نما قبر میں لٹا دیا گیا اور قبر کا منہ ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا گیا تو آپؑ کے جسم سے خارج ہونے والے پسینے نے جس میں لازمی طور پر نمک بھی تھا اس چادر پر کیمیائی عمل کیا جس میں حضرت مسیحؑ لپٹے ہوئے تھے اس طرح چادر پر آپؑ کی شبیہ اتر آئی اور جسم کے وہ سارے اعضا بھی منقش ہو گئے جن سے چادر لمس کر رہی تھی اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ اچنبھا تو اس وقت ہوتا جب چادر پر

آپ' کے چہرے اور اعضائے جسم کے خدوخال منعکس نہ ہوتے کیونکہ یہ ایک غیر قدرتی عمل ہوتا۔

اس چادر نے اس متنازعہ مسئلے کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا کہ جس وقت حضرت مسیح' کو صلیب سے اتارا گیا اس وقت آپ' زندہ تھے یا مردہ؟ کیونکہ :۔

(۱) اگر حضرت مسیح' صلیب سے اترنے کے بعد مردہ ہوتے تو کفن کی اس چادر پر ان کی شبیہ مبارک اور اعضائے جسم کے نقوش کبھی مرتسم نہ ہوتے اس لئے کہ "ایلوا" میں بھیگی ہوئی چادر پر تصویر اس وقت تک مرتسم نہیں ہو سکتی جب تک جسم سے بخارات اور پسینہ خارج نہ ہو رہا ہو اور بخارات اور پسینہ مردہ جسم سے خارج نہیں ہوا کرتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس وقت حضرت مسیح' کو اس چادر میں لپیٹا گیا اس وقت شدید غشی یا سکتے کی وجہ سے آپ' پر مردہ ہونے کا گمان گزرتا تھا مگر درحقیقت آپ' زندہ تھے اور آپ' کے جسم سے بخارات اور پسینہ دونوں چیزیں خارج ہو رہی تھیں۔

(۲) چادر پر جا بجا خون کے دھبے ہیں اور یہ گہرے ہیں۔ یہ وہ خون ہے جو حضرت مسیح' کے جسم سے اس وقت بہا تھا جب آپ' کو صلیب سے اتارا گیا تھا۔ جس وقت آپ' کے ہاتھوں سے کیلیں نکالی گئیں تو یکدم کلائیوں سے خون جاری ہو گیا چونکہ یہ خون تازہ تھا اس لئے کفن کی چادر پر اس کی لکیریں اور دھبے مقابلتہً گہرے آئے۔ اسی طرح جب رومی سپاہی نے آپ' کی پسلی میں نیزہ مارا تو اس سے بھی خون جاری ہوا' یہ خون بھی تازہ تھا اس لئے چادر پر اس کے دھبے بھی گہرے آئے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ جس وقت حضرت مسیح' کو صلیب سے اتارا گیا اس وقت آپ' زندہ تھے کیونکہ خون زندہ جسم سے نکلا کرتا ہے مردہ جسم سے نہیں۔

منیر احمد :۔ پیام صاحب! کیا پادری حضرات بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ اس چادر میں حضرت عیسیٰ' کو صلیب سے اتارنے کے بعد لپیٹا گیا تھا کیونکہ اگر وہ مان لیں تو ان کے عقیدے پر اس کی زد آئے گی اور ثابت ہو گا کہ انہیں زندہ حالت میں صلیب سے اتار لیا گیا تھا۔

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! آپ نے بہت مناسب سوال کیا ہے یہاں پہنچ کر پادری حضرات سخت مشکل میں گرفتار ہو گئے ہیں دوسرے الفاظ میں وہ ایک بند گلی میں آ گئے ہیں۔ اعتراضات سے بچنے کے لئے انہوں نے وہی دقیانوسی کہانی پیش کر دی کہ یسوع' صلیب پر فوت ہو گیا تھا مگر تیسرے دن اپنی (کمرہ نما) قبر میں وہ دوبارہ جی اٹھا تھا اس لئے اس کے زخموں سے خون بہنے لگا تھا' اس کا بدن بخارات اور پسینہ خارج کرنے لگا تھا۔ ظاہر ہے یہ ایک

دیومالائی داستان تو ہو سکتی ہے حقائق کی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے آج تک ایسا نہیں ہوا کہ ایک شخص حقیقی طور پر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا ہو۔ علم الابدان اور علم الحیات کی رو سے بھی مردہ زندہ نہیں ہو سکتا اور نہ خداوند تعالیٰ نے کسی مذہب کی آسمانی کتاب میں ایسا فرمایا ہے۔

پاپائے اعظم کو چیلنج

یہی وجہ ہے کہ خود روشن خیال اور معقولیت پسند مسیحی دانشوروں نے بھی اس نظریئے کو مسترد کر دیا کہ حضرت مسیح' پہلے مردہ تھے' پھر جی اٹھے چنانچہ یورپ کے ممتاز محقق اور دانشور مسٹر کرٹ برنا (Kert Berna) نے جو کفن مسیح کے بارے میں دو تحقیقی اور عالمانہ کتابوں کے بھی مصنف ہیں' پاپائے اعظم (پوپ جان XX III) کو ایک خط تحریر کیا۔ یہ خط انہوں نے اس وقت تحریر کیا جب "مقدس کفن" کے بارے میں تحقیقات کرنے کی غرض سے جرمن میں ایک کمیٹی قائم کی گئی جس نے "مقدس کفن" کا جائزہ لینے اور ہر پہلو سے تحقیق کرنے کے بعد یہ رپورٹ دی کہ جس وقت حضرت مسیح' کو صلیب سے اتار کر چادر میں لپیٹا گیا تو ان کا دل حرکت کر رہا تھا۔

مسیحی دانشور اور محقق کرٹ برنا (Kert Berna) نے جو خود رومن کیتھولک ہیں اس رپورٹ کے منظر عام پر آنے کے بعد پوپ جان کو لکھا کہ :۔

"تقدس مآب! دو سال گزرے کہ مقدس کفن پر تحقیقات کرنے والے جرمن ادارے نے اپنی رپورٹ آپ کے دفتر مقدس اور عامۃ الناس کے مطالعے کے لئے پیش کر دی تھی۔ اس ۲۴ ماہ کی مدت میں جرمنی کی یونیورسٹیوں کے مختلف ماہروں نے محققانہ انکشافات کو رد کرنے کی ناکام کوشش کی اس کے باوجود انہیں اپنی شکست تسلیم کرنی پڑی انہوں نے ان حقائق کو درست تسلیم کر لیا ہے کہ مسیحی اور یہودی دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے لئے یہ تحقیقاتی نتائج بہت اہمیت کے حامل ہیں اب اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا اور پوری طرح ثابت ہو گیا ہے کہ یہ وہی چادر ہے جس میں حضرت مسیح' کو صلیب سے اتارنے اور کانٹوں کا تاج الگ کرنے کے بعد لپیٹا گیا تھا اور کچھ وقت تک وہ اس میں لپٹے رہے۔ میڈیکل نقطۂ نگاہ سے بھی ثابت ہو گیا ہے کہ جس جسم کو اس چادر میں لپیٹا گیا تھا وہ مردہ نہیں تھا بلکہ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ مقدس کفن پر بہنے والے خون کے دھبوں اور ان کی ماہیت و کیفیت سے یہ منطقی نتیجہ

نکلتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو مدت مقررہ سے قبل ہی صلیب سے اتار لیا گیا اور صلیب دینے کے قانونی تقاضے پورے نہیں ہو سکے۔ پس یہ انکشاف عیسائیت کی موجودہ تعلیم کو بھی غلط قرار دیتا ہے اور ماضی کی تعلیم کو بھی ناقص ٹھہراتا ہے"

("Jesus Died In Kashmir" By Andrea Faber Kaiser, P-30,31)

منیر صاحب! آپ نے دیکھا کہ رومن کیتھولک دانشور نے پوپ جیسی قابل احترام شخصیت کو کیسا جرات مندانہ خط لکھا۔ اس مسیحی دانشور میں یہ جرات کیسے پیدا ہو گئی کہ وہ اپنے روحانی پیشوا کو چیلنج کر رہا ہے۔ یقیناً اس کی بڑی وجہ اس مقدس چادر کے بارے میں وہ حقائق ہیں جو جرمنی کے "ادارہ تحقیقات کفن مسیح" کے انکشافات کے بعد دنیا کے سامنے آئے لیکن ایسے انکشافات کے باوجود بھی کوئی محقق اپنے روحانی پیشوا سے اس قدر بیباکانہ لہجے میں مخاطب نہیں ہو سکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ اس کی اصل وجہ وہ روحانی نظارہ ہے جو "کرٹ برنا" کو دکھایا گیا چنانچہ مورخ ہولگر کرسٹن (Holger Kersten) نے مسٹر "کرٹ برنا" کے حوالے سے لکھا ہے کہ:۔

"۱۹۴۷ء میں مسٹر کرٹ برنا نے ایک نظارہ دیکھا جس میں یسوع ظاہر ہوئے اور انہوں نے مسٹر برنا کو اس امر کا اختیار دیا کہ وہ دنیا کے سامنے اعلان کر دے کہ جس شخصیت (یسوع) کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا وہ ظاہری طور پر مردہ معلوم ہو رہا تھا جبکہ درحقیقت اس پر ایک قسم کی غشی طاری ہو گئی تھی اور تین دن کے بعد وہ اس غشی کے عالم سے نکل آیا تھا۔"

("Jesus Lived In India By Holger Kersten, P-145)

منیر احمد:۔ پیام صاحب! کیا مسٹر کرٹ برنا کا یہ اعلان یا کشف قابل اعتبار قرار دیا جا سکتا ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! کوئی شخص اخلاقی لحاظ سے کتنا بھی گر جائے اس کے باوجود اپنے روحانی پیشوا کے بارے میں صریح کذب بیانی کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ یوں بھی مسیحی دنیا "کرٹ برنا" کو ایک ایسے مسیحی کی حیثیت سے جانتی ہے جس نے حضرت مسیحؑ کو اپنا نجات دہندہ اور خدا کا مقدس پیغمبر تسلیم کیا تھا۔ اس (کرٹ برنا) کے کردار میں کوئی خامی بھی نہیں پائی گئی۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کے سامنے (عالم کشف میں) حضرت مسیحؑ ظاہر نہ ہوئے ہوں اور اس نے ایک جھوٹا اعلان کر دیا ہو جبکہ یہ اعلان مذہبی، معاشرتی اور مالی غرض کسی بھی پہلو سے اس کے لئے مفید نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ جس معاشرہ میں زندگی گذار رہا تھا وہ خالص

مسیحی معاشرہ تھا، اس کا خاندانی ماحول، گھر کا ماحول، اردگرد کا ماحول حتیٰ کہ سارے ملک کا ماحول مکمل مسیحی ماحول تھا۔ اس ماحول میں ہر شخص حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیتا تھا اور ہر طرف اسی عقیدے کی حکمرانی تھی کہ جناب مسیحؑ صلیب پر فوت ہو کر دوبارہ جی اٹھے تھے اور آسمان پر (جنت میں) خدا کے دائیں طرف تشریف فرما ہیں۔ اس عقیدے سے اختلاف کر کے اس کے بالکل برعکس عقیدے کا اعلان کرنا بہت دل گردے کا کام ہے کیونکہ اس میں سراسر نقصان ہے۔ یہ تو مصائب و آلام کو خود دعوت دینا ہے۔ اس کے باوجود مسٹر کرٹ برنا نے یہ اعلان کیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتار لئے گئے تھے۔ اس طرح انہوں نے مسیحی عوام الناس کے ساتھ ساتھ پوپ کو بھی اپنا دشمن بنا لیا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ ہولگر کرسٹن نے لکھا ہے کہ جب مسٹر کرٹ برنا نے حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہ اعلان کیا تو:۔

"مسٹر برنا کو دھمکیاں دی گئیں، اسے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے وہ بے چارہ سخت قسم کی جسمانی نفسیاتی اور مالی مشکلات سے دوچار ہوا۔"

("Jesus Lived In India", P-145)

اس سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ کرٹ برنا نے یقیناً عالم کشف میں حضرت مسیحؑ کو دیکھا اور انہوں نے مسٹر برنا کو یہ اعلان کرنے کی ہدایت فرمائی کہ جناب مسیحؑ کو صلیب سے زندہ حالت میں اتار لیا گیا تھا، ان پر شدید قسم کی غشی طاری ہو گئی تھی جسے موت سمجھ لیا گیا تھا۔

کفن کا سائنسی تجزیہ

کرٹ برنا نے پوپ کے نام اپنے خط میں یہ درخواست بھی کی تھی کہ اس مقدس چادر کا سائنسی تجزیہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس درخواست نے رفتہ رفتہ مطالبے کی صورت اختیار کر لی کیونکہ بہت سے مسیحی دانشور مسٹر برنا کے ہمنوا ہو گئے۔ آخر کار پوپ کو یہ مطالبہ تسلیم کرنا پڑا چنانچہ ۱۹۶۹ء میں "تورین چرچ" (جس گرجا میں مقدس چادر محفوظ ہے) کے سربراہ پیلی گرینو (Pelle Grino) نے سائنس دانوں کی ایک ٹیم نامزد کی۔ اس میں اعلیٰ مرتبے کی مذہبی شخصیات کو بھی شامل کیا گیا۔ ان اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذمہ دار اصحاب کو مقدس چادر کا باقاعدہ تجزیہ کرنے کا کام سونپا گیا۔ ابتداء میں اس کمیشن کے اراکین کی تعداد صرف گیارہ تھی

لیکن بعد کے برسوں میں ایسے تمام اداروں اور یونیورسٹیوں کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا جو اس معاملہ میں دلچسپی رکھتے تھے اور جن میں اس مقدس چادر کا تجزیہ کرنے کی اہلیت و صلاحیت تھی حتیٰ کہ امریکہ کا مشہور تحقیقاتی ادارہ ناسا (Nasa) بھی اس مقدس چادر کی اصلیت و حقیقت معلوم کرنے والوں میں شامل ہو گیا اس طرح مقدس چادر پر تحقیق کرنے والوں کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی۔

۱۹۶۹ء تک تحقیق کا دائرہ مقدس چادر کی تصاویر (فوٹو گرافس) تک محدود رہا لیکن ۱۹۶۹ء میں پہلی بار سائنس دانوں کی اس جماعت نے دو دن تک مقدس چادر کا مشاہدہ و معائنہ کیا۔ اس کام کو اس قدر خفیہ رکھا گیا کہ ۱۹۷۶ء تک اس کمیشن کے اراکین کے نام تک کسی کو معلوم نہ تھے نہ یہ معلوم تھا کہ اس چادر کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔ ابتدائی تجربات کے نتائج بہت ناکافی تھے۔ فوٹو گرافس کے رنگ دار پرنٹس کا بغور معائنہ کیا گیا اس کے بعد مقدس چادر کے تمام حصّوں کا خوردبین سے معائنہ و مشاہدہ کیا گیا۔ عام روشنی اور الٹرا وائلٹ روشنی میں بھی چادر کے ایک ایک حصہ کو دیکھا گیا لیکن کوئی خاص نتیجہ نہ نکل سکا اور کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ مزید تحقیق کے لئے چادر کے چھوٹے نمونے حاصل کئے جائیں۔ آخر کار مقدس چادر کے قانونی وارث اٹلی کے معزول شاہ امبر ٹوثانی (Umber To II) نے اپنی جلا وطنی کی قیام گاہ سے کمیشن کی سفارش قبول کر لی مگر اس کے ٹکڑے حاصل کرنے کا مرحلہ ابھی نہیں آیا تھا۔ ۱۹۷۳ء میں اس مقدس چادر کا ایک بار پھر معائنہ کیا گیا جو مسلسل تین دن تک جاری رہا۔ اس بار اسے ٹیلی ویژن پر بھی دکھایا گیا۔ دنیا کے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں نے اس چادر کو دیکھا' اس موقع پر پوپ پال ششم نے مسیحی قوم سے خطاب بھی کیا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! اس مرحلے پر میرا سوال یہ ہے کہ اس چادر پر جو دھبے ہیں ان کے بارے میں کوئی سائنسی تجزیہ کیا گیا کہ یہ حقیقی خون ہے یا کسی جعل ساز نے سرخ رنگ بکھیر دیا ہے کیونکہ اگر سائنسی تجزیے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ دھبے واقعی خون کے ہیں پھر تو بلاشک و شبہ یہ وہی چادر ثابت ہو گی جس میں صلیب سے اتارنے کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو لپیٹا گیا تھا ورنہ یہ ساری کارروائی جعلی ثابت ہو گی۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے' اس چادر پر خون کے جو دھبے (داغ) پڑے ہوئے ہیں انہیں کلید کی حیثیت حاصل ہے اگر لیبارٹری میں تجزیہ کرنے

کے بعد یہ ثابت ہو جائے کہ یہ نشان کسی پینٹر یا مصور کے برش کا کرشمہ ہیں تو ساری چادر جعلی ثابت ہو گی اور یہ ایک گھناؤنا کھیل نظر آئے گا۔ سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے اور جدید ترین اور اعلیٰ ترین تجزیاتی آلات سے مزین لیبارٹریاں یورپ بھر میں موجود ہیں کہ ان میں کسی بھی مادّے کی قلیل ترین مقدار کا جائزہ لے کر سب کچھ معلوم کر لیا جاتا ہے اور کوئی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہی نہیں۔ اس طریقہء تحقیق کو انگریزی میں پیرواکسائیڈ ری ایکشن (Peroxide Reaction) کہتے ہیں اس کے ذریعے سے خون کے دھبے کے چھوٹے سے چھوٹے نشان کا تجزیہ کر لیا جاتا ہے۔

مسیحؑ کے خون کا گروپ

منیر صاحب! اس چادر کے تجزیے کے لئے بھی یہی طریقہء تحقیق اختیار کیا گیا چنانچہ اٹلی میں موجود اعلیٰ درجے کی لیبارٹریوں سے مدد لی گئی اور خون کے دھبوں والے دھاگوں کا بغور معائنہ کیا گیا۔ جائزے اور تجزیے کے بعد معلوم ہوا کہ چادر پر دو مختلف قسم کے دھبے ہیں ایک قسم تو خون کے دھبوں کی نہیں ہے (یہ دھبے حضرت مسیحؑ کے جسم سے اٹھنے والے بخارات اور چادر پر موجود محلول کے امتزاج سے رونما ہوئے۔ مولف) آگے چل کر تجزیاتی رپورٹ میں بتایا گیا کہ:۔

"دوسرے دھبے (بلاشبہ) خون کے ہیں۔" یہ وہ خون ہے جو اس وقت بہا تھا جب حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اتار کر اس چادر میں لپیٹا گیا تھا" ("Jesus Lived In India",P-146)

دو ہزار سال کے بعد پہلی بار سائنسی بنیاد پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ اس مقدس چادر میں واقعی حضرت مسیحؑ کو لپیٹا گیا تھا حتیٰ کہ تجزیہ کرنے کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ کے خون کا گروپ کیا تھا۔ چنانچہ مقدس چادر کی برٹش سوسائٹی کے ایک ممبر مسٹر روڈنی ہورے (Rodney Hore) نے اپنی کتاب "ٹسٹی مونی آف دی شراوڈ" (Testimony Of The Shroud) میں اپنی چھ سالہ تحقیقات کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اٹلی کے سائنس دانوں کی ایک ٹیم نے جو سائنسی تجزیہ کیا ہے اس کی رو سے ثابت ہو گیا ہے کہ اس چادر پر جو دھبے ہیں وہ صرف انسانی خون ہی سے پیدا ہو سکتے ہیں کسی رنگ وغیرہ سے ایسے دھبے پیدا ہو سکتے ہی نہیں۔ ابتداء میں امریکی ماہرین کی تحقیقاتی ٹیم نے اس رپورٹ کو رد کر دیا تھا مگر اب وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچی ہے (کہ مقدس چادر پر خون کے دھبے ہیں) اٹلی

کے سائنس دانوں نے تو یہاں تک شناخت کر لیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے خون کا گروپ کیا تھا؟ سائنسی تجزیئے کے مطابق حضرت مسیحؑ کے خون کا گروپ A - B ہے۔

(A Piece Of CLoth: The Turin Shroud Investigated By Rodne Hore

Welling Barough The Aquarin Press, 1984)

منیر احمد:۔ پیام صاحب! اک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ پوپ اور ان کے حامی اصرار کر رہے ہیں کہ یہ چادر جعلی ہے حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود اس کا احترام بھی اسی طرح کیا جا رہا ہے اس پر بھی کچھ روشنی ڈالئے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! یہی تو دلچسپ بات ہے کہ ایک طرف تو (پادری) "بلسٹریو" چرچ کی طرف سے اعلان کرتے ہیں کہ یہ چادر وہ نہیں ہے جس میں حضرت مسیحؑ کو لپیٹ کر ان کی عارضی قبر میں رکھا گیا تھا اور دوسری طرف اسی سانس میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ:۔

"کلیسیا واضح کرتا ہے کہ اس چادر پر یسوع کے چہرہ مبارک کی جو تصویر دکھائی دیتی ہے اسے بدستور وہی عزت و تکریم حاصل رہے گی جو پہلے حاصل تھی۔

(Saga Of The Shroud Ended By Earnesa Hauser,

Published In Readers Digest, Nov.1989 A.D)

سوال یہ ہے کہ جب چادر ہی جعلی ہے اور کلیسیا کے اعلان کے مطابق حضرت مسیحؑ کے واقعۂ صلیب کے چھ سو سال بعد تیار کی گئی تو اس پر نظر آنے والی تصویر کیونکر اصلی اور حقیقی ہو گی؟ آخر اس کا ادب اور احترام کیوں کیا جائے گا؟ کیا جعل سازی کی کارروائیوں کا دنیا میں کہیں بھی احترام کیا جاتا ہے؟ اگر واقعی یہ چادر جعلی ہے تو اس اعلان کے بعد اسے نذر آتش کر دینا چاہئے تھا یا زمین میں دفن کر دیا جاتا تاکہ مسیحی دنیا اس دھوکے بازی اور جعل سازی کے بد اثرات سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی مگر اس اعلان پر برسیں گذر جانے کے باوجود یہ چادر آج بھی بدستور چاندی کے صندوق میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ "تورین" کے شاہی گرجا میں رکھی ہوئی ہے اور پوپ کی سرپرستی میں ہر روز درجنوں زائرین اس کے آگے دوزانو ہو کر اسے خراج عقیدت ادا کرتے ہیں۔ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ پوپ اور ان کی انتظامیہ دل سے یقین کرتی ہے کہ یہ حقیقی اور اصلی چادر ہے جس میں حضرت مسیحؑ کو صلیب سے اتارنے کے بعد لپیٹا گیا تھا۔ اگر کلیسیا کے خیال میں یہ چادر جعلی ہوتی تو کبھی اس کا

اتنا ادب و احترام نہ کیا جاتا بلکہ اسے ضائع کر دیا جاتا۔

بعض عجیب حقائق

بعض مسیحی بنیاد پرستوں کی طرف سے اس مقدس چادر کی تقدیس کو مجروح کرنے کے لئے کہا گیا ہے کہ یہ چادر چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی کے لگ بھگ فرانس میں تیار کی گئی تھی حالانکہ تاریخی لحاظ سے یہ بہت ہی غلط بات ہے۔ اس چادر کی بُنت (بُنائی) میں ایک دھاگے کی بجائے تین دھاگوں کو بٹ کر استعمال کیا گیا ہے جسے انگریزی میں "فش بون" (Fish Bone) اسٹائل کہا جاتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے وقت اس قسم کی بُنت کا کپڑا فرانس میں عام طور پر استعمال ہی نہیں ہوتا تھا البتہ شام کے علاقے میں اس طرز کا کپڑا تیار کیا جاتا تھا اس لئے شام اور فلسطین میں اس کا استعمال تو سمجھ میں آتا ہے اور اس کپڑے کی چادر میں حضرت مسیحؑ کا لپیٹا جانا قرین عقل بھی ہے' فرانس میں تو یہ کپڑا تیار ہی نہیں ہوتا تھا نہ اس کا عام استعمال تھا پھر چونکہ اس کی بُنت (بُنائی) میں ایک کی بجائے تین دھاگے بٹ کر استعمال کئے جاتے تھے اس لئے اس کی تیاری پر خرچ کئی گنا زیادہ ہوتا تھا اور یہ بہت قیمتی تھا جسے خریدنا عام آدمی کی دسترس سے باہر تھا۔ حضرت مسیحؑ کے کفن کے لئے اس پائیدار اور قیمتی کپڑے کا بندوبست کرنا ہر آدمی کے لئے ممکن نہ تھا اس لئے یہ سعادت حضرت مسیحؑ کے ایک رئیس عقیدت مند یوسف ارمیتہ کے حصے میں آئی جو دولت مند ہونے کے علاوہ شاہی کونسل کا رکن اور مشیر تھا اور پوشیدہ طور پر حضرت مسیحؑ کو قبول کر چکا تھا۔ اس میں یہی حکمت الٰہی تھی تاکہ حضرت مسیحؑ کے کفن کی یہ چادر طویل مدت تک محفوظ رہ سکے اور حضرت مسیحؑ کے زندہ بچ جانے کے بارے میں وہ شواہد اس کے ذریعے سے منظر عام پر آ سکیں جن کی یہ امین ہے ورنہ اگر یہ ایک بُنتی (بُنائی) کی چادر ہوتی تو ممکن تھا کہ گل گلا کر اب تک کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! ایک سوال یہ ہے کہ یہ چادر کوئی چمڑے کی تو ہے نہیں آخر کپڑے کی بنی ہوئی ہے اتنی صدیاں گزر جانے کے باوجود یہ ابھی تک چل رہی ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! اس مقدس یادگار پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ جناب مسیحؑ کے واقعہ صلیب پر دو ہزار سال کے قریب مدت گذر چکی ہے انہیں جس کپڑے میں لپیٹا گیا تھا وہ اتنی لمبی عمر کبھی نہیں پا سکتا کہ اب تک صحیح سلامت موجود ہو لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ اول تو یہ ایک دھاگے کی بُنت والا کپڑا نہیں ہے کہ سو دو سو سال میں گل گلا کر ختم ہو جاتا بلکہ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا اس میں ایک کی بجائے

تین دھاگوں کو بٹ کر استعمال کیا گیا ہے اس لئے یہ کپڑا عام کپڑے سے کئی گنا زیادہ مضبوط اور دیرپا ہے دوسری بات یہ کہ جتنی عمر اس کپڑے کی ہے اتنی عمر کے دوسرے کئی کپڑے آج تک صحیح و سالم حالت میں محفوظ ہیں۔ مثال کے طور پر "پومپئی" کے کھنڈرات سے جو کپڑے نکلے تھے ان کی بھی اتنی ہی عمر ہے اور وہ اب تک محفوظ ہیں اور لندن کے عجائب گھر میں انہیں دیکھا جا سکتا ہے آخر وہ کیوں گل گلا کر ختم نہیں ہوئے؟ اس کے علاوہ پیرس' برلن اور قاہرہ کے مصری نوادر کے شعبوں میں اس مقدس چادر سے بھی زیادہ پرانے کپڑے موجود ہیں جن کی عمر ساڑھے تین ہزار سال سے سے بھی زیادہ ثابت ہو چکی ہے۔ یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ موسمیات کے ماہرین کے تجربات کے مطابق مشرق قریب کی آب و ہوا کپڑوں کو محفوظ رکھنے میں بہت زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے اور یہ مقدس چادر ابتدائی صدیوں میں فلسطین اور شام کے مضافات ہی میں رہی اس لئے اس کا دو ہزار سال تک صحیح و سالم رہنا ہرگز تعجب انگیز نہیں۔

مقدس چادر کے بارے میں ایک نئے زاویہ ء نظر نے حقیقت کے چہرے پر پڑے ہوئے سارے نقاب اٹھا دیئے' وہ زاویہ ء نظر یہ ہے۔

اگر یہ جعلی کارروائی ہے یعنی یہ چادر اگر واقعہ ء صلیب کے سیکڑوں سال بعد فرانس یا اٹلی میں تیار کی گئی ہے تو اس پر ایشیائی اثرات نہیں پائے جانے چاہئیں لیکن سویڈن کے ممتاز ماہرِ نباتات ڈاکٹر میکس فیری (Dr. Max Farei) نے جب اس چادر کا تجزیہ کیا تو عجیب و غریب حقائق معلوم ہوئے۔ ڈاکٹر فیری کے تجزیے کی بنیاد بھی خالص سائنسی تھی جسے پولین (Pollen) تجزیہ کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ جس چیز کا تجزیہ مقصود ہو اس کا خوردبین سے معائنہ کیا جاتا ہے اور اس میں پولین (Pollen) تلاش کیا جاتا ہے یعنی پھولوں کے قلب (وسط) میں پائے جانے والے باریک ذرات (زیرہ یا زرِ گل) یہ ذرات یا زرِ گل یا مادّہ جو بھی نام دے لیں ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہوتے ہیں کہ انہیں بہ آسانی شناخت کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر میکس فیری نے:۔

(ا) ان پولین مادوں کی 19 اقسام شناخت کر لیں جو مقدس چادر پر موجود تھے۔ ان میں سے گیارہ ایسے پودوں کے ذرات یا مادّے بھی پائے گئے جو یورپ میں پیدا ہی نہیں ہوتے ہیں لیکن مشرق قریب میں پائے جاتے ہیں جیسے "ہالوفائیٹس" (Halophytes) کا پودا جو صرف ان ساحلی علاقوں میں نشوونما پاتا ہے جہاں کی آب و ہوا نمکین ہوتی ہے اور یہ علاقہ بحیرۂ مردار اور اس

کے آس پاس کا ہے جو حضرت مسیحؑ کے وطن سے قریب تھا۔

("The Age Of The Shroud" Chapter Of ("Jesus Lived In India",P - 133)

منیر احمد:۔ گویا یہ چادر اٹلی میں بعد میں لے جائی گئی' ابتدا میں فلسطین میں تھی؟

پیام شاہجہانپوری:۔ جی منیر صاحب! حقائق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرانس اور اٹلی جانے سے قبل یہ چادر فلسطین میں ہی رہی ورنہ اس پر فلسطین میں پائے جانے والے پودوں کے ذرے (زرِ گل) کیسے محفوظ ہو گئے۔ یہ بہت غور طلب نکتہ ہے۔

(۲) تجزیے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقدس چادر پر ایک ایسا پولین (زیرہ) موجود ہے جس کے پودے بحیرۂ گلیلی (Sea Of Galilee) کی تہہ میں بہت گھنی صورت میں پائے جاتے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ گلیلی وہ خاص علاقہ ہے جو حضرت مسیحؑ سے منسوب ہے اور رومی گورنر اور بادشاہ ہیرودٹس بھی آپؑ کو "مرد گلیلی" کے لقب سے پکارتے تھے خود حضرت مسیحؑ نے بھی یہ لفظ اپنے لئے استعمال فرمایا تھا چنانچہ واقعہ صلیب کے بعد آپؑ کے دو شاگرد جب پہلی بار آپؑ سے ملے تو حضرت مسیحؑ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ "میرے بھائیوں سے کہو کہ گلیلی کو چلے جائیں وہاں مجھے دیکھیں گے۔" (متی کی انجیل باب ۲۸ آیت ۱۰)

(۳) مقدس چادر پر آٹھ ایسی اقسام کے "پولین" کے (زیرے یا زرِ گل) پائے گئے جو ایشیائے کوچک (ترکیہ) خاص کر ادیسہ (Edessa) میں پائے جاتے ہیں اور کون نہیں جانتا کہ ادیسہ وہ ریاست ہے جہاں یہ چادر مدت دراز تک محفوظ رہی تھی اور بار بار اسے کھول کر دیدار عام کے لئے رکھا گیا تھا۔

(۴) پارچات کے ماہر پروفیسر گلبرٹ رائس (Prof. Gillbert Raes) نے مقدس چادر کے بارے میں ایک نئے زاویے سے تحقیق کی ہے اور بلاشبہ یہ بھی خالص سائنسی تحقیق ہے جس پر مکمل طور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے بعض دوسرے ماہرین کی طرح کپڑے کی بُنت (بُنائی) پر انحصار نہیں کیا بلکہ اس روئی پر تحقیق کی جو اس کی تیاری میں استعمال کی گئی تھی۔ پروفیسر گلبرٹ رائس کی تحقیق کی رو سے مقدس چادر میں جو روئی استعمال کی گئی تھی زمانہ وسطیٰ میں اس قسم کی روئی یورپ میں نہ تو عام طور پر بوئی جاتی تھی اور نہ وسیع پیمانے پر اس کا استعمال ہی ہوتا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کپڑا مشرق وسطیٰ میں تیار کیا گیا تھا یورپ میں نہیں۔ (The Shroud and The Contorversy)

ان شواہد کی روشنی میں یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج نہیں رہتی کہ یہ مقدس چادر نہ فرانس میں تیار کی گئی نہ اٹلی یا کسی یورپی ملک میں بلکہ جس روئی سے اسے بنایا گیا وہ یورپ میں پیدا ہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ روئی فلسطین اور شام میں کاشت کی جاتی تھی اور ان دستی کارگاہوں میں اس سے کپڑا تیار کیا جاتا تھا جو فلسطین اور شام میں قائم تھیں۔ یہ کپڑا ایک دھاگے سے نہیں بلکہ تین دھاگوں سے بٹ کر تیار کیا جاتا تھا اور اس اسٹائل (طرز) کا کپڑا فرانس اور اٹلی وغیرہ میں مستعمل ہی نہیں تھا پھر یہ اتنا مہنگا تھا کہ عام لوگ اسے خرید کر استعمال نہیں کر سکتے تھے یوسف آف ارمیتہ جیسے رئیس ہی ایسا کپڑا استعمال کرتے تھے جو حضرت مسیحؑ کے دولتمند شاگرد تھے اور جو آپؑ کو کفنانے کے لئے یہ چادر لائے تھے۔ اس چادر پر ان پھولوں کے مادے (زیرے) کی موجودگی جو صرف فلسطین اور شام یا ترکیہ میں پائے جاتے ہیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ابتدا میں یہ چادر فلسطین ہی میں رہی پھر اسے ترکیہ میں لے جایا گیا اور اس چادر کی تاریخ سے ثابت بھی یہی ہوتا ہے کہ قریباً ایک ہزار سال تک یہ چادر فلسطین اور ترکیہ میں رہی' ترکیہ سے یہ فرانس اور اٹلی میں پہنچی۔

اس چادر کا تجزیہ کرنے والوں نے اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا کہ مسئلہ چادر کا نہیں' اصل مسئلہ تصویر کا ہے کہ اس چادر پر یہ تصویر کیونکر بن گئی۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! اس تصویر کے بارے میں یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ کسی ماہر مصور نے اپنے کمال فن کا اس میں مظاہرہ کر دکھایا ہو؟ آخر اس امکان کو کیوں نظرانداز کیا جائے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ نے جس امکان کی طرف اشارہ کیا ہے بعض اور لوگوں نے بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ تصویر کسی ماہرِ فن مصور کی "کاریگری" ہے جس نے برش اور رنگوں کی مدد سے یہ جعل سازی کی ہے مگر یہ اعتراض اس لئے درست نہیں کہ:۔

(۱) اگر تصویر برش اور رنگوں سے بنائی گئی ہے تو برش اور رنگ کی کوئی ہلکی سی لکیر یا نشان تو چادر پر ہونا چاہئے تھا کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی مصور کسی کاغذ یا کپڑے پر تصویر بنائے اور آس پاس کے حصوں پر نشان نہ آئے حالانکہ ۱۹۳۱ء میں حساس ترین کیمروں سے اس چادر اور اس پر مرتسم تصویر کے درجنوں فوٹوگرافس لئے گئے مگر کوئی کیمرہ اس تصویر کے آس پاس کسی رنگ یا مادّے کا کوئی نشان تلاش نہ کر سکا۔

(۲) اس چادر کا سائنسی تجزیہ کرنے والے اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اس مادّے کی نشاندہی نہ کر سکے جس سے یہ تصویر بنائی گئی ہے۔ اگر یہ تصویر مصنوعی ہے اور کسی فنکار نے اسے بنایا ہے تو اس نے کسی قسم کا کیمیکل' کوئی رنگ' کوئی مادّہ تو استعمال کیا ہو گا؟ لیبارٹری ٹیسٹ میں یقیناً معلوم ہو جاتا کہ اس تصویر میں فلاں قسم کا رنگ یا مادّہ استعمال کیا گیا ہے مگر تجزیہ نگار بالکل خاموش ہیں اور وہ ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکے جس سے ثابت کیا جا سکتا کہ یہ تصویر فلاں قسم کے مادّے سے بنائی گئی ہے پس اس سے ثابت ہو گیا کہ اس تصویر میں کوئی مادّہ استعمال نہیں کیا گیا یعنی انسانی ہاتھ کا اس میں ہرگز دخل نہیں۔

(۳) ایک اہم ترین اور بنیادی نکتے کو سرے سے نظرانداز کر دیا گیا وہ یہ کہ مصور کسی جاندار یا منظر کی سیدھی تصویر تو بنا سکتا ہے مگر دنیا کا بڑے سے بڑا مصور جدید ترین ٹیکنالوجی کے باوجود کسی کی معکوس (الٹی تصویر) جسے نیگیٹو کہتے ہیں بنانے پر آج تک قادر نہیں ہو سکا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بالکل ناممکن بات ہے جبکہ چادر پر حضرت مسیحؑ کی پازیٹو (Positive) یا مثبت (سیدھی تصویر) نہیں بلکہ نیگیٹو (Negative) ہے جو ہاتھ سے بن ہی نہیں سکتا۔

(۴) اس حقیقت کی طرف بھی توجہ نہیں دی گئی کہ صلیب کی سزا رومن مملکت میں مستعمل نہیں تھی۔ رومن باشندوں کو صلیب دے کر ہلاک نہیں کیا جاتا تھا سزا کا یہ طریقہ صرف غیر ملکیوں یعنی رومی مقبوضات میں مروج تھا تاکہ ان "غلاموں" پر رومی حکمرانوں کی دہشت قائم رہ سکے اور وہ اپنے بدیسی آقاؤں کے خلاف سرتابی نہ کر سکیں۔ فلسطین بھی رومن حکومت کا مقبوضہ علاقہ تھا اور یہاں آباد یہودیوں کو قابو میں رکھنے کے لئے صلیب کے ذریعے ہلاک کرنے کا طریقہ رائج تھا۔ جب رومی بادشاہ کنسٹن ٹائن (Constan Tine) نے مسیحی مذہب قبول کر لیا تو ۳۳۰ء میں اس نے صلیب کی سزا اپنے تمام مقبوضات سے مکمل طور پر ختم کر دی کیونکہ یہ حضرت مسیحؑ پر ظلم کی علامت تھی پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ باتصویر چادر ۳۳۰ء سے قبل کی ہے کیونکہ اس کے بعد تو صلیب پر سزا دینے کا طریقہ ہی ختم کیا جا چکا تھا۔

(۵) تصویر سے داڑھی اور سر کے بالوں کا جو اسٹائل نمایاں ہے وہ رومی سلطنت میں کسی جگہ بھی عام نہیں تھا صرف فلسطین ہی وہ علاقہ تھا جہاں کے لوگ اس طرز کی داڑھی اور بال رکھتے تھے پس صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آفت زدہ شخص یہودی قوم کا کوئی فرد ہے' اس کا فرانس یا اٹلی سے کوئی تعلق نہیں۔

(۶) مقدس چادر پر ثبت شدہ اس تصویر میں زخموں کے وہی چھ مقام نظر آ رہے ہیں جو

انجیل میں مذکور ہیں۔ طبی ماہرین نے تصدیق کی ہے کہ تصویر میں دائیں آنکھ کے نیچے شدید قسم کے ورم کے نشانات بھی موجود ہیں جو طمانچے یا مکے مارنے سے پیدا ہوئے ہوں گے۔ انجیل کی رو سے گورنر پیلاطوس کی عدالت میں لے جانے سے قبل چیف کاہن سردار کائفا کی عدالت میں یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کے چہرے پر مکے اور طمانچے مارے تھے (متی باب ۲۶ آیت ۲۷)

(۷) حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے سے قبل کوڑے مارے گئے تھے تصویر میں یہ نشانات بہ آسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ تعداد ۹۰ سے بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ رومی، مجرم کو سزا دینے کے لئے جو کوڑا استعمال کرتے تھے اسے فلیگ رم (Flagrum) کہتے تھے۔ یہ ایک خاص قسم کا کوڑا ہوتا تھا جس کے سرے پر چمڑے کے تین تسمے لگے ہوتے تھے اور ہر تسمے کے آخر میں دھات یا ہڈی کے چھوٹے چھوٹے گولے سے بندھے ہوتے تھے تاکہ کوڑا لگتے وقت مجرم کو سخت اذیت پہنچے۔ چادر پر جو تصویر مرتسم ہوئی ہے اس پر موجود زخموں کے نشانات بتا رہے ہیں کہ یہ اسی خصوصی رومی کوڑے کے نشانات ہیں۔

(۸) اس تصویر میں کندھے پر بھی زخم کا نشان موجود ہے یہ وہی نشان ہے جو یقینی طور پر اس وقت پیدا ہوا ہو گا جب حضرت مسیحؑ نے اپنی بھاری صلیب اٹھا کر کندھے پر رکھی ہو گی۔

(۹) تصویر میں پیشانی اور سر کے پچھلی طرف خون کی دھاریاں نظر آتی ہیں۔ یہ خون کانٹوں کے اس تاج سے بہا تھا جو صلیب پر چڑھانے سے قبل حضرت مسیحؑ کے سر پر رکھا گیا تھا۔

(۱۰) مقدس چادر پر مرتسم تصویر میں صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کی تصویر ہے جس کے ہاتھوں میں کیلیں ٹھونکی گئی تھیں کیونکہ چادر پر جسم کے ان دونوں حصوں (ہاتھوں) سے خون بہنے کی لکیریں صاف نظر آ رہی ہیں۔ یہ بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ دونوں بازو ۵۵ سے ۶۵ ڈگری کے زاویے سے پھیلے ہوئے ہیں۔ تصویر جس حیران کن حقیقت کا انکشاف کرتی ہے وہ یہ ہے کہ کیل حضرت مسیحؑ کے ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں نہیں بلکہ کلائیوں میں ٹھونکے گئے تھے جبکہ عام آرٹسٹ تصویر میں حضرت مسیحؑ کی ہتھیلیوں میں کیل گڑے ہوئے دکھاتے ہیں حالانکہ ایسا ممکن نہیں کہ ہتھیلیوں میں کیل ٹھونک کر جسم کو صلیب پر روکا جا سکے۔ چنانچہ فرانس کے ایک ممتاز سرجن ڈاکٹر بارڈر (Dr. Barder) نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ اگر چالیس کلوگرام وزنی آدمی کو بھی ہتھیلیوں میں کیل ٹھونک کر صلیب پر لٹکا دیا جائے تو بوجھ کی وجہ سے ہتھیلیاں پھٹ جائیں گی اور ہاتھ صلیب سے آزاد ہو جائیں گے کیونکہ ہتھیلی کے وسط سے لے کر انگلیوں کے درمیانی خلاء تک کہیں رکاوٹ نہیں جبکہ کلائی میں کیل ٹھونکنے کے بعد آگے روک آ جاتی ہے اس لئے صلیب پر چڑھانے کے بعد کیل ہتھیلیوں میں

نہیں بلکہ کلائیوں میں ٹھونکے جاتے تھے۔

منیر صاحب! غور فرمایئے کیا کسی جعلی تصویر بنانے والے کی نگاہ اس باریکی تک جا سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اب تک حضرت مسیحؑ کی جتنی تصویریں بنائی گئیں ان میں کلائیوں کی بجائے ہتھیلیوں کو کیلوں کے ساتھ جڑا ہوا دکھایا گیا ہے جبکہ اس چادر پر ثبت شدہ تصویر میں کیلوں کے زخم کلائیوں میں نظر آ رہے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ یہ اصلی اور حقیقی تصویر ہے جو حضرت مسیحؑ کے جسم سے نکلنے والے پسینے بخارات اور چادر پر موجود محلول سے مل کر بن گئی اگر جعل ساز بناتا تو کیلوں کے زخم عام تصور اور روش کے مطابق ہتھیلیوں پر دکھاتا۔

(۱۱) انجیل واضح الفاظ میں کہتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ٹانگوں کی ہڈیاں نہیں توڑی گئی تھیں۔ (یوحنا کی انجیل باب ۱۹ آیت ۳۳، ۳۴)

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ اس چادر پر جو تصویر ثبت ہے اس پر کسی ایسی ضرب (چوٹ) کا ہلکا سا نشان بھی موجود نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ حضرت مسیحؑ کی رانوں یا پنڈلیوں کی ہڈیاں توڑی گئی تھیں۔

(۱۲) اس تصویر کے اصلی اور قدرتی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت وہ نشان ہے جو چادر پر پسلیوں کے قریب نظر آ رہا ہے یہ نشان جسم کے دائیں طرف پانچویں اور چھٹی پسلی کے درمیان دیکھا جا سکتا ہے یہ ساڑھے چار سینٹی میٹر سائز کا نشان ہے یہاں پر خون کافی مقدار میں بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ صلیب سے اتارنے سے قبل ایک رومی سپاہی نے حضرت مسیحؑ کی پسلی میں نیزہ مارا تھا اور انجیل کہتی ہے کہ اس سے خون اور پانی بہہ نکلا تھا (یوحنا کی انجیل باب ۱۹ آیت ۳۴، ۳۵)

چنانچہ خون کا بہت بڑا نشان اس چادر پر صاف نظر آ رہا ہے اس سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ مقدس چادر پر جس شخصیت کی تصویر نظر آ رہی ہے وہ حضرت مسیحؑ کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی اور شخصیت کے ساتھ یہ واقعات پیش نہیں آئے۔ کیا یہ غور طلب بات نہیں کہ اس تصویر میں حضرت مسیحؑ کے جسم کا مکمل عکس اور صلیب پر رونما ہونے والی تمام کیفیات منعکس ہو گئیں اور یہ سیدھی تصویر کی صورت میں نہیں بلکہ نیگیٹو کی صورت میں چادر پر ثبت ہیں۔ کیا انسانی ہاتھ سے یہ ممکن ہے؟

مسیح کی ہجرت

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ کی اس تحقیق کے بعد جو آپ نے بہت عرق ریزی سے کی ہے دو تین سوال پیدا ہوتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے صلیب سے بچ نکلنے کا علم یہودیوں اور رومی حکومت دونوں کو ہو گیا تھا۔ کیا انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو دوبارہ گرفتار کرنے اور قتل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دوسری بات یہ کہ صلیب سے اترنے کے بعد حضرت عیسیٰؑ کہاں تشریف لے گئے اور باقی زندگی کہاں گذاری؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ کے سوالات بہت معقول ہیں میں دونوں سوالوں کے اختصار سے جواب دینے کی کوشش کروں گا۔

حضرت مسیحؑ کا اپنی عارضی قبر سے غائب ہو جانا ایسا واقعہ نہ تھا کہ چھپا رہتا یہودیوں اور رومی حکومت دونوں کو اس واقعے کی خبر ہو گئی لیکن حضرت مسیحؑ اپنے وفادار حواریوں کی مدد سے یروشلم سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ کچھ مدت جو چالیس دن سے ڈیڑھ سال تک بیان کی جاتی ہے جناب مسیحؑ بھیس بدل کر فلسطین کے مختلف علاقوں میں گھومتے اور اپنے عقیدتمندوں کو نصائح فرماتے رہے پھر آپؑ فلسطین سے روانہ ہو گئے کیونکہ آپؑ نے بار بار فرمایا تھا کہ میں اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں یعنی اسرائیل کے جو قبائل بچھڑ گئے ہیں اور فلسطین سے باہر منتشر ہو گئے ہیں ضرور ہے کہ میں ان کی طرف جاؤں اور انہیں تبلیغ کروں چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:۔

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔
(متی کی انجیل باب ۱۵ آیت ۲۴، ۲۵)

پھر فرماتے ہیں کہ:۔

"میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں" (انجیل یوحنا باب ۱۰ آیت ۱۶)

یعنی جو بنی اسرائیل فلسطین میں آباد ہیں ان کے علاوہ اور بھی اسرائیلی قبائل ہیں جو

دوسرے ملکوں میں آباد ہیں میں ان کے پاس بھی جاؤں گا۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اسرائیل کی ایک گمشدہ بھیڑ بھی تلاش کی جائے گی" (خلاصہ) (متی باب ۱۸ آیت ۱۴)

یعنی جہاں جہاں میری قوم (بنی اسرائیل) کے لوگ آباد ہیں میں کوشش کروں گا کہ ان میں سے ایک ایک کے پاس پہنچوں۔ عجیب بات ہے کہ انجیل کے اس بیان کی قرآن حکیم بھی تصدیق کرتا ہے کہ "میں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا ہوں" چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

ورسولا الی بنی اسرائیل (آل عمران آیت ۴۹)

(اور اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو) رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف (مبعوث کرے گا) چنانچہ ضرور تھا کہ آپؑ فلسطین میں کچھ مدت گزار کر ممالک غیر کا سفر اختیار کرتے اور ان ملکوں میں تشریف لے جاتے جہاں بنی اسرائیل آباد تھے چنانچہ آپؑ فلسطین سے دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ مشہور ایرانی مورخ میرا خوند اپنی کتاب "روضتہ الصفا" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"جناب عیسیٰؑ ابن مریمؑ کا نام مسیح اس لئے رکھا گیا کہ آپؑ سیر و سیاحت بہت کرتے تھے (اونٹ یا بھیڑوں کے) بالوں سے بنا ہوا عمامہ آپؑ کے زیب سر ہوتا، کرتا بھی اونٹ یا بھیڑوں کے بالوں کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ ہاتھ میں عصا لئے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سفر کرتے رہتے تھے، جہاں رات پڑتی وہیں رہ پڑتے۔ جنگلی پھل اور چشموں کا پانی آپؑ کی غذا تھی، سفر سواری پر نہیں بلکہ پیدل کرتے تھے۔ ایک بار آپؑ کے شاگردوں نے آپؑ کے لئے ایک گھوڑا خرید لیا تاکہ سفر میں آرام ملے مگر اس پر آپؑ نے صرف ایک دن سفر کیا دوسرے دن یہ گھوڑا واپس کر دیا کیونکہ اس کے لئے دانے گھاس کا بندوبست نہ ہو سکا تھا۔ اس طرح سفر کرتے ہوئے جناب مسیحؑ اپنے وطن (فلسطین) سے نکل کر نصیبین نامی شہر میں پہنچے" ("روضتہ الصفا" جلد ۱ صفحہ ۱۳۰)

میرا خوند کی روایت کے مطابق حضرت مسیحؑ نصیبین جانے سے قبل دمشق گئے تھے اس لئے مناسب ہے کہ پہلے حضرت مسیحؑ کے قیام دمشق کا ذکر کر دیا جائے۔

واقعہ صلیب کے بعد جب حضرت مسیحؑ فلسطین سے روانہ ہوئے تو آپؑ کو سب سے زیادہ محفوظ شہر دمشق ہی نظر آیا جہاں بنی اسرائیل کی بہت بڑی تعداد آباد تھی ان میں خاصی تعداد ان یہودیوں کی تھی جو آپؑ سے عقیدت رکھتے تھے۔ مورخین نے صراحت کی ہے کہ دمشق کو

اپنے قیام کے لئے منتخب کرنے کی ایک بڑی وجہ حضرت مسیحؑ کے نزدیک یہ تھی کہ یہ شہر رومی حکومت کی حدود سلطنت سے باہر تھا جس نے آپؑ کو صلیب دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان دنوں دمشق پر بادشاہ "ہیروڈ اٹی پاس" (Herod Atipas) کی حکومت تھی جو رومیوں کا سخت دشمن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کثیر تعداد میں یہودی آباد تھے اور بہت آزادی، فارغ البالی اور اطمینان سے زندگی گزارتے تھے۔ حضرت مسیحؑ اس علاقے کو اپنے لئے عافیت کے علاوہ آئندہ سفر کے سلسلے میں بھی محفوظ اور موزوں علاقہ سمجھتے تھے۔

("Jesus in Rome" By Robert Graves and Joshua Podro

(Casell and Company LTD London, P - 30)

یہوذی مسیحؑ کے تعاقب میں

مغرب کے دو مسیحی عالم اور دانشور "رابرٹ گریوز" اور "جوشوا پوڈرو" پوری تلاش و تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جناب مسیحؑ کی صلیبی موت کے بارے میں یہودیوں اور رومی حکومت دونوں کو شبہ پیدا ہو گیا تھا اور ان کی کوشش تھی کہ جناب مسیحؑ کو تلاش کر کے گرفتار کر لیا جائے اور پھر صلیب پر چڑھا کر ہلاک کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لئے ساؤل نامی ایک یہودی کی خدمات حاصل کیں۔ ساؤل جناب مسیحؑ اور آپؑ کے ماننے والوں کا جانی دشمن تھا اور مسیحیوں کو سخت ایذائیں دیا کرتا تھا۔ شائد ساؤل اپنے مشن میں کامیاب ہو جاتا اور حضرت مسیحؑ پھر گرفتار ہو کر دوبارہ صلیب پر چڑھا دیئے جاتے مگر ایک ڈرامائی واقعے نے اس منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ روایت کے مطابق ساؤل رومی حکومت کے اشارے پر دمشق گیا تھا۔ اس کے ساتھ مسلح دستہ بھی تھا۔ ساؤل بظاہر تو دمشق میں آباد یہودیوں سے مذہبی ٹیکس جمع کرنے کی غرض سے وہاں گیا تھا اور بیت المقدس کے چیف کاہن کا مذہبی حکم نامہ اور کچھ مسلح افراد ساتھ لے گیا تھا۔ مگر درحقیقت ساؤل کو اس غرض سے دمشق بھیجا گیا تھا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو تلاش کرے اور مسلح سپاہیوں کی مدد سے گرفتار کر لے تاکہ (یروشلم لا کر) آپؑ کو دوبارہ صلیب دے دی جائے۔ رابرٹ گریوز لکھتے ہیں کہ:-

"مگر یسوع کو دوبارہ صلیب پر ہلاک کرنے کا منصوبہ اس وقت ناکام ہو گیا جب یسوع سفید لباس میں ملبوس (اپنی قیام گاہ سے) سے باہر آئے اور ساؤل کا نام لے کر اسے پکارا اس وقت

سورج کی تیز روشنی میں ان کے چہرے پر ایسی وجاہت تھی کہ ساؤل کی آنکھیں چندھیا گئیں، اس پر خوف طاری ہو گیا۔ اس وقت یسوع کے ساتھ بھی مسلح افراد کی ایک جماعت تھی پس ساؤل یسوع کے سامنے جھک گیا اور رحم کی درخواست کرنے لگا وہ پوچھ رہا تھا کہ اب اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا (کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اسے پہچان لیا گیا ہے) اس پر یسوع نے حکم دیا کہ اسے (Judas) (تھوما حواری) کے گھر میں ٹھہرایا جائے اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کیا جائے۔" (Jesus in Rome, P - 26,27) یہ وہی ساؤل ہے جو بعد میں پولوس کے نام سے مشہور ہوا۔

بعد میں ساؤل کو رہا کر دیا گیا کیونکہ اب وہ حضرت مسیحؑ کا حلقہ بگوش ہو چکا تھا۔ چنانچہ "Jesus in Rome" کے دونوں مسیحی مصنفوں کی تحقیق کے مطابق "اس زمانے میں پولوس (ساؤل) دمشق میں موجود تھا اور کرائے کے ایک مکان میں مقیم تھا وہ دو سال تک دمشق میں رہا اور تبلیغ کرتا رہا۔ پولوس (ساؤل) نے قسم کھا کر شہادت دی کہ اس نے ۳۵ء میں (یعنی واقعہ صلیب کے ۲ سال بعد) دمشق کے باہر یسوع سے ملاقات کی تھی پولوس (ساؤل) نے مزید بیان کیا کہ جہاں تک اسے معلوم ہے یسوع ۶۰ء تک (یعنی واقعہء صلیب کے چھبیس، ستائیس سال بعد تک) زندہ تھے"۔ (Jesus in Rome, P - 37)

منیر احمد:- پیام صاحب! "جیسز ان روم" نامی اس کتاب کے دونوں مصنف مسیحی ہیں اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ بہت سے مسیحی علما بھی مانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب سے زندہ اتار لئے گئے تھے اور اپنے وطن سے نکل گئے تھے؟

پیام شاہجہانپوری:- جی منیر صاحب! یہی تو وہ حقائق ہیں جو ابھی تک بیشتر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں آپ خود دیکھ لیں کہ پولوس (ساؤل) جیسا عالم جو حضرت مسیح کا ہم عصر تھا جسے مسیحی اپنا روحانی پیشوا تسلیم کرتے ہیں اعتراف کرتا ہے کہ جناب مسیحؑ واقعہ صلیب کے چھبیس ستائیس سال بعد تک زندہ رہے۔

منیر احمد:- لیکن ایک سوال اور پیدا ہو گا وہ یہ ہے کہ پولوس کا تو انجیل کی رو سے یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر فوت ہو گئے تھے پھر تیسرے دن جی اٹھے اس کے بعد آسمان پر اٹھا لئے گئے مگر آپ نے جو حوالہ پیش کیا ہے وہ کچھ اور کہتا ہے؟ یہ کیا بات ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! دو باتیں ذہن میں رکھیئے۔ پولوس نام کی دو شخصیتیں گذری ہیں ایک وہ جو حضرت مسیحؑ کا ہم عصر تھا۔ یہ ابتدا میں حضرت مسیحؑ کا شدید مخالف تھا اور جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں مسیحیوں کو ستاتا اور ان پر ظلم کرتا تھا بلکہ یہودیوں کے پیشوائے اعظم سردار کائفا اور رومی حکومت کے ایما پر حضرت مسیحؑ کو گرفتار کرنے کی غرض سے مسلح افراد کی ایک جماعت لے کر دمشق بھی گیا تھا مگر بعد میں آپؑ کا معتقد ہو گیا اور حضرت مسیحؑ کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ دوسرا پولوس وہ تھا جو جدید مسیحیت کا بانی تھا اور جس نے مسیحؑ کی تعلیمات میں تبدیلی کی اور کفارے کا عقیدہ گھڑا' تین خداؤں کا غلط اور گمراہ کن تصور پیش کیا۔ پولوس نامی ان دونوں شخصیتوں کی تعلیمات گڈمڈ ہو گئی ہیں' دوسری بات یہ کہ انجیل میں جو بیانات ہیں ان میں بھی تحریف ہوئی ہے اضافے کئے گئے ہیں اس لئے انجیل کا ہر بیان قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! میں نے دو سوال کئے تھے ایک کا تو جواب آپ نے دے دیا۔ اب دوسرا سوال رہ گیا کہ صلیب سے بچ جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باقی زندگی کہاں گزاری کیونکہ فلسطین سے تو وہ چلے گئے ویسے بھی جو حالات آپ نے بیان کئے ہیں ان میں وہ وہاں رہ بھی نہیں سکتے تھے ہر طرف ان کے دشمن تھے اور ان کی تلاش بھی جاری تھی۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! "روضتہ الصفا" کے مصنف میراخوند اور مغربی مورخوں "رابرٹ گریوز" اور "جوشوا پوڈرو" کی تحقیق آپ نے دیکھ لی۔ ان تینوں مورخوں کے بیان اور تحقیق کی رو سے حضرت مسیحؑ فلسطین سے نکل کر دمشق گئے وہاں سے آپؑ نے "نصیبین" کا سفر اختیار کیا جو ترکیہ کی سرحد پر واقعہ تھا (ایک "نصیبین" عراق میں بھی تھا) اس سفر کی مختصر روداد سنئے:۔

مغربی مورخ مسٹر ہولگر کرسٹن (Holger Kersten) نے فارسی ذرائع خصوصاً "جامع التواریخ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ دمشق میں مقیم تھے کہ آپؑ کو نصیبین کے بادشاہ کا خط موصول ہوا جس میں بادشاہ نے درخواست کی تھی کہ وہ سخت بیمار ہے اس لئے آپ تشریف لا کر اسے بیماری سے صحت یاب فرما دیں۔ حضرت مسیحؑ کسی وجہ سے فوری طور پر نصیبین نہ جا سکتے تھے اس لئے آپؑ نے اپنے شاگرد جناب "تھوما" کو بھیج دیا تھوما نے بادشاہ کا علاج کیا اور ان کے علاج سے بادشاہ صحت یاب ہو گیا۔

("Jesus Live in India" By Holger Kersten, P - 179)

اس کے بعد حضرت مسیحؑ بھی نصیبین تشریف لے آئے مگر کچھ مدت کے بعد وہاں کے لوگ آپؑ کے مخالف ہو گئے' شہرہ آفاق مسلمان مورخ اور عالم امام طبریؒ کی روایت کے مطابق یہ مخالفت اتنی شدت اختیار کر گئی کہ حضرت مسیحؑ کے لئے نصیبین میں رہتے ہوئے منظر عام پر آنا اور لوگوں سے آزادانہ ملنا جلنا بھی خطرے سے خالی نہ رہا۔ (تفسیر ابن جریر (طبری) جلد ۳ صفحہ ۱۹۷)

مجبوراً جناب مسیحؑ کو نصیبین سے نقل مکانی کرنی پڑی۔ اس شہر سے روانہ ہو کر آپؑ مکہ گئے۔ بظاہر یہ ایک چونکا دینے والا دعویٰ ہو گا کہ جناب مسیحؑ نے وادیٔ مکہ کا بھی سفر کیا؟ لیکن اس دعوے کے پیچھے ایسے اٹل حقائق ہیں جن کا انکار ممکن نہیں یعنی ایسی روایات جن کے راوی مسلمان مورخ ہیں۔ یہاں اس حقیقت کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے کہ مسیحی علما کی مذہبی روایات اور ان کے موثر و منظم پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بیشتر مسلمان علما بھی اس عقیدے کے بہت شدومد سے حامی ہو چکے تھے کہ جناب مسیحؑ آسمان پر چلے گئے ہیں اور وہیں تشریف فرما ہیں ان حالات میں کسی مسلمان مورخ اور عالم کا یہ دعویٰ کرنا کہ جناب مسیحؑ مکہ معظمہ گئے اور وہاں روحانی برکات حاصل کیں اس عمارت کو خود گرا دینے کے مترادف ہے جو ان کے اکابر نے تعمیر کی تھی لیکن اس کے باوجود ان مسلمان مورخین نے پوری علمی دیانت سے کام لیا اور جو روایات ان تک پہنچیں وہ انہوں نے قبول کر لیں کیونکہ یہ مسلمان فاضل مورخ انہیں قابل اعتبار اور ثقہ سمجھتے تھے ورنہ ایک روایت کو غلط اور بے بنیاد سمجھنے کے باوجود اپنی کتابوں میں کبھی درج نہ کرتے چنانچہ شیعہ فرقے کے ممتاز عالم اور فقہ جعفریہ کے بانی ملا باقر مجلسی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ "جناب عیسیٰؑ ابن مریمؑ روحا کے میدان میں آئے تھے اور ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ "لبیک عبدک و ابن امتک لبیک" (اے اللہ میں حاضر ہوں' میں تیرا بندہ اور تیری بندی (مریمؑ) کا بیٹا ہوں میں تیرے روبرو حاضر ہوں) (بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۳۲۸)

اس روایت کے درست ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خود حضورؐ اقدس نے عالم کشف میں حضرت مسیحؑ کو حج بیت اللہ کرتے دیکھا تھا۔ (اخبار مکہ صفحہ ۳۹ مصنفہ علامہ الازرقیؒ)

اس طرح جناب مسیحؑ نے مکہ معظمہ میں حاضر ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور حج کی سعادت حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں خانۂ کعبہ کو جن تصاویر اور بتوں سے آراستہ کیا گیا تھا ان میں ایک تصویر جناب مسیحؑ کی بھی تھی۔ اگر حضرت مسیحؑ مکہ میں نہ آئے

ہوتے اور آپ" نے خانہ کعبہ کا طواف نہ کیا ہوتا تو مکہ اور اس کے قرب و جوار میں آباد مسیحیوں کو خانہ کعبہ میں ان کی تصویر آویزاں کرنے کی کیا ضرورت تھی پھر زمانہ قدیم کا عربی لٹریچر بھی شہادت دیتا ہے کہ عرب کے مسیحی شعراء یروشلم اور بیت المقدس کی طرح خانہ کعبہ کی بھی عزت کرتے تھے اور "ورب مکہ و الصلیب" کہہ کر مکہ اور صلیب دونوں کے رب کی قسم کھایا کرتے تھے۔ ("عربستان میں مسیحیت" مولفہ پادری سلطان محمد پال صفحہ ۱۳ مطبوعہ ریلیجس سوسائٹی لاہور ۱۹۴۵ء)

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خود مسیحی شعراء و علماء کے نزدیک جناب مسیح" کا خانہ کعبہ سے کوئی تعلق ضرور تھا وہ تعلق یہی تھا کہ مسلمان مورخین اور علما کی تحقیق کی رو سے جناب مسیح" نے خانہ کعبہ کا حج کیا تھا۔ دور کیوں جایئے شیخ سعدی کا یہ شعر کہ ۔

خرِ عیسیٰ اگر بمکہ رود   چوں بیاید ہنوز خرباشد

یعنی حضرت عیسیٰ" کا گدھا مکہ جا کر بھی گدھے کا گدھا ہی رہا۔

اس امر کا ثبوت ہے کہ جناب مسیح" نے مکہ کا سفر ضرور کیا تھا ورنہ اتنے بڑے اور آفاقی شاعر کو ایک خلافِ واقعہ بات نظم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مسلمان ادیب ہوں یا شاعر انبیاء کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رویہ اختیار کرتے ہیں۔

مشرق کی طرف سفر

تاریخ بتاتی ہے کہ جناب مسیح" مکہ معظمہ سے پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے' اس بار آپ" نے عراق کا راستہ اختیار کیا۔ راستے میں کہاں کہاں قیام کیا؟ اس کی تفاصیل ابھی مہیا نہیں ہو سکیں البتہ اتنا سراغ ملتا ہے کہ آپ" اس مقام سے ضرور گذرے تھے جسے اب کربلا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ روایت عالم اسلام کے ایک ممتاز عالم ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب "بحار الانوار" میں بیان کی ہے۔ اس سفر میں جناب مسیح" کے ساتھ آپ" کی والدہ حضرت مریم" بھی تھیں چنانچہ یہی فاضل مورخ حضرت علیؓ بن ابی طالب کے عہدِ خلافت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عراق میں ایک مقام پر مسیحیوں کی عبادت گاہ "مسجد براثا" واقع تھی جب اس عبادت گاہ کا راہب مسلمان ہو گیا تو ایک روز امیر المومنین حضرت علیؓ نے نومسلم راہب سے اس عبادت گاہ کے بارے میں کوئی سوال کیا جس کے جواب میں اس نے بتایا کہ

تبت کے شہر "ہمس" کا وہ تاریخی بدھ راہب خانہ جس میں زمانہ ء قدیم کی دستاویزات محفوظ ہیں۔ روسی سیاح "نوٹووچ" نے انہی دستاویزات کے مطالعے کے بعد اپنی کتاب میں انکشاف کیا ہے کہ حضرت مسیح" واقعہ ء صلیب کے بعد اس علاقے میں تشریف لائے تھے۔"

لداخ کے دار السلطنت "لیہ" کا ایک منظر۔

تبت کے مذہبی پیشوا لاماؤں کا ایک گروپ فوٹو۔

یہ تصاویر روسی سیاح "نوٹووچ" نے تبت کے دوران سفر اپنے کیمرے سے اتاری تھیں اور اپنی کتاب "دی ان نون لائف آف کرائسٹ" میں شامل کی تھیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ موصوف نے خود ان علاقوں کا (۱۸۸۷ء میں) سفر کیا تھا۔

لداخ کی عورتوں کا ایک گروپ فوٹو۔

اس عبادت گاہ میں جناب عیسیٰ بن مریمؑ اور آپؑ کی والدہ نے بھی نماز پڑھی تھی۔ (بحار الانوار جلد ۵ صفحہ ۳۲۸)

واقعہء صلیب کے بعد سفر

منیر احمد :۔ پیام صاحب! ایک بات کی وضاحت چاہوں گا۔ حضرت مریمؑ سفر عراق میں حضرت مسیحؑ کے ساتھ کیوں تھیں جبکہ اس سے پہلے وہ کسی سفر میں آپؑ کے ساتھ نظر نہیں آتیں۔

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! یہی تو اس امر کا ثبوت ہے کہ حضرت مسیحؑ نے یہ سفر واقعہء صلیب کے بعد کیا تھا کیونکہ واقعہء صلیب سے پہلے آپؑ نے جتنے سفر کئے ان میں سے کسی سفر میں آپؑ اپنی والدہ محترمہ کو اپنے ہمراہ لے کر نہیں گئے' نہ اس کی ضرورت تھی کیونکہ اول تو جناب مسیحؑ یہ سفر پیدل کرتے تھے اور ایک بزرگ خاتون کو سیکڑوں میل پیدل سفر کی بلاوجہ تکلیف دینا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ تبلیغِ دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو مامور کیا تھا آپؑ کی والدہ کو نہیں اس لئے آپؑ نے اپنی والدہ کو کبھی تکلیف نہیں دی۔ انجیل' احادیثِ صحیحہ اور تاریخ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اندرون فلسطین کے تبلیغی دوروں میں ایک بار بھی حضرت مریمؑ جناب مسیحؑ کے ساتھ گئی ہوں۔

منیر صاحب! آپ کو یاد ہو گا کہ جب حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا تو اس وقت آپؑ نے اپنے عزیز ترین شاگرد جناب یوحنا کو وصیت کی تھی کہ میں اپنی والدہ کو تمہارے سپرد کرتا ہوں تم انہیں اپنی ماں سمجھنا (یوحنا کی انجیل باب ۱۹ آیت ۲۷'۲۸)

جناب یوحنا نے اپنے مرشد اور روحانی پیشوا کی اس وصیت پر پوری طرح عمل کیا اور حضرت مریمؑ کو اپنے ہمرہ لے کر کسی محفوظ مقام پر چلے گئے چنانچہ مسیحیت کے بارے میں ایک نہایت تحقیقی کتاب "ارلی سائنٹس آف کریچیانٹی" میں صراحت کی گئی ہے کہ :۔

"ہم جانتے ہیں کہ جناب مسیحؑ نے واقعہ صلیب کے موقع پر اپنی والدہ کو اپنے سب سے چہیتے حواری سینٹ جان (جناب یوحنا) کے سپرد کر دیا تھا اور حضرت مریمؑ سے کہا تھا کہ والدۂ محترمہ! اس امر کا خیال رکھئے گا کہ یہ آپ کا بیٹا ہے اور دوسری طرف جناب یوحنا سے کہا تھا کہ تم بھی خیال رکھنا کہ یہ تمہاری والدہ ہیں تب وہ حواری (جناب یوحنا) حضرت مریمؑ کو لے

کر روانہ ہو گئے سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے واقعۂ صلیب کے بعد یروشلم کے یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کے حواریوں کو ایذائیں پہنچانی شروع کر دی تھیں ایسے ہی حواریوں میں جناب یوحنا کا بھائی بھی شامل تھا جسے یہودیوں نے تشدد کرنے کے بعد قتل کر دیا تھا اس غصہ اور جھنجلاہٹ کی اصل وجہ یہ تھی کہ جناب یوحنا حضرت مریمؑ کو لے کر اس خوفناک شہر سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اسے ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ گئے تھے جہاں حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔

(Early Sites of Christia Nity, PP - 109, 110)

اس کے بعد جناب یوحنا اور حضرت مریمؑ نے فلسطین میں کہاں کہاں قیام کیا اور کتنی مدت گذاری؟ اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یوحنا حواری کے اس دور کو جب وہ یروشلم سے ہجرت کر گئے تھے تاریخ میں "ان کی زندگی کا گم شدہ باب" قرار دیا جاتا ہے مگر اسی گم شدہ باب سے اس حقیقت کا سراغ لگ جاتا ہے کہ جناب یوحنا اور حضرت مریمؑ اس وقت کہاں تھے؟ چنانچہ مسیحیت کے بارے میں ایک اور تحقیقی کتاب میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے چنانچہ فاضل مسیحی مصنف لکھتا ہے کہ :۔

"یوحنا حواری کا وہ دور جسے گمشدہ باب قرار دیا جاتا ہے بلاشبہ وہی دور ہے جب جناب یوحنا حضرت مریمؑ کے ہمراہ "پارتھیا" کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے"

(Conontex of the new Testament by Gr Gre Gory, P - 511)

یہاں میں وضاحت کروں کہ "پارتھیا" تاریخ میں اس علاقے کو کہتے تھے جو دریائے فرات کے مشرق کی طرف واقع تھا اور جس میں عراق کے مشرقی علاقوں سے لے کر ایران افغانستان اور ہندوستان کا شمال مغربی علاقہ شامل تھا۔

مسیحی مصنف اس حقیقت کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت مریمؑ اور یوحنا نے فلسطین سے عراق کی طرف یہ سفر کیوں اختیار کیا چنانچہ وہ کہتا ہے کہ :۔

"یہ وہ وقت تھا جب حضرت مسیحؑ کے ماننے والوں پر روم (فلسطین) کی حدود سلطنت میں اس قدر ظلم کیا جا رہا تھا کہ ان کا وہاں آزادی سے زندگی گذارنا ممکن نہیں رہا تھا اور یہ ابتدائی مسیحی خوفزدہ ہو کر ہمسایہ سلطنت (پارتھیا) کی طرف ہجرت کر رہے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یہاں وہ بے خوف و خطر ہو

کر حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کے مطابق زندگی گذار سکیں گے اور ان پر آزادی سے عمل کر سکیں گے" (مندرجہ بالا کتب کا صفحہ ۱۱۵)

گویا خود مسیحی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ نے فلسطین سے "پارتھیا" (عراق اور اس کے نواح) کی طرف یہ سفر واقعہء صلیب کے بعد کیا تھا۔ اس سے پہلے آپؑ کو یہ سفر اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ عراق کی طرف یہ سفر حضرت مریمؑ نے اس وقت تک جاری رکھا، جب تک کہ حضرت مسیحؑ آپؑ سے آ نہیں ملے۔ اس کی مزید تائید ایک ممتاز مسلمان عالم اور مورخ کے بیان سے ہوتی ہے۔ یہ ممتاز عالم اور مورخ ملا باقر مجلسی ہیں۔ موصوف اپنی شہرہ آفاق کتاب میں لکھتے ہیں کہ :۔

"حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ نے موجودہ کوفہ اور کربلا کے راستے عراق کا سفر کیا تھا"۔

(بحارا الانوار جلد ۵ ص ۳۲۵ اور جلد ۱۳ ص ۱۵۵)

منیر صاحب! اب تو اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ حضرت مریمؑ اور حضرت مسیحؑ نے عراق کا یہ سفر واقعہء صلیب کے بعد کیا تھا۔

عراق میں جناب مسیحؑ نے کتنی مدت گذاری اور یہاں ان کے معمولات کیا تھے؟ اس کے بارے میں قطعیت سے کوئی بات نہیں کی جا سکتی البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ عراق وہ سرزمین ہے جہاں بنی اسرائیل کو جلا وطنی کے بعد سب سے زیادہ تعداد میں بسایا گیا تھا اور یہیں سے وہ دوسرے ممالک کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ یہاں ان کے بہت سے آثار تھے اس لئے جناب مسیحؑ نے یہاں خاصی مدت گذاری ہو گی اور عراق میں موجود بنی اسرائیل کو تبلیغ فرمائی ہو گی چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے حواری جناب "توما" اور "برتلمائی" نے عراق کے شہر بابل میں تبلیغی فرائض ادا کئے تھے۔ یہ روایت خود مسیحی اہل علم اور مصنفین نے بیان کی ہے اور ظاہر ہے کہ جناب "توما" حضرت مسیحؑ کے ہم سفر رہتے تھے اس لئے توما کا عراق (بابل) میں تبلیغ کرنا ثابت کرتا ہے کہ جناب مسیحؑ بھی عراق میں موجود تھے اور آپؑ ہی نے جناب توما کو ان علاقوں میں تبلیغ کے لئے بھیجا تھا جہاں آپؑ خود نہیں جا سکے تھے بلکہ اب تو ایک حوالہ ایسا مل گیا ہے جس سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جناب توما کے ساتھ خود جناب مسیحؑ بھی بابل گئے تھے چنانچہ " Jesus in Rome " کے مصنفین لکھتے ہیں کہ یسوع کے ایک عزیز ترین شاگرد نے جو ایک بہت بڑے یہودی پیشوا کا

رشتہ دار تھا یسوع سے ملاقات کی ایک جگہ مقرر کر رکھی تھی تاکہ اس جگہ اکٹھے ہو کر وہ یسوع کو سرحد تک پہنچا دے۔ یسوع پہلے "لینڈ آف ناڈ" پہنچے پھر بابل کے شہر "سوسی آنا" میں داخل ہوئے بابل یہودیوں سے بھرا پڑا تھا۔ یسوع جانتے تھے کہ اگر وہ ایک دفعہ وہاں پہنچ گئے تو گرفتاری سے بچ جائیں گے کیونکہ بابل رومی حکومت میں شامل نہیں تھا (Jesus in Rome, P-14)

لکسمبرگ کے ایک ماہر علم الاقوام کا بیان ہے کہ اس نے مشرقی اناطولیہ (مشرقی ترکی) میں کچھ مدت گزاری۔ یہاں کرد قبائل آباد ہیں ان میں یہ روایت بہت عام تھی کہ جناب مسیحؑ واقعہ صلیب کے بعد ترک وطن (ہجرت) کر کے ترکیہ آ گئے تھے اور ان کردوں کے درمیان کچھ مدت گزاری تھی (Jesus Lived In India, P-179)

اس روایت سے ان روایات کی تصدیق ہو جاتی ہے جن میں واقعہ صلیب کے بعد حضرت مسیحؑ کا عراق و شام اور ترکیہ جانا بیان کیا جاتا ہے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! بخت نصر بادشاہ نے بنی اسرائیل پر بہت ظلم ڈھائے تھے اور انہیں عراق و ایران میں منتشر کر دیا تھا حضرت مسیحؑ اگر عراق میں اپنی قوم کے ان لوگوں کے پاس گئے تھے تو ایران بھی گئے ہوں گے کیونکہ وہاں تو بنی اسرائیلی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ جی منیر صاحب! حضرت مسیحؑ کا تو مشن ہی بنی اسرائیل کے ایک ایک قبیلے تک پہنچ کر اسے تبلیغ کرنا تھا اس لئے عراق سے روانہ ہو کر حضرت مسیحؑ ایران گئے جہاں بنی اسرائیل کی بہت بڑی تعداد صدیوں سے آباد تھی۔ ایران میں حضرت مسیحؑ کی آمد کی ایک معتبر شہادت ممتاز روسی سیاح اور دانشور نکولس نوٹووچ (Nicolas Notovitch) کی ان یادداشتوں سے ملتی ہے جو "The Unknown life of Christ." (یعنی مسیحؑ کی بھولی بسری زندگی) کے نام سے 1895ء میں شائع ہوئی تھی۔ اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی جس کا انگریزی میں ترجمہ مسٹر وائلٹ کرائسپ (Violet Crispe) نے کیا تھا۔ سیاح موصوف (نوٹووچ) ۱۸۸۷ء کے موسم خزاں میں ہندوستان کے شہر بمبئی سے روانہ ہوئے اور لاہور سے ہوتے ہوئے راولپنڈی پہنچے۔ وہاں سے کشمیر لداخ اور تبت گئے، تبت کے شہر "واکھا" میں ان کی ملاقات بدھوں کے ایک مذہبی پیشوا "لامہ" سے ہوئی جس نے روسی سیاح کو بتایا کہ بدھ

لٹریچر میں ایک ایسی شخصیت کا ذکر ملتا ہے جس میں گوتم بدھ کی روح حلول کر گئی تھی "لامہ" نے اس کا نام "بزرگ عیسیٰ" بتایا اور اسے مہاتما بدھ کا روحانی بیٹا قرار دیا (حوالے کے لئے دیکھئے کتاب:۔

("The Unknown Life of Christ" By Nicolas, Notovitch, Translated From The French By Violet Crispe London: Butchinson and Co. 34 Pater Noster Row, E.C 1895 P-52,53)

مسٹر نوٹووچ کو تجسس پیدا ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ اور گوتم بدھ کے مابین کیا تعلق ہو سکتا ہے اور "لامہ" حضرت مسیحؑ کو بدھ کا دوسرا ظہور کیوں قرار دے رہا ہے؟ آخر مسٹر نوٹووچ نے یہ عقدہ حل کر لیا۔ لداخ کے شہر ہمس (Himis) پہنچ کر ان کی ملاقات چیف لامہ سے ہوئی اس نے بتایا کہ بدھ کے بعد بہت سے بدھ گذرے ہیں۔ ہمارے لٹریچر میں ۸۴ ہزار دستاویزات ہیں جن میں ان بدھوں میں سے ہر بدھ کی زندگی کے حالات درج ہیں ان میں سے ایک بدھ "عیسیٰ" نامی تھے جنہوں نے ہندوستان آکر تبلیغ دین بھی کی تھی (نوٹووچ کی مندرجہ بالا کتاب کا صفحہ ۱۳۰ اور ۱۳۱)

مسٹر نوٹووچ ایک حادثے کا شکار ہونے کے بعد بغرض علاج ایک بار پھر لداخ کے شہر "ہمس" گئے اس بار ان کی رسائی ایک ایسی دستاویز تک ہو گئی جو زمانہ قدیم کے "لاماؤں" نے لکھی تھی دستاویز کے مطابق حضرت مسیحؑ ہندوستان کے علاوہ ایران بھی گئے تھے۔ ایران کی بستیوں میں حضرت مسیحؑ کی نہایت گرمجوشی سے پذیرائی کی گئی اور لوگ ان کی طرف اس کثرت سے متوجہ ہوئے کہ لاماؤں کی اس دستاویز کی رو سے:۔

"وہاں کے مذہبی رہنماؤں کے کان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو منع کر دیا کہ وہ ان (حضرت مسیحؑ) کی باتیں نہ سنیں مگر جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے منع کرنے کے باوجود ایران کے لوگ حضرت مسیحؑ کا پرجوش استقبال کرتے اور بہت احترام سے پیش آتے ہیں اور بدستور ان کی نصائح سنتے ہیں تو ان کے خلاف سخت اقدام کا فیصلہ کیا (نوٹووچ کی مندرجہ بالا کتاب کا صفحہ ۱۶۱)

آخر حضرت مسیحؑ کو ایران کے سب سے بڑے مذہبی رہنما کے سامنے پیش کیا گیا، وہاں جو سوال و جواب ہوئے لاماؤں کی دستاویز میں اس کی تفصیل اس طرح درج کی گئی ہے۔

ایرانی پیشوا :۔ تم کس نئے خدا کی بات کرتے ہو؟ اے بد قسمت انسان! کیا تم کو نہیں معلوم کہ بزرگ زرتشت ہی وہ واحد ہستی ہے جسے ذاتِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) سے رابطہ پیدا کرنے کا حق حاصل تھا۔ کس نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کے احکام تحریر کرو۔ یہ وہ قوانین ہیں جو زرتشت کو جنت میں دیئے گئے تھے۔ تمہیں ہمارے خدا کی بے حرمتی کرنے کی جرات کیسے ہوئی اور کیوں ہمارے عقیدتمندوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر (کے انہیں گمراہ کر) رہے ہو؟

حضرت مسیحؑ :۔ میں کسی نئے خدا کے متعلق گفتگو نہیں کرتا یہ ہمارا وہ آسمانی باپ ہے جو ہمیشہ سے موجود ہے اور تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی موجود رہے گا۔ وہ ان معصوم لوگوں کو بہت پسند کرتا ہے جو اس قابل نہیں کہ صرف اپنی عقل سے خدا کو پہچان سکیں یا اس کی الوہیت اور روحانی بلندی کو سمجھ سکیں اس لئے میں لوگوں میں اس کے نام کی تبلیغ کرتا ہوں (تاکہ ان معصوم لوگوں کو اپنے رب کا عرفان حاصل ہو سکے) اگرچہ تمہارے غلط عقائد اور مذہبی رسومات نے ان لوگوں کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے مگر جس طرح ایک بچہ اندھیرے میں بھی اپنی ماں کے پستان ڈھونڈ نکالتا ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی (میرے ذریعے سے) اپنے واحد باپ کو پہچان لیا ہے جس کا میں پیغمبر بن کر آیا ہوں۔ اس لازوال ہستی نے تمہارے لئے میری زبان سے یہ پیغام دیا ہے کہ سورج کی پرستش نہ کرو یہ اس عالم کبیر کا ایک حصہ (سیارہ) ہے سورج اس لئے طلوع ہوتا ہے کہ کام کے دوران تمہارے اعضائے جسم کو گرم رکھے اور غروب ہو کر وہ تم کو اجازت دیتا ہے کہ تم وہ کام کرو جس کی خاطر میں نے تمہیں پیدا کیا ہے۔

ایرانی پیشوا :۔ انسان انصاف کے مذہبی قوانین کے سہارے کس طرح زندگی گذار سکتا ہے جب تک اس کی راہبری کرنے والا موجود نہ ہو۔

حضرت مسیحؑ :۔ جب تک لوگوں کے پاس کوئی فرستادۂ خدا نہیں آتا اس وقت تک ان کی رہنمائی کے لئے وہ قدرتی قوانین کافی ہوں گے جو انسانی فطرت میں ودیعت کر دیئے گئے ہیں۔ انسان کی روح کا تعلق خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے اس تعلق کے لئے کسی بت، جانور یا آگ کو واسطہ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں جس طرح یہاں آگ کی پرستش کی جاتی ہے۔ تمہارا عقیدہ ہے کہ ہر شخص کو سورج کی عبادت کرنی چاہئے کیونکہ وہی نیکی اور بدی کی روح ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ تمہارا عقیدہ بالکل جھوٹا اور غلط ہے۔ سورج اپنی ذات کی وجہ سے روشن نہیں

ہے بلکہ اس غیر مرئی عظیم خالق کی ذات سے روشن ہے جس نے اسے پیدا کیا۔ اس نے چاہا کہ ایک ستارہ دن کو روشنی دے کر کام کرنے والوں کو سرگرم رکھے اور انسان کو وقت کی پہچان کرائے سو آفتاب نے روشنی دینا شروع کر دی (یعنی آفتاب تو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے وہ اس قابل کب ہے کہ اس کی عبادت کی جائے) ابدی روح تو ہر جاندار کی روح ہے تم نیک روح اور بد روح کو تقسیم کر کے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہو کیونکہ خداوند تعالیٰ میں اچھائی کے سوائے اور کوئی چیز نہیں (دیکھو!) ایک خاندان کے باپ سے اپنے بچوں کے لئے بھلائی کے سوائے اور کس بات کی امید کی جا سکتی ہے اگرچہ کسی وجہ سے وہ اس کی مخالفت ہی کیوں نہ کرتے ہوں' اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ تم یوم حساب سے ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر خوفناک سزا نازل کرے گا جو معصوم بچوں کو سیدھے راستے سے ہٹا کر گمراہ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ سزا پائیں گے جنہوں نے لوگوں کو بصیرت سے محروم کر دیا' صحت مند انسانوں کو وبائی امراض میں مبتلا کر دیا اور ایسی چیزوں کی عبادت کرنے کی تعلیم دی جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کا مطیع و فرمانبردار بنا کر پیدا کیا تاکہ اس کے کاموں میں اس کی مدد کرے پس تم جن مذہبی عقائد کا شکار ہو یہ تمہاری غلطیوں کا نتیجہ ہیں (افسوس کہ) اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی بجائے تم نے خود ہی جھوٹے خدا پیدا کر لئے۔

حضرت مسیحؑ کی یہ پر معارف گفتگو سن کر آتش پرستوں کے اس پیشوا نے طے کر لیا کہ وہ آپؑ کو کوئی گزند نہیں پہنچائے گا مگر جب رات ہوئی اور لوگ اپنے اپنے بستروں میں سو رہے تھے تو ان لوگوں نے حضرت مسیحؑ کو پکڑ کر فصیل شہر سے باہر نکالا اور پھر ایک سنسان جگہ پر اس خیال سے چھوڑ دیا کہ کوئی درندہ آپؑ کو پھاڑ کھائے گا۔

(نوٹووچ کی کتاب (Unknown Life of Christ, P-162 to 167)

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت فرمائی اور جناب مسیحؑ دشمنوں کی کوشش کے باوجود ہر قسم کے گزند سے محفوظ رہے۔

ایران سے روانہ ہو کر جناب مسیحؑ افغانستان کی حدود میں داخل ہوئے۔ قندھار اور کابل میں آپؑ کے حواری جناب توما کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ جناب مسیحؑ نے افغانستان کا سفر اختیار کیا تھا۔ مستند روایات کے مطابق توما حواری شروع سے آخر تک حضرت مسیحؑ کے ہم سفر رہے۔ اگر وہ جناب مسیحؑ سے الگ بھی ہوئے تو تبلیغی مقاصد کے لئے اور کچھ مدت کے بعد

وہ پھر جناب مسیحؑ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ جناب مسیحؑ کے افغانستان جانے کا ایک بڑا ثبوت وہ چبوترے ہیں جو غزنی اور جلال آباد میں آج بھی موجود ہیں اور "شہزادہ نبی" کے چبوتروں کے نام سے موسوم ہیں ان کا دوسرا نام "یوز آسف کے چبوترے" ہے ان چبوتروں پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جناب مسیحؑ اس ملک میں آباد بنی اسرائیل کو وعظ و تلقین فرمایا کرتے تھے اس لئے یہ چبوترے شہزادہ نبی اور یوز آسف کے نام سے منسوب ہوئے۔ یوز آسف بھی دراصل جناب مسیحؑ کا نام تھا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! یہاں تک تو آپ کے بیان میں تسلسل ہے لیکن اب آپ نے یوز آسف کا ایک نیا کردار روشناس کرایا ہے معاف کیجئے یوز آسف اور حضرت عیسیٰؑ دونوں کو ایک کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! بظاہر آپ کا اعتراض بے وزن نہیں لیکن مجھے تھوڑی سی مہلت دیجئے جب اس بحث کا مقام آئے گا تو انشاء اللہ تاریخی شواہد سے میں ثابت کروں گا کہ یوز آسف جناب مسیحؑ کا ہی دوسرا نام تھا جس طرح 'یسوع' عیسیٰ' مسیحؑ تینوں ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔

قندھار اور کابل سے سفر کرتے ہوئے جناب مسیحؑ درۂ خیبر اور پشاور کے راستے موجودہ پاکستان میں داخل ہوئے۔ جدید تحقیق کی رو سے آپؑ نے اس طویل سفر میں برصغیر کی بہت سی ریاستوں اور بعض دیگر علاقوں کا بھی دورہ کیا جن میں بلوچستان' سندھ' ٹیکسلا' راولپنڈی' اوڑیسہ اور بنارس شامل ہیں۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب مسیحؑ ہندوستان کی ہمسایہ ریاستوں مثلاً نیپال' تبت (لداخ) اور چین بھی گئے تھے آخر میں آپؑ نے کشمیر جا کر سکونت اختیار کر لی اور پھر اسی سرزمین کو آپؑ کی ابدی خواب گاہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی اس اجمال کی تھوڑی سی ہی تفصیل بیان ہو سکتی ہے۔

مسیحؑ کا سفرِ ہند

ہندوستان میں جناب مسیحؑ ہمیں سب سے پہلے شمال مغربی ہند کے دارالسلطنت ٹیکسلا میں نظر آتے ہیں اس زمانے میں ٹیکسلا پر بادشاہ گونڈا فیرس (Gonda Phares) کی حکومت تھی اور اس کا بھائی "گاد" بھی اس کی طرف سے ایک علاقے پر حکمران تھا عیسوی حساب سے یہ

۲۵ء اور ۵۰ء کا درمیانی زمانہ تھا۔ محکمہ آثار قدیمہ ہند کی سالانہ رپورٹ بھی اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ بادشاہ گونڈا فیرس ۲۵ سے ۵۰ء تک ٹیکسلا کا حکمراں رہا۔ (محکمہ آثار قدیمہ ہند کی رپورٹ ۱۹۰۲۔ ۱۹۰۳ صفحہ ۱۶۷)

بادشاہ گونڈا فیرس کو اپنے بھتیجے (راجہ گاد کے بیٹے) ابان (Abban) یا ابانیس (Abbananes) کے لئے ایک نیا محل تعمیر کروانا تھا کیونکہ عنقریب اس کی شادی ہونے والی تھی گونڈا فیرس نے اپنے ایک ہم عصر بادشاہ کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا تاکہ وہ اس کے پاس کسی ماہر فن انجینئر کو بھیج دے۔

ان دنوں حضرت مسیحؑ کا حواری توما جو فن تعمیر کا ماہر تھا اس بادشاہ کے پاس مقیم تھا' چنانچہ اس نے توما کو ٹیکسلا بھیج دیا۔ توما ٹیکسلا میں تعمیراتی کام کی نگرانی کرتا رہا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران میں بادشاہ گونڈا فیرس توما حواری سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا اور اسے اپنی ایک شہزادی کا اتالیق مقرر کر دیا۔ چھ ماہ میں محل تعمیر ہو گیا کچھ مدت کے بعد جب شادی کی تقریب منعقد ہوئی تو اس میں بڑی بڑی شخصیتوں کو مدعو کیا گیا۔ اس تقریب میں حضرت مسیحؑ بھی شریک ہوئے"۔

("The Early Histori Of India" By V.A Smith, P-219)

بعض روایات سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے حواری جناب توما کی تبلیغ اور پھر حضرت مسیحؑ سے ملاقات کر کے بادشاہ "گونڈا فیرس" نے دین مسیحی قبول کر لیا تھا۔

حضرت مسیحؑ کی ٹیکسلا میں موجودگی کے بارے میں ایک اور شہادت ملتی ہے یہ ایک فاضل مسیحی محقق کی کتاب ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستان کے تمام مقامات پر جہاں جہاں "توما" گیا خدا کا بیٹا (مسیحؑ) اس کے ساتھ رہا"۔

("The KingdomOf Christ"By Peter Bamm(London,1959)P-223)

اگرچہ اس روایت میں ٹیکسلا کا ذکر نہیں لیکن توما حواری تو ٹیکسلا میں موجود تھے اور نہ صرف بحیثیت انجینئر موجود تھے بلکہ شہزادی کے اتالیق کی حیثیت سے بھی موجود تھے اس لئے لازمی طور پر حضرت مسیحؑ بھی ٹیکسلا میں موجود تھے کیونکہ اس روایت کے مطابق ہندوستان کے دوران قیام حضرت مسیحؑ اور جناب توما ہر جگہ اکٹھے رہے۔

ٹیکسلا سے حضرت مسیحؑ جن علاقوں میں تشریف لے گئے ان میں اڑیسہ' بنارس اور

تبت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے اس سفر کی روداد ہمیں روسی سیاح اور عظیم دانشور مسٹر نکولس نوٹوویچ کے سفرنامے میں ملتی ہے۔ نوٹوویچ جس کا اس سے قبل بھی ذکر کیا جا چکا ہے کشمیر کے علاوہ لداخ اور تبت بھی گیا تھا وہاں اس نے ایسی دستاویزات دیکھی تھیں جن میں مہاتما بدھ کے ایک غیر ملکی اوتار کا ذکر کیا گیا ہے جو ہندستان آیا تھا جسے بدھ لٹریچر میں عیسیٰؑ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ان دستاویزات میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے سے لے کر حضرت مسیحؑ کی ولادت اور ان کی ہندوستان میں آمد تک تمام واقعات خاصے تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن ناقص ذرائع معلومات اور زبان کی مغائرت کی وجہ سے اگرچہ بعض واقعات صحیح صورت میں درج نہیں ہو سکے مگر ایک بات بہت غور طلب ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ ہندوستان نہیں آئے، انہوں نے بدھوں کی عبادت گاہوں میں جا کر ان کے مذہبی پیشواؤں سے ملاقاتیں نہیں کیں اور بدھ رہنماؤں نے ان میں روحانی کمالات نہیں پائے تو بدھ لٹریچر میں اس عزت و احترام سے ان کا ذکر کیسے شامل کر لیا گیا۔ آخر دنیا کے کسی اور پیغمبر کے بارے میں یہ کیوں نہیں لکھا گیا کہ وہ ہندوستان آیا اور بدھوں کے فلاں پیشوا سے ملاقات کی، صرف حضرت مسیحؑ کی ہندوستان میں آمد کا ذکر کیوں کیا گیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ یقیناً ہندستان تشریف لائے اور انہوں نے یہاں مختلف شہروں میں زندگی گذاری اور بعض ہمسایہ ممالک کا بھی سفر کیا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! یہ سارا بیان ایک مصنف یا مورخ کا ہے کیا کسی اور ذریعے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ جی منیر صاحب! نوٹوویچ کے بیان کی تائید بعض دیگر ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مسیحی مصنفہ لیڈی میرک (Lady Merrick) اپنی کتاب میں لکھتی ہیں کہ:

"(تبت کے شہر) لیہ (Leh) کی بدھ خانقاہ میں ڈیڑھ ہزار سال قدیمی دستاویزات موجود ہیں جن میں درج ہے کہ یسوع "لیہ" سے گذرے تھے جہاں ان کا پرجوش اور پرتپاک استقبال کیا گیا وہاں کے دوران قیام انہوں نے اپنے دین کی تبلیغ بھی کی تھی۔"

("In The World's Attic" By Lady Henriettas Merick P - 215)

بدھوں کی دستاویزات کی رو سے حضرت مسیحؑ سندھ، راجپوتانہ اور پنجاب سے ہوتے ہوئے ہندوستان کے صوبہ اڑیسہ گئے تھے جہاں جگناتھ پوری کا مشہور مندر واقع ہے وہاں سے راج گڑھ اور بنارس گئے۔ حضرت مسیحؑ نے ان شہروں میں مجموعی طور پر چھ سال گذارے، آپؑ نے ویشوں اور اچھوتوں کے درمیان رہنا پسند کیا (کیونکہ یہ لوگ ہندو معاشرے کے ستائے ہوئے تھے) یہیں سے حضرت مسیحؑ اور برہمنوں کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا حالانکہ اس سے پہلے بنارس اور ہندوؤں کے دیگر متبرک مقامات کے لوگ ان سے بہت محبت کرتے تھے لیکن جب برہمنوں اور کھشتریوں نے دیکھا کہ حضرت مسیحؑ ویشوں اور اچھوتوں کی طرف بہت زیادہ متوجہ ہو گئے ہیں تو انہوں ے آپؑ کو بتایا کہ برہمنوں کے سربراہ (پروہت) نے ان لوگوں سے رسم و راہ رکھنے سے منع کیا ہے جو برہمن کے پاؤں سے پیدا کئے گئے ہیں یعنی ویش اور شودر۔

("The Unknown Lifr Of Christ, P - 146)

انہوں نے حضرت مسیحؑ کو تلقین کی کہ ان نیچ لوگوں سے قطع تعلق کر کے ہمارے (برہمنوں کے) پاس آ جاؤ اور ہمارے ساتھ مل کر دیوتاؤں کی عبادت کرو، حضرت مسیحؑ کو دھمکی دی گئی کہ اگر انہوں نے شودروں کی بستیوں میں رہنا اور ان سے رسم و راہ رکھنا ترک نہ کیا تو انہیں برہمنوں اور کھشتریوں کی دشمنی کا نشانہ بننا پڑے گا مگر حضرت مسیحؑ نے ان کی باتوں کی کوئی پروا نہ کی بلکہ شودروں میں رہنے لگے۔ آپؑ نے برہمنوں اور کھشتریوں کے طرز عمل کے خلاف وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا یعنی انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی سخت مذمت کی اور کہا کہ ان (برہمنوں اور کھشتریوں) نے برتری کے زعم میں اپنے جیسے انسانوں کو انسانی حقوق سے محروم کر رکھا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے جو سب کا (روحانی) باپ ہے اپنے بچوں (مخلوق) میں کوئی تفریق روا نہیں رکھی۔ اس کے نزدیک سب یکساں اور اسے پیارے ہیں آپؑ نے "ویدوں" اور "پرانوں" کو آسمانی کتابیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے معتقدین کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی صورت میں ایک رہنما اور ہادی بھیج دیا ہے جو لوگوں کی رہنمائی اور ہدایت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ (یعنی اس کی بعثت کے بعد اب وید اور پران منسوخ ہو گئے) حضرت مسیحؑ نے ویدوں کے ان اشلوکوں کا بھی انکار کیا جن کی رو سے وشنو، سیوا اور دوسرے دیوتا بڑے برہمن کے

روپ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

("The Unknown Life of Christ, P - 146,148)

اڑیسہ کے شہر جگناتھ پوری اور مضافاتی بستیوں میں گھوم پھر کر حضرت مسیحؑ نے معاشرے کے ستائے ہوئے لوگوں کی ڈھارس بندھائی' انہیں امید کی روشنی عطا کی' بدھ دستاویزات کے مطابق حضرت مسیحؑ نے اپنے سننے والوں کو جو تعلیم دی اس میں کہا گیا تھا:۔

"لازوال روح (اللہ تعالیٰ) ہر شخص کے حال سے اچھی طرح واقف ہے وہ پوری کائنات کی روح ہے جو اکیلی ہی تخلیق کرتی اور قائم رہتی ہے۔ وہ ذات اپنی مرضی کی خود ہی مالک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں ۔ اس عظیم خالق کے کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ تمام قوتوں کا (تنہا) ملک ہے۔ اس نے خواہش ظاہر کی اور دنیا عالم وجود میں آ گئی۔ اس نے پانیوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا اور پھر انہیں زمین کے خشک حصوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ وہی انسانوں کی عجیب و غریب زندگی کا منبع ہے اس نے زمین کو' پانی کو' درندوں کو اور ہر اس چیز کو جسے اس نے پیدا کیا انسان کے تابع کر دیا۔ وہ خود لازوال حالت میں موجود ہے مگر ہر چیز کے لئے ایک مدت مقرر کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کا غصہ جلدی انسانوں کو پکڑ لیتا ہے کیونکہ انسان اپنے خالق کو بھول جاتا ہے اور اپنے پیدا کردہ خیالی تصورات کے تحت اپنے مندروں کو بتوں سے بھر لیتا ہے اور مخلوقات کے ایک انبوہ کی عبادت کرتا ہے اور انہیں خدا تعالیٰ کا نائب قرار دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے اس لئے بھی ناراض ہے کہ انہوں نے بتوں اور دھاتوں کو عزت و احترام دینا شروع کر دیا ہے اور وہ نسل انسانی کی قربانی دیتے ہیں جس میں وہ خود بستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے اس لئے بھی ناراض ہے کہ انہوں نے اپنے ہی بھائیوں کو روحانی اور جسمانی سکون سے محروم کر رکھا ہے' لیکن وہ خود ہی سکون سے محروم ہو جائیں گے (آخر کار) برہمن اور کھشتری اچھوت بن جائیں گے اور (جنہیں آج اچھوت سمجھا جاتا ہے) ان کے ساتھ وہ ابدی روح (اللہ تعالیٰ) ہمیشہ رہے گی' قیامت کے دن شودر اور ویش معاف کر دیئے جائیں گے کیونکہ انہیں خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل ہی نہیں ہو سکی (یعنی انہیں معرفت الٰہی حاصل کرنے سے محروم رکھا گیا) اس کے برعکس ان لوگوں کو سخت سزا ملے گی جو خدائی حقوق کے خود مالک بن بیٹھے ہیں۔"

("The Unknow Life Christ", P - 148'151)

حضرت مسیحؑ کی اس تعلیم نے برہمنوں کے ستائے ہوئے شودروں اور ویشوں پر بہت اثر کیا اور انہوں نے حضرت مسیحؑ سے پوچھا کہ وہ کس طرح خدا کی عبادت کریں تاکہ آخرت کی نعمتوں سے محروم نہ ہو جائیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ بتوں کی پرستش نہ کرو کیونکہ وہ تمہاری بات نہیں سنتے' ویدوں کی طرف بھی توجہ نہ دو کیونکہ سچائی اور غیر سچائی کو ان میں گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔ کبھی اپنے آپ کو دوسروں سے افضل و بہتر بنا کر دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ اپنے ہمسائے کو دکھ نہ دو' غریبوں کی مدد کرو' کمزوروں کی حمایت کرو کسی کو بھی آزار نہ پہنچاؤ' ایسا وعدہ کبھی نہ کرو جسے ایفا نہ کر سکو۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ نے جو دستاویزات اپنے موقف کے حق میں دلائل کے طور پر پیش کی ہیں ان کے بارے میں یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ ان میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جو اقوال اور نصائح وغیرہ بیان کی گئی ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بدھوں کے لاماؤں نے خود ہی گھڑلی ہوں۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! یہ تعلیم صاف بتا رہی ہے کہ اسے کسی جعل ساز نے نہیں گھڑا ہے بلکہ خدا کے کسی نبی کے دل سے نکلی ہے' اس میں معرفت کے جو اسرار اور روحانیت کے جو رموز بیان کئے گئے ہیں اور جو اخلاقی درس دیا گیا ہے وہ حضرت مسیحؑ جیسے روحانی انسان اور خدا کے برگزیدہ نبی ہی کی زبان پر جاری ہو سکتا تھا۔ اگر یہ تعلیم گوتم بدھ کی ہوتی جو بلاشبہ خدا کے مقدس فرستادہ تھے تو بدھوں کے مذہبی رہنماؤں کو (جنہوں نے اسے قلم بند کیا) کیا ضرورت تھی کہ وہ اسے حضرت مسیحؑ سے منسوب کر دیتے جبکہ اس میں ان کا کوئی فائدہ بھی نہ تھا۔ ان کا فائدہ تو اس میں تھا کہ وہ اپنے روحانی پیشوا کی تعلیم کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے مگر وہ تو خود اعتراف کرتے ہیں کہ یہ تعلیم غیر ملکی "عیسیٰ" کی ہے جو ان کے عقیدے کے مطابق عظیم گوتم بدھ کا (روحانی) بیٹا اور اس کا اوتار تھا۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ ضرور ہندوستان آئے اور ان علاقوں میں تشریف لے گئے جن کا بدھ دستاویزات میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ان دستاویزات میں جو باریک در باریک تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ صاف بتا رہی ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی ان علاقوں میں تشریف آوری ناقابل تردید حقیقت ہے۔

منیر صاحب! جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا تھا کہ بدھ دستاویزات کی رو سے حضرت مسیحؑ نے برہمنوں اور کھشتریوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے شودروں اور ویشوں کی دل جوئی کی' انہیں سہارا دیا اور برہمنوں کی مذہبی اور سماجی اجارہ داری کو چیلنج کیا۔ یہ دیکھ کر گورے پروہتوں (بڑے پنڈتوں) اور فوجی افسروں (کھشتریوں) کو یہ خیال گزرا کہ حضرت مسیحؑ اچھوتوں اور ویشوں کو ان کے خلاف بھڑکا رہے ہیں چنانچہ انہوں نے آپؑ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے کارندے حضرت مسیحؑ کی تلاش میں روانہ کر دیئے' مگر اچھوتوں کو برہمنوں اور کھشتریوں کے اس منصوبے کا علم ہو گیا اور انہوں نے حضرت مسیحؑ کو اس سے آگاہ کر دیا چنانچہ آپؑ رات کی تاریکی میں جگناتھ پوری کو چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف چلے گئے' آگے چل کر اس دستاویز میں بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد جناب مسیحؑ نے نیپال کے پہاڑوں کو چھوڑ دیا اور مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔

(The Unknown Life Of Christ, P - 153)

گویا جگناتھ سے روانہ ہو کر حضرت مسیحؑ نیپال کے پہاڑوں میں مقیم ہوئے اور پھر وہاں سے دوسری منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب نیپال میں حضرت عیسیٰؑ کے دوران قیام کے بارے میں آپ نے کچھ نہیں بتایا کہ وہاں ان کی کیا سرگرمیاں رہیں۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! نیپال میں جناب مسیحؑ کی سرگرمیوں سے متعلق تفاصیل ابھی سامنے نہیں آئیں نہ ابھی تک یہ معلوم ہو سکا کہ آپؑ کی دوسری منزل کون سی تھی البتہ ایک حالیہ تاریخی دستاویز سے اس چونکا دینے والی حقیقت کا علم ہوا ہے کہ حضرت مسیحؑ لاہور سے بھی گزرے تھے اور کچھ مدت آپ نے اس تاریخی شہر میں بھی قیام فرمایا تھا جس کی تفصیل عرض کرتا ہوں۔ یہاں اس امر کی صراحت مناسب ہو گی کہ لاہور کو آج سے قریباً تین ہزار سال قبل راجندر جی کے بیٹے "لوہو" نے آباد کیا تھا ("خلاصۃ التواریخ" صفحہ ۶۴ مولفہ سبحان رائے بٹالوی' جی اینڈ سنز دہلی ۱۹۱۸ء)

مسیحؑ لاہور میں

بنارس ہندوؤں کا متبرک مقام ہے جہاں برصغیر کے کونے کونے سے لوگ یاترا کی

غرض سے جاتے تھے اس لئے اس شہر میں قیام کے دوران حضرت مسیحؑ کی ملاقات مختلف علاقوں کے لوگوں سے ہوئی ہو گی ان میں کشمیر' پنجاب اور موجودہ صوبہ سرحد کے لوگ بھی شامل ہوں گے چنانچہ تاریخ میں لاہور کے ایک برہمن "AJAININ" (یعنی اجے نند) کا نام آتا ہے جو بنارس کے دوران قیام حضرت مسیحؑ سے ملا تھا اور ان سے فیض حاصل کیا تھا پنڈت اجے نند کو حضرت مسیحؑ سے اتنی عقیدت ہو گئی کہ غالباً اس نے آپؑ کو اپنے وطن (لاہور) آنے کی دعوت دی۔ جب حضرت مسیحؑ نیپال سے روانہ ہوئے تو "بدھ لاما" کی دستاویز کی رو سے آپؑ نے مغرب کی طرف سفر کیا تھا اور سب جانتے ہیں کہ بنارس' اڑیسہ اور نیپال تینوں سے مغرب کی طرف لاہور واقع ہے۔ حال ہی میں ایک نئی تاریخی دستاویز منظر عام پر آئی ہے یہ ایک مسیحی مورخ مسٹر لیوی ڈولنگ (Levi Dowling) کی کتاب (The Aquarian Gospel) ہے۔ فاضل مورخ لیوی ڈولنگ کوئی معمولی تاریخ نویس نہیں تھا بلکہ بائبل کا بہت بڑا عالم بھی تھا۔ لیوی 1884ء میں امریکہ کے شہر بیلی ولی (Belle Ville) میں پیدا ہوا۔ وہ اسکاش خاندان کے وزیر کا بیٹا تھا۔ اس نے اوائل عمر ہی میں زندگی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ ابھی سولہ سال کا تھا کہ تبلیغ کا آغاز کیا اور 18 سال کی عمر میں ایک چھوٹے سے گرجا کا پادری مقرر ہوا۔ بیس سال کی عمر میں امریکی فوج میں بطور پادری شامل ہو گیا' اس کے بعد اس نے علم طب کا مطالعہ کیا اور تکمیل علم کے بعد چند سال بطور ڈاکٹر پریکٹس کرتا رہا۔ ابھی وہ نوجوان ہی تھا کہ اس نے خواب دیکھا کہ اسے سفید شہر (White City) تعمیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سفید شہر سے اس نے مراد یہ لی کہ وہ یسوعؑ کی مقدس زندگی کے واقعات اور حقیقی سرگزشت کو واضح کرے چنانچہ مورخ لیوی نے اس کام میں چالیس سال صرف کئے۔ اس نے یہ مدت تلاش و تحقیق کے علاوہ دعا اور عبادت میں گزاری۔ اس تلاش و تحقیق کے بعد اسے جو کچھ ملا وہ اس نے اپنی تحقیقی دستاویز "دی اکورین گاسپل" کی صورت میں پیش کر دیا۔ وہ صرف ایک دنیا دار محقق نہیں تھا بلکہ اپنے مذہب کا بڑا عالم اور کٹر مذہبی مفکر تھا دوسرے الفاظ میں "بنیاد پرست" تھا۔ ایسے کٹر مذہبی عالم اور مورخ کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دانستہ طور پر اپنے "خداوند" سے کوئی ایسی بات منسوب کرے گا جو اس کے مقدس رتبے سے گری ہوئی ہو گی اس پس منظر میں مورخ لیوی ڈولنگ کی اس تحقیق دستاویز کا مطالعہ کیجئے۔ دستاویز کی رو سے:۔

حضرت مسیحؑ نیپال سے مغرب کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں آپؑ کو تاجروں کا ایک قافلہ ملا جو تبت سے لاہور جا رہا تھا' اس قافلے میں بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے جو حضرت مسیحؑ سے تبت میں ملاقات کر چکے تھے اور وہاں آپؑ نے جو روحانی انقلاب برپا کیا تھا اس کا بھی مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس قافلے کے لوگوں کو بھی حضرت مسیحؑ نے تبلیغ کی۔ قافلے کے لوگ حضرت مسیحؑ سے ملاقات کر کے اور آپؑ کے نصائح سن کر بہت متاثر ہوئے۔ اس تاریخی دستاویز میں بتایا گیا ہے کہ جب قافلے کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ لاہور جا رہے ہیں اور ان کے پاس سواری نہیں ہے تو انہوں نے اعلیٰ نسل کا ایک اونٹ آپؑ کی نذر کیا' اس پر عمدہ عماری رکھی اور دوسرا ضروری سازوسامان دے کر اپنے ساتھ شریک سفر کر لیا اس طرح حضرت مسیحؑ اپنی زندگی کی طویل ترین مسافرت میں شاید پہلی بار ایک آرام دہ سواری پر بیٹھ کر عازم سفر ہوئے۔

حضرت مسیحؑ جب لاہور پہنچے تو "A Jainin" (اجے نند) نے بہت سے پروہتوں کی معیت میں آپؑ کا نہایت پرتپاک استقبال کیا اس طرح لاہور کی سرزمین کو خداوند تعالیٰ کے ایک عظیم پیغمبر کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ لاہور میں حضرت مسیحؑ جب تک مقیم رہے "اجے نند" ہی آپؑ کی میزبانی کا فرض ادا کرتا رہا۔ "اجے نند" کو حضرت مسیحؑ نے دین کے بہت سے اسرار و رموز سکھائے۔ آپؑ نے اسے بتایا کہ انسان کس طرح آگ' پانی اور زمین کے ماحول پر قابو پا سکتا ہے۔ جناب مسیحؑ نے "اجے نند" کو وہ روحانی طریقے تعلیم کئے جنہیں اختیار کر کے انسان میں اپنے دشمنوں کو معاف کر دینے کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ گناہوں کو دھو ڈالتا ہے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت مسیحؑ "اجے نند" کے ساتھ ایک مندر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ڈیوڑھی کے پاس سے ایک طائفہ گزرا' یہ لوگ کھیل تماشے کر کے اور گا بجا کر اپنی روزی کماتے تھے۔ گانے والوں کا یہ طائفہ مندر کے پاس پہنچ کر رک گیا اور اپنے فن کا مظاہرہ کرنے لگا۔ حضرت مسیحؑ نے اجے نند کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ گانا جو آج تم نے سنا ہے ان خام کار لڑکوں کی اپنی تخلیق نہیں اور نہ اسے ان کی غیر معمولی ذہانت کا شاہکار کہنا درست ہو گا اگر یہ ہزار سال بھی مشق کرتے رہتے تو بھی ساز و آواز میں یہ کمال حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ فرمایا "یاد رکھو تمام چیزیں قانون قدرت کے تسلسل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ آج سے دس ہزار سال قبل انسان نے پرندوں کی مدھر آوازیں سنی تھیں یہ اس کی پہلی

درسگاہ تھی یہیں سے اس نے نغمہ و موسیقی کا شعور حاصل کیا۔" اس کے بعد دستاویز میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے ان کے گانے کی تعریف کی اور پھر انہیں بھی تبلیغ فرمائی۔

لاہور کے دوران قیام حضرت مسیحؑ نے بہت سے بیماروں کو صحتیاب کیا اور اہل لاہور کو قیمتی نصائح فرمائیں دستاویز کی رو سے "لاہور کے عوام الناس کو اپنے پیغام کی تبلیغ کی"۔ آپؑ نے نصیحت فرمائی کہ اگر تم اپنی زندگی میں کوئی بہتر نتیجہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ایک دوسرے کی مدد کرو۔ آپؑ نے فرمایا کہ ہم اس لئے امیر نہیں کہ ہمارے پاس بے حساب دولت ہے بلکہ ہماری اصل دولت تو وہی ہوتی ہے جو ہم دوسروں میں بانٹ دیتے ہیں بس وہی ہمارے حساب میں درج ہو گی۔ فرمایا کہ اگر تم مکمل' بھرپور اور مثالی زندگی گزارنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو نوع انسانی کی خدمت کے لئے وقف کر دو اور اپنی زندگی اس طرح گزارو جیسے کمتر طبقے کے لوگ گزارتے ہیں یعنی غربا و مساکین۔

حضرت مسیحؑ نے لاہور میں بہت طویل مدت نہیں گزاری بلکہ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد اپنے میزبان اور عقیدت مندوں کو خدا حافظ کہا اور اپنے اونٹ پر سوار ہو کر عازم سفر ہو گئے۔ (حوالے کے لئے کتاب :۔ ا۔)

حضرت مسیحؑ کا ہندوستان یا پنجاب آنا کوئی ایسا واقعہ نہیں جو صرف مورخ لیوی ڈاؤلنگ نے بیان کیا ہو یا کسی کتاب میں پہلی بار درج ہوا ہو بلکہ اس سے پہلے روسی سیاح اور مسیحی دانشور نکولس نوٹووچ بھی حضرت مسیحؑ کے سفر ہند کی نشاندہی کر چکے ہیں جو ۱۸۷۷ء میں تبت اور لداخ گئے تھے۔ انہوں نے "لاسہ" میں موجودہ بدھ لاماؤں کی یادداشتوں کے حوالے سے لکھا تھا کہ حضرت مسیحؑ سندھ کے راستے پانچ دریاؤں کی سرزمین میں داخل ہوئے تھے۔ اصل الفاظ یہ ہیں :

" And he Crossed The Country of the five rivers ____ "

"The Life of Saint Issa" Ch : of "the Unknown Life of Christ",

گویا مورخ لیوی ڈاؤلنگ نے جو تحقیق پیش کی ہے اس کی ایک اور مستند ذریعے سے بھی

ا۔ "The Aquarian Gospel of Jesus - The Christ" By Levi Dowling Ch.37

PP 67 - 68 Seventh edition, 1920 Published by L.N Fowler and

Company, Ludgate Circus, London, E.C.4

تصدیق ہو گئی جس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ پنجاب تشریف لائے تھے۔

لاہور سے حضرت مسیحؑ کشمیر تشریف لے گئے جو آپؑ کی آخری منزل تھی۔ اپنی باقی زندگی آپؑ نے اسی جنت ارضی میں گزاری درج ذیل حقائق اس کی تائید کرتے ہیں۔

مسیحؑ کاشمیری

کچھ مدت قبل لندن سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی جس کے مصنف مسٹر او ایم برک (O.M.Burke) نامی مسیحی سیاح نے یہ انکشاف کیا کہ افغانستان کے صوبے ہرات میں ایک چھوٹا سا فرقہ ہے جو اپنے آپ کو "عیسیٰ ابن مریم ناصری کاشمیری" کا پیروکار کہتا ہے۔ یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم کے پیروکار ہونے کے باوجود خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور ہرات کے بہت سے دیہات میں ان کی آبادیاں ہیں مگر ان کا مرکز ہرات شہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ زمانہ قدیم میں مشرقی ایران کے یورپی مبلغوں کے زیر اثر عیسائی ہو گئے تھے لیکن جب عربوں نے افغانستان فتح کیا تو مسلمان ہو گئے مگر اپنے پہلے مذہب اور جناب مسیحؑ سے اپنی نسبت پر بھی زور دیتے رہے۔ ان لوگوں کے عقیدے کی رو سے حضرت مسیحؑ صلیب پر وفات پانے سے محفوظ رہے اور :۔

"صلیب سے اترنے کے بعد ان کے دوستوں نے انہیں چھپا لیا اور ہندوستان کی طرف نقل مکانی کرنے میں ان کی مدد کی۔"

("Among the Dervishes" By O.M. Burke (London 1973) P - 12)

یہ مسیحی مصنف (او' ایم' برک) لکھتا ہے کہ اس فرقے کے موجودہ پیشوا کا نام ابا یحییٰ ہے جو اپنے آپ کو حضرت مسیحؑ کی ساٹھویں پشت کا امیر فرقہ قرار دیتے ہیں ان کے پاس (بقول خود) حضرت مسیحؑ کی زندگی کے صحیح حالات محفوظ ہیں اور ایک کتاب بھی ہے جس کا نام "احادیث المسیح" ہے یہ ان کی مقدس کتاب ہے۔

("Among The Dervishes," P - 12)

ہرات میں آباد قدیمی عیسائیوں کے اس فرقے کی نشاندہی جس مغربی سیاح نے کی ہے وہ خود افغانستان گیا تھا اور اس وقت کے امیر فرقہ ابا یحییٰ سے ملاقات کر کے ان لوگوں کے عقائد معلوم کئے تھے۔ ان عقائد کی رو سے حضرت مسیحؑ صلیبی موت سے بچ نکلے تھے اور

اپنے دوستوں کی مدد سے ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ یہ فاضل سیاح اس حقیقت کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ ابا یحییٰ کے فرقہ والوں کا عقیدہ ہے کہ جناب مسیحؑ نے ہندوستان آکر اپنی زندگی کا بڑا حصہ کشمیر میں گزارا چنانچہ وہ کہتا ہے کہ :۔

"اس فرقے کے عقائد کے مطابق جناب مسیحؑ کنعان (فلسطین) سے ترک وطن کر کے اپنے دوستوں کی امداد سے ہندوستان چلے گئے اور وہاں کشمیر نامی علاقے میں سکونت اختیار کر لی۔ اس فرقے کے بانی جناب مسیحؑ کو :۔

"عیسیٰ ابن مریم ناصری کشمیری" ("AmongTheDervishes"P-12)

کے نام سے موسوم کرتے ہیں گویا یہ لوگ حضرت مسیحؑ کی دو نسبتوں کا دعویٰ کرتے ہیں اور انہیں درست تسلیم کرتے ہیں۔ ایک نسبت "ناصری" جو ان کے آبائی وطن "ناصرہ" سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری نسبت "کشمیری" جو حضرت مسیحؑ کے وطن ثانی "کشمیر" سے تعلق رکھتی ہے۔

منیر احمد :۔ پیام صاحب! یہ تو بڑا انکشاف ہے جو آپ نے کیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کشمیر آئے تھے اور وہاں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی اس پر ایک بڑا اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اتنے بڑے تاریخی واقعے کے لئے شہادت ایک مغربی مورخ کی آپ پیش کر رہے ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کشمیر آئے تھے اور انہوں نے یہاں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی تو اس کا ذکر کشمیر سے تعلق رکھنے والی زمانہ قدیم کی تواریخ میں تو ہونا چاہئے تھا؟

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! آپ کا اعتراض بہت وزنی ہے اور دل کو لگتا ہے لیکن آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ برصغیر کی قدیم ترین کتب میں حضرت مسیحؑ کی کشمیر میں آمد کا ذکر موجود ہے بلکہ ہمارے سب سے قدیم "مآخذ" یہی ہیں جن پر میرے دعوے کی دلیل قائم ہے۔ ان میں سے ایک تو سنسکرت زبان کی مشہور کتاب "بھوشیا مہا پران" ہے پنڈت "ستا" نامی ایک برہمن اس کا مصنف ہے اس کا زمانہ ء تصنیف ڈیڑھ ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم بتایا جاتا ہے لیکن بعد کے ہندو مورخین ہر عہد کے حالات اس میں درج کرتے رہے تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ Up to Date بنایا جا سکے یہاں تک کہ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد تک کے حالات اس میں درج کر دیئے گئے اس طرح اسے واقعات کا انسائیکلوپیڈیا بنا دیا گیا۔ مشہور مغربی مصنف "رابرٹ گریوز" جب اپنی کتاب "Jesus in Rome" لکھ رہے تھے تو انہیں اس کتاب کا علم ہوا مگر چونکہ وہ سنسکرت زبان نہیں جانتے تھے اس لئے انہوں نے ہندوستان کے شہرہ آفاق ہندو

اسکالر "پروفیسر ڈی۔ ڈی کوسامبی" (Prof. D.D.Kosambi) کو جو انگریزی اور سنسکرت دونوں زبانوں کے فاضل تھے لکھا کہ "بھوشیا مہا پران" نامی کتاب کے اس ورق کا انگریزی میں ترجمہ کر کے انہیں بھیج دیں جس میں حضرت مسیحؑ کی کشمیر میں آمد کا ذکر ہے۔ پروفیسر کوسامبی نے ترجمہ کر کے رابرٹ گریوز کو بھیج دیا جو انہوں نے اپنی کتاب میں من و عن شائع کر دیا۔

منیر صاحب! یہ اصل کتاب آپ کے سامنے ہے اس کا اردو ترجمہ جو میں نے کیا ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے آپ خود دیکھ لیں اور فیصلہ کر لیں کہ حقیقت کیا ہے۔ سنسکرت زبان کی اس کتاب (بھوشیا مہا پران) کے مطابق:۔

"ایک روز ساکا (قوم) کا سردار (راجہ) سالواہن کوہ ہمالہ کی بلند چوٹیوں کی طرف گیا جب وہ "ہُن" قوم کی سرزمین پر پہنچا (جسے کشان (Kushans) کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) تو اس طاقتور بادشاہ (سالواہن) نے ایک پاکباز شخص کو دیکھا جو سفید رنگ کا تھا اور سفید لباس میں ملبوس تھا۔ بادشاہ (سالواہن) نے اس سے دریافت کیا کہ "تم کون ہو؟" اس بزرگ نے جواب دیا کہ میں خدا کے بیٹے کے نام سے معروف ہوں جو ایک کنواری کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ میں ملچھ (یعنی غیر ہندوؤں) میں تبلیغ کرتا ہوں اور سچائی پر ثابت قدم ہوں۔ بادشاہ سالواہن نے اس سے مزید دریافت کیا کہ تمہارے مذہب کے کیا اصول ہیں۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ اے عظیم بادشاہ! جب سچائی کا خاتمہ ہو گیا اور غیر ہندوؤں (یعنی بنی اسرائیل) میں اخلاقی قدریں دم توڑ گئیں تو ان برائیوں کے تدارک کے لئے میں مسیحا بن کر آیا۔"

(Jesus in Rome, P - 76'77)

سنسکرت کی عبارت میں مصنفین نے حاشیہ آرائی بھی کی ہے۔ بعض جگہ ان کی نگاہ مطالب تک نہ پہنچ سکی اور انہوں نے اپنے ذاتی خیالات کی آمیزش کر کے ابہام پیدا کر دیا۔ ایسا ہی ایک مقام وہ ہے جہاں حضرت مسیحؑ کو "اعامسی" کے نام سے متعارف کروایا گیا مگر اس ورق کے فاضل مترجم پروفیسر ڈی ڈی کوسامبی نے ایک وضاحتی نوٹ لکھ کر آئینے کا سارا گرد و غبار صاف کر دیا۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:۔

"اس بیان کا انداز مذہبی داستانوں جیسا ہے اس میں جس شخصیت کو "اعامسی" کا نام دیا گیا ہے وہ دراصل واضح طور پر یسوع مسیحؑ ہی ہیں۔" (Jesus in Rome, P - 77)

گویا خود غیر متعصب مسیحی مورخوں، ہندو اور بدھ فاضلوں اور بہت سے مسلمان مورخوں

اور مذہبی دانشوروں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر ہلاک کرنے کی کوشش ضرور کی گئی مگر یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور حضرت مسیحؑ نہ صرف صلیبی موت سے محفوظ رہے بلکہ اپنے دوستوں اور عقیدتمندوں کی مدد سے ترک وطن کر کے بحفاظت دمشق پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں سے نصیبین، پھر مکہ معظمہ، وہاں سے بابل و نینوا سے ہوتے ہوئے آپؑ ایران تشریف لائے۔ ایران میں آپؑ کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ یہاں بھی آپؑ نے تبلیغ و ہدایت کا کام جاری رکھا۔ یہاں سے افغانستان اور افغانستان سے موجودہ پاکستان کے شہر ٹیکسلا ہوتے ہوئے جناب مسیحؑ ہندستان کے صوبہ اڑیسہ تشریف لے گئے۔ اڑیسہ اور اس کے بعد بنارس میں آپؑ نے قریباً چھ سال گذارے اور یہاں آباد بنی اسرائیل میں تبلیغ کی۔ برہمنوں اور کھشتریوں نے حضرت مسیحؑ کی شدید مخالفت کی کیونکہ آپؑ ویشوں اور شودروں کی حالت زار سے بہت متاثر ہوئے تھے اور ان پر شفقت فرماتے تھے حضرت مسیحؑ کا یہ طرز عمل اونچی ذات کے ان ہندوؤں کو ناگوار گزرا اور وہ آپؑ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ آخر آپؑ وہاں سے نیپال چلے گئے، نیپال سے تبت اور تبت سے لاہور تشریف لے گئے۔

حضرت مسیحؑ کی آخری منزل کشمیر تھی جہاں بنی اسرائیل کی سب سے بڑی تعداد آباد تھی۔ یہاں کے حکمراں راجہ سالواہن نے حضرت مسیحؑ سے سوال کیا کہ آپ کون ہیں اور آپ کا مذہب کیا ہے؟ سنسکرت کی قدیم ترین کتاب "بھوشیا مہا پران" کی رو سے آپؑ نے جواب دیا کہ "میں غیر ہندوؤں کے ملک سے آیا ہوں، ایک کنواری کے بطن سے پیدا ہوا ہوں اور سچائی کی تبلیغ کرتا ہوں"۔

یہ بہت غور کا مقام ہے۔ حضرت مسیحؑ کا یہ بیان سنسکرت کی ایک قدیم کتاب میں درج ہے۔ اگر جناب مسیحؑ کشمیر نہیں گئے اور وہاں کے حکمراں سے آپؑ کی گفتگو نہیں ہوئی تو صدیوں پرانے ایک غیر عیسائی مورخ کو یہ واقعہ اپنی کتاب میں درج کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں اس کا کیا مفاد تھا۔ یہ تو اس وقت کی بات ہے جب اسلام بھی دنیا میں نہیں آیا تھا اور نہ مسیحیت کو غلبہ حاصل ہوا تھا۔ پھر سنسکرت کے اس مورخ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ دنیا میں ایک شخص ایسا بھی گذرا ہے جو کنواری کے بطن سے پیدا ہوا تھا، ایک غیر ملک سے کشمیر آیا تھا، خود کو "مسیح" یا "مسیحا" کہتا تھا اور دعویٰ کرتا تھا کہ وہ راستی کا مبلغ ہے۔ اس سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیحؑ واقعۂ صلیب کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور کشمیر آپؑ

کی آخری منزل تھی۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! ایک سوال اور ہے۔ آخر حضرت عیسیٰؑ نے مشرقی ممالک (عراق ایران) اور برصغیر پاک و ہند، خصوصاً کشمیر ہی کو اپنے تبلیغی دوروں اور قیام کے لئے کیوں منتخب کیا؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! اگر آپ نے بنی اسرائیل کی تاریخ پڑھی ہے تو اس میں یہ حقائق بھی آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے کہ جب بنی اسرائیل راہ راست سے بھٹک گئے اور کفر و ضلالت میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دینے کے لئے ظالم بادشاہوں کو ان پر مسلط کر دیا جنہوں نے فلسطین پر بار بار حملے کئے، ان کے شہروں حتیٰ کہ یروشلم تک کو تاراج کیا اور بنی اسرائیل کے لاکھوں افراد کو قید کر کے اپنے ساتھ لے گئے یہ حملے مختلف اوقات میں ہوئے اس طرح بنی اسرائیل جلا وطن ہو کر عراق، ایران، افغانستان، ہندوستان اور تبت بلکہ چین تک منتشر ہو گئے ان ممالک میں ان کی بستیاں آباد ہو گئیں۔ برصغیر پاک و ہند کے بعض علاقوں میں بنی اسرائیل کے قبائل کی موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت خود "بائبل" فراہم کرتی ہے۔ یہ ایسی شہادت ہے جسے کوئی منصف مزاج شخص رد نہیں کر سکتا۔

اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ان علاقوں میں کم از کم دو ڈھائی ہزار سال قبل بھی بنی اسرائیل آباد تھے چنانچہ "عہد نامہء قدیم" میں ایک باب ہے "آستر" انگریزی زبان کی بائبل میں اسے "Esther" کا نام دیا گیا ہے۔ اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک بادشاہ اخسویرس (Xerxes) ایک سو ستائیس صوبوں پر حکومت کرتا تھا جس کی حدود سلطنت ہندوستان سے ایتھوپیا تک پھیلی ہوئی تھیں حوالے کے لئے دیکھئے:۔

(The Bible, James Moffatt) "Esther" (1/2)

اس کی سلطنت کے سب صوبوں میں (جن میں ہندوستان کا صوبہ بھی شامل تھا) اسرائیلی قوم آباد تھی۔ بادشاہ "اخسویرس" نے اپنے وزیر سلطنت ہامان بن اجاجی کے ورغلانے پر جو بنو اسرائیل کا جانی دشمن تھا ایک حکم جاری کر دیا کہ ان سارے اسرائیلیوں کو قتل کر دیا جائے جو اس کی مملکت میں آباد ہیں، لیکن اس کی ملکہ "استھر" نے جو اسرائیلی تھی اور بادشاہ کو بہت محبوب تھی اپنی قوم کو اس قتل عام سے بچا لیا اور بادشاہ سے کہہ کر ہندوستان سے لے کر ایتھوپیا تک ہر صوبے میں آباد ان تمام اسرائیلیوں کی حفاظت کے فرامین جاری کروائے۔

(جن میں ہندوستان میں آباد اسرائیلی بھی شامل تھے) (The Bible (Esther) (8/5-9))

سوال یہ ہے کہ بادشاہ "اخسویرس" اور اس کی اسرائیلی ملکہ "استھر" کے عہد حکومت میں ہندوستان کے وہ کون سے علاقے تھے جن میں بنی اسرائیل آباد تھے؟ تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہی قبائل ہیں جو خود کو افغان اور پٹھان کہتے ہیں اور ان میں کچھ وہ ہیں جو کشمیر میں آباد ہیں، کچھ برصغیر کے دوسرے علاقوں میں۔ اس انٹرویو میں تفاصیل کی گنجائش نہیں اس کے لئے میری کتاب "مسیح کا سفر زندگی" کا مطالعہ مفید ثابت ہو گا یہاں میں صرف ایک حوالہ پیش کرتا ہوں یہ حوالہ خوش حال خان خٹک کا ہے۔ پشتون زبان کا یہ مشہور شاعر اور نامور جرنیل بھی پٹھانوں کو بنی اسرائیل کی اولاد قرار دیتا اور آل یعقوبؑ ہونے پر فخر کرتا ہے بلکہ اپنے بنی اسرائیل اور آل یعقوبؑ میں ہونے کا ایک ثبوت بھی پیش کرتا ہے۔

اس کا شعر ہے۔

پہ خائست باند ختم وینا دا　　　چہ پہ اصل دیعقوبؑ والا تباردی

(کلیات خوش حال خان خٹک شائع کردہ پشتو اکیڈمی پشاور)

(ترجمہ:۔ (پختون عورتوں کی) خوبصورتی اس قول پر ختم ہے یعنی ان کے بارے میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ حضرت یعقوبؑ کی نسل سے تعلق رکھتی ہیں یعنی بنی اسرائیل میں سے ہیں)

منیر صاحب! کون نہیں جانتا کہ خوش حال خان خٹک بہت سخت پٹھان تھا نہایت شدت پسند جو ساری عمر مغلوں سے برسرپیکار رہا، جان دیدی مگر ان کے سامنے جھکا نہیں وہ بہت پڑھا لکھا اور فاضل شخص تھا آخر وہ کیوں پٹھانوں کو بنی اسرائیل قرار دینے پر اصرار کرتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ افغانستان اور صوبہ سرحد میں آباد پٹھان قبائل بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی کچھ شاخیں کشمیر میں بھی آباد تھیں۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ نے خوش حال خان خٹک کا جو حوالہ دیا ہے یعنی ان کے شعر کا حوالہ تو اس سے پٹھانوں کا تو بنی اسرائیل میں سے ہونا ثابت ہوتا ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو آپ کے دعوے کے مطابق اور بھی بہت سے علاقوں میں گئے تو کیا برصغیر کے دوسرے علاقوں میں بھی بنی اسرائیل آباد تھے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ جی منیر صاحب! تاریخ سے تو ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ صوبہ سرحد، علاقہ غیر اور کشمیر سے لے کر جنوبی ہند کے ساحلوں تک بنی اسرائیل آباد تھے۔ ابھی تھوڑی دیر قبل میں نے سنسکرت کی مشہور کتاب "بھوشیا مہا پران" کا ذکر کیا تھا جسے ہندوستان

کی قدیم ترین تاریخ بھی کہہ سکتے ہیں اور اس کا ایک اقتباس بھی پیش کیا تھا آپ کو حیرت ہو گی کہ اس کتاب میں بھی یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ ہندوستان ایک زمانے میں بنی اسرائیل سے بھرا ہوا تھا چنانچہ مشہور آریہ اہل قلم مہاشہ لکشمن نے اس کتاب کے مندرجات پر جو تبصرہ شائع کیا تھا اس میں کہا گیا تھا:۔

"بھوشیا مہا پران" کے بیان کے مطابق موسیٰ" کے پیرو (یعنی یہودی) ہندوستان کے مخصوص برہمنی علاقوں کے سوائے سارے جگت (ملک) میں پھیلے ہوئے ہیں (اصل الفاظ یہ ہیں)

"سرو سوتی ندی کے پوتر برہمن ورت کے ماسوا سارا جگت ملچھ اچاریہ موسیٰ کے پیرو کاروں سے بھرا پڑا ہے"۔ اس کتاب میں یہ بھی وضاحت موجود ہے کہ عیسیٰ مسیح" ہمالہ دیش میں آئے اور انہوں نے اپنے دین کی تبلیغ کی۔ (بھوشیا مہا پران پرتی سرگ پرب کھنڈا ادھیائے نمبر ۵ اشلوک نمبر ۳۰ بحوالہ بھوشیا پران کی الوچنا شائع کردہ آریہ لیکھک مہاشہ لکشمن)

گویا ہندوؤں کی اس قدیم ترین کتاب سے دو باتیں ثابت ہو گئیں ایک یہ کہ حضرت موسیٰ" کے پیرو (بنی اسرائیل) ہندوستان کے ایک مخصوص علاقے کو چھوڑ کر سارے ملک میں آباد تھے صرف آباد ہی نہیں تھے بلکہ "بھرے پڑے تھے" یعنی کثیر تعداد میں آباد تھے جنھیں حضرت مسیح" اپنی گم شدہ "بھیڑیں" (قبائل بنی اسرائیل) قرار دیتے ہیں اور جنھیں تلاش کرنے کے لئے جانے کا آپ" نے بار بار عندیہ دیا۔ دوسری حقیقت یہ ثابت ہوتی ہے کہ جناب مسیح" بنی اسرائیل کے قبائل کی تلاش اور انہیں تبلیغ کرنے کی غرض سے ہندوستان آئے اور جس علاقے میں آپ نے مستقل قیام کیا "بھوشیا مہاپران" نامی اس کتاب میں اسے "ہمالہ دیش" (ہمالیائی ریاست) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ کشمیر کوہ ہمالہ کے دامن میں واقع ہے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ نے اپنی جو تحقیق بیان کی ہے اس کے مطابق تو حضرت عیسیٰ نے بہت لمبی عمر پائی ہو گی پھر آپ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ" نے کشمیر میں رہائش اختیار کر لی تھی کیا یہاں سے وہ آسمان پر اٹھائے گئے یا یہاں ہی فوت ہوئے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ آسمان پر کوئی نہیں گیا' کسی کو نہیں اٹھایا گیا' سب نے زمین پر ہی زندگی گزاری اور یہیں فوت ہوئے ان میں حضرت مسیح" ناصری بھی شامل ہیں۔ کیونکہ آسمان پر زندگی گذارنا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد بلکہ قانون کے صریحاً" خلاف ہے کہ:۔

"فیھا تحیون و فیھا تموتون و منھا تخرجون" (الاعراف آیت ۲۵)

(یعنی تم اسی (زمین) پر زندگی گزارو گے' یہیں تم پر موت آئے گی اور یہیں سے تم (قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے)۔

اس آیت مبارکہ میں انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت اور قیامت کے دن دوبارہ جی اٹھنے تک کے سارے مراحل بیان کر دیئے گئے اور قانون بنا دیا گیا کہ یہ سارے مراحل اسی زمین پر گذریں گے دنیا کا کوئی انسان ان میں سے کوئی مرحلہ آسمان پر نہیں گذارے گا۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ کچھ ایسی ہستیاں بھی ہیں (یعنی حضرت ادریس"، حضرت الیاس" اور حضرت مسیح") جو ہزاروں سال آسمان پر زندگی گذاریں گے۔ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مسیح" دو ہزار سال سے آسمان پر زندگی گذار رہے ہیں وہ قرآن کریم کی اس آیت کو جھٹلاتا ہے۔

منیر صاحب! اب میں آپ کے سوال کی طرف آتا ہوں جس کا تعلق حضرت مسیح" کی عمر سے ہے۔ آپ کا یہ فرمانا درست ہے کہ حضرت مسیح" نے بہت لمبی عمر پائی ہو گی۔ یقیناً انہوں نے بہت لمبی عمر پائی لیکن حضرت مسیح" کے سوانح نگاروں اور خود انجیل نے جناب مسیح" کی زندگی کے صرف دو ادوار کا ذکر کیا ایک ان کا بچپن اور ایک جوانی ان میں سے دو انجیل نویسوں نے اس کے بعد انہیں مار کر آسمان پر چڑھا دیا' لیکن ان ہی مسیحی علما اور دانشوروں میں کچھ ایسے فاضل محقق بھی تھے جن کے ذہن تعصب اور تنگ نظری سے پاک تھے اس لئے تلاش و تحقیق کے بعد جب ان پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ حضرت مسیح" نے طویل عمر پائی تو انہوں نے اپنی طبعی دیانت داری کی وجہ سے اس کا اظہار کرنے سے گریز نہیں کیا۔

مسیح" بڑھاپے تک زندہ رہے

ان فاضل مورخوں اور دانشوروں میں سے میں دو اصحاب کا حوالہ دینا چاہتا ہوں ایک ممتاز مسیحی روحانی پیشوا "بشپ اری نیوس" (Irenaus) جو دوسری صدی عیسوی کے بزرگ مسیحی عالم تھے اور دوسرے ڈاکٹر اڈولف ہارنیک (Dr. Adolf Harnaek) چنانچہ "بشپ اری نیوس" نے بہت صراحت سے لکھا:۔

"لارڈ (یسوع) نے زندگی کا ہر دور دیکھا' وہ شیر خواروں کے لئے شیر خواری کے دور سے گزرا' بچوں کے لئے اس نے بچپن کا دور دیکھا' نوجوانوں کو مثالی نمونہ دکھانے کے لئے وہ

نوجوانی کے دور سے گزرا اور انہیں پاکیزگی کی تعلیم دی عمر رسیدہ لوگوں کے درمیان اس نے ایک (عمر رسیدہ) ہادی اور مکمل انسان کی حیثیت سے زندگی گزاری' وہ راستی کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرتا رہا (گویا وہ ہر دور کے لوگوں کے لئے مکمل نمونہ تھا) یہاں تک کہ موت سے ہم کنار ہو گیا۔

(A.D.V.Hear II XXII-4 Documents of Christian Chourch of Bettenson P-30

دوسرا حوالہ ڈاکٹر اڈولف کا ہے جو تلاش و تحقیق اور غور و فکر کے بعد آخر یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو گئے کہ:۔

یسوع یقیناً فوت ہو گئے (ہوں گے) انہوں نے پیدائش سے بڑھاپے اور موت تک انسانی زندگی کا ہر دور دیکھا اور حالات کا مقابلہ کیا (ہو گا)۔

(Hinstory of Dogma By Dr. Adolf Harnack PP. 277 - 278)

گویا یہ دونوں فاضل محقق اور دانشور جو مسیحی تھے یہ واضح نظریہ رکھتے تھے کہ حضرت مسیح" نے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی کے سارے دور دیکھے اور پھر موت سے ہمکنار ہو گئے۔ ان میں سے ایک مسیحی بزرگ "بشپ اری نیوس" تو حضرت مسیح" کی وفات کے قریباً ستر اسی سال کے بعد گذرے ہیں جو بہت متقی اور پارسا عالم اور دانشور تھے۔ ان کے اس نظریے کی ٹھوس بنیاد ہے یہ بنیاد عقلی ہونے کے علاوہ دینی بھی ہے ورنہ دین کا سارا نظام تہہ و بالا اور برباد ہو جائے۔ پیغمبر انسانی زندگی کے ہر دور کے لئے مکمل نمونہ لے کر آتا ہے۔ اگر وہ صرف ایک یا دو ادوار کے لئے نمونہ دے کر دنیا سے چلا جائے تو گویا اس کا مشن نامکمل رہا' اگر حضرت مسیح" جوانی میں دنیا سے چلے گئے تو ان کی قوم کے لوگ صرف بچپن اور جوانی کے بارے میں ان سے رہنمائی حاصل کر سکے انہیں کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ ادھیڑ عمر اور بڑھاپے میں کس طرح زندگی گزارنی چاہئے کیونکہ ان کا پیغمبر اس کا عملی نمونہ دکھائے بغیر ہی آسمان پر جا بیٹھا اور انہیں تاریکی میں ٹاک ٹوئیے مارنے کے لئے چھوڑ گیا۔ اگر ایسا ہوا تو وہ حقِ پیغمبری ادا کرنے میں ناکام رہا۔ اگر غور کیا جائے تو اس کی زد تو خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بے عیب پر پڑتی ہے پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح" کو ان کی قوم کے لئے مکمل نمونہ بنا کر بھیجا۔ آپ" نے بچوں' نوجوانوں پختہ عمر اور بوڑھوں یعنی ہر عمر کے لوگوں کے لئے زندگی گزارنے کا عملی نمونہ پیش کیا۔ یہی وہ

حقیقت ہے جو بہت سے مسیحی مورخ اور دانشور بھی اب بلا جھجک بیان کر رہے ہیں۔ اس طرح قرآن حکیم کے اس ارشاد عظیم کی تائید و تصدیق ہو رہی ہے کہ:۔

ویکلم الناس فی المھد و کھلا الخ ○ (آل عمران آیت نمبر۴۶)

یعنی وہ (مسیح") جھولے (کم سنی) اور بڑھاپے (یا ادھیڑ عمر میں) بھی کلام کرے گا۔ گویا حضرت مسیح" نے مہد (کم سنی کی عمر) سے لے کر کہل (ادھیڑ عمر یا بڑھاپے) کی عمر تک کلام کر کے بتا دیا کہ آپ" نے زندگی کا ہر دور دیکھا اور ہر دور کے لئے آپ" نمونہ لے کر آئے تھے۔ قرآن حکیم کے مندرجہ بالا ارشاد میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن اگر وہ ۳۳ سال کی عمر میں فوت ہو گئے یا آسمان پر جا بیٹھے تو کہل (ادھیڑ عمر) میں تو کلام نہ کر سکے۔

مسیحؑ کی اہلی زندگی

منیر احمد:۔ پیام صاحب! یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ" بڑھاپے تک زندہ رہے تو انہوں نے شادی بھی کی ہو گی کیونکہ شادی تو پیغمبروں کی سنت ہے اس بارے میں آپ کچھ کہیں گے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ جی منیر صاحب! اس بارے میں بھی اپنی ناچیز تحقیق بیان کروں گا۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح" کنوارے ہونے کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اگر یہ درست ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت مسیح" کی قوم اپنے نبی سے اہلی زندگی کا کوئی نمونہ حاصل نہ کر سکی اور اسے معلوم نہ ہو سکا کہ انسان کو ایک اچھا شوہر اور اچھا باپ بننے کے لئے کس طرح زندگی گزارنی چاہئے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے یہ مضحکہ خیز موقف اختیار کیا گیا کہ جناب مسیح" اپنی دوسری زندگی (بعثت ثانی) میں شادی کریں گے اور ان کے اولاد ہو گی لیکن اصل اعتراض تو پھر بھی قائم رہا بفرض محال اگر جناب مسیح" کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تو ان کی دوسری بعثت کب ہو گی یعنی کب آسمان سے نازل ہوں گے۔ اس درمیانی مدت میں جو کروڑوں مسیحی پیدا ہو کر فوت ہو گئے وہ تو اپنے نبی سے اہلی زندگی کا کوئی نمونہ حاصل نہیں کر سکے۔ جہاں تک دوسری بعثت کا تعلق ہے تو یہ دیو مالائی داستان تو اب ایک بے سروپا کہانی بن چکی ہے۔ جب حضرت مسیح"

آسمان پر گئے ہی نہیں تو واپس کہاں سے آئیں گے۔ ان غلطی خوردہ لوگوں کو "دوسری زندگی" (بعثت ثانی) کے الفاظ نے مغالطے میں ڈال دیا۔ دراصل یہاں بعثت ثانی سے مراد واقعہ صلیب کے بعد کی زندگی ہے کیونکہ یہ ایک نئی زندگی تھی جو حضرت مسیحؑ کو عطا کی گئی اب میں اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل بیان کرتا ہوں۔

انجیل اور تاریخ دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مریم مگدلینی نام کی ایک خاتون حضرت مسیحؑ کے بہت قریب تھیں جب آپؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا اس وقت بھی وہ موجود تھیں پھر جب آپؑ کو عارضی قبر میں رکھا گیا اس وقت بھی وہ حسرت بھری نظروں سے یہ دلدوز منظر دیکھ رہی تھیں۔ "سبت" گذرنے کے بعد جو خاتون سب سے پہلے حضرت مسیحؑ کی قبر پر پہنچیں وہ یہی مریم مگدلینی تھیں۔ جناب مسیحؑ کے ایک ہم عصر سوانح نگار نے لکھا ہے

کہ حضرت مسیحؑ کے ایک دوست جنابِ "لعزر" (Lazarus) کی ہمشیرہ جن کا نام مریم تھا حضرت مسیحؑ کی طرف رغبت رکھتی تھیں اور جناب مسیحؑ بھی کہ ابھی منصبِ نبوت پر فائز نہیں ہوئے تھے اس نیک اور پاکیزہ کردار خاتون سے شادی کرنے کے خواہش مند تھے مگر "اسینی" فرقے کے بزرگوں نے جس سے حضرت مسیحؑ بھی وابستہ تھے دونوں کو شادی کرنے سے روک دیا تھا کیونکہ حضرت مسیحؑ تبلیغ و تلقین کا جو کام (نبوت سے قبل) کر رہے تھے شادی اس میں حارج ہو رہی تھی انہیں قریہ قریہ اور شہر شہر سفر کرنا پڑتا تھا وہ بھی پیدل' ان حالات میں بیوی بچوں کو ساتھ رکھنا ممکن نہیں تھا اس لئے حضرت مسیحؑ نے ایک صاحب کردار اور باعظمت انسان کی طرح اپنے جذبات پر قابو پایا اور مریم سے شادی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ (The Crucicixion By An Eye Witness P - 53)

منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد ایک دور ایسا آیا جب آپؑ نے شادی کی اور بعض روایات کے مطابق مریم مگدلینی آپؑ کی رفیقہ حیات بنیں۔ واقعہ صلیب کے بعد جب آپؑ ترکِ وطن کر کے مشرق کی طرف روانہ ہوئے تو مریم مگدلینی آپؑ کے ساتھ تھیں مگر موجودہ پاکستان کے مقام "مری" کے قریب پہنچ کر ان کا انتقال ہو گیا۔ (بعض مورخوں نے غلطی سے مریم مگدلینی کو حضرت مریمؑ سمجھ لیا۔)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اب تو مغرب کے بہت سے مسیحی دانشور بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی شادی ہو چکی تھی اور واقعہ صلیب کے بعد ان کی بیوی ان کے

ہمراہ فلسطین سے ہجرت کر گئی تھیں چنانچہ چند سال قبل لندن کے ممتاز جریدے "ٹائمز" نے ایک فکر انگیز اور حقیقت افروز تحریر شائع کی تھی۔ صاحب تحریر مسیحی دانشور ہیں موصوف لکھتے ہیں کہ:۔

"کٹر مسیحی خیال کا کوئی شخص تو اس نظریے کو درست تسلیم نہیں کرے گا جو فلپ کی انجیل میں بیان کیا گیا ہے کہ مریم مگدلینی حضرت مسیحؑ کی شریک حیات تھیں مگر یہ تو ظاہر ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد دو خواتین حضرت مسیحؑ کے ساتھ شریک سفر رہیں (اور دونوں کے نام مریم تھے) ان میں سے ایک مریم جناب مسیحؑ کی والدہ تھیں اور دوسری مریم کے بارے میں غالب خیال یہ ہے کہ وہ حضرت مسیحؑ کی رفیقہ حیات مریم (مگدلینی) تھیں۔

("ٹائمز" لندن ۸ مارچ ۱۹۷۳)

ایک قدیم فارسی کتاب "نگارستان کشمیر" کی روایت کے مطابق حضرت مسیحؑ نے ایک شادی کشمیر میں کی تھی چنانچہ مصنف کتاب لکھتا ہے کہ کشمیر کے راجہ نے جو حضرت مسیحؑ کا بہت قدر دان تھا ایک روز آپؑ سے عرض کیا کہ آپؑ تنہا زندگی گذار رہے ہیں آپؑ کی خدمت کے لئے ایک عورت ضرور آپؑ کے پاس ہونی چاہئے اس نے کچھ عورتیں منتخب کر کے جناب مسیحؑ کو پیش کیں مگر آپؑ نے بہت بے پروائی سے جواب دیا کہ مجھے کسی عورت کی ضرورت نہیں اور نہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ کسی عورت کو زبردستی میری خدمت پر مجبور کیا جائے لیکن راجہ مسلسل اصرار کرتا رہا آخر آپؑ نے ایک عورت (اس کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد) قبول کر لی تاکہ وہ آپؑ کا کھانا پکا دیا کرے۔ کپڑے دھو دیا کرے اور گھر کا خیال رکھے۔ اس عورت کا نام "مرجان" تھا یہ وادی پہلگام کی (اسرائیلی) لڑکی تھی۔ حضرت مسیحؑ نے اس سے نکاح کر لیا اس کے بطن سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

("Nigaristan - e - Kashmir" Noted From Jesus Died in Kashmir"

by Anders Faber Kaiser P, 90)

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ نے جو تحقیق پیش کی ہے اس سے تو یہی تاثر ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کشمیر میں طویل مدت گذاری تھی۔ میرا سوال یہ ہے کہ اس دوران میں آپ کی کیا سرگرمیاں رہیں۔

پیام شاہجہانپوری :- منیر صاحب! کشمیر میں حضرت مسیحؑ کی سرگرمیوں کا مکمل ریکارڈ تو موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ خدا کے نبی تھے اور خاص طور پر بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اس لئے کشمیر میں آباد لاکھوں بنی اسرائیلیوں میں تبلیغ کی ہو گی اور ان کی اخلاقی و روحانی اصلاح کا فریضہ ادا کیا ہو گا چنانچہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر میں آباد یہودیوں کی خاصی بڑی تعداد انؑ پر ایمان لے آئی تھی۔

جنابِ مسیحؑ کا کشمیر پر اقتدار

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کی شخصیت سے متاثر ہو کر کشمیر کا فرماں روا آپؑ کی بہت عزت کرتا اور نہایت تکریم سے پیش آتا تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد جب حاکم ریاست رخصت ہونے لگا تو اس نے جنابِ مسیحؑ کو سلام کیا۔ میں یہ تاریخی صداقت بھی پیش کر چکا ہوں کہ ریاست کے فرماں روا نے جب ایران سے سلیمان نامی اسرائیلی انجینئر کو بلوا کر "تخت سلیمان" کی مرمت پر مامور کیا تو ریاست کے ہندوؤں نے اعتراض کیا کہ سلیمان غیر مذہب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس سے تخت سلیمان کی مرمت نہ کروائی جائے اس پر حاکم ریاست نے یہ معاملہ بغرض فیصلہ حضرت مسیحؑ کی خدمت میں پیش کیا اور جب انہوں نے فیصلہ دیا کہ تخت سلیمان کی مرمت سلیمان انجینئر ہی سے کروائی جائے تو حاکم ریاست نے یہ فیصلہ قبول کر لیا' اس کا پورا احترام کیا اور حکم دیا کہ سلیمان اسرائیلی ہی اس عمارت کی مرمت کرے۔ (Jesus in Rome, P - 75)

اس طرح حضرت مسیحؑ کو ریاست میں امتیازی مقام حاصل ہو گیا' آپؑ کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا مگر اس ہردلعزیزی اور عزت و وجاہت نے آپؑ کے مخالفوں کا ایک گروہ بھی پیدا کر دیا' یہ کشمیر کے علمائے یہود تھے جو دین موسوی ترک کر کے بت پرستی اختیار کر چکے تھے۔ یہ لوگ حضرت مسیحؑ کے سخت دشمن ہو گئے کیونکہ دنیا کے تمام انبیاء کی طرح جنابِ مسیحؑ بھی بندگانِ خدا کو خدائے واحد کی پرستش و عبادت کی تعلیم دیتے تھے۔ کشمیر کے یہ مذہبی اجارہ دار محسوس کر رہے تھے کہ اس نووارد نبی کی تعلیم ان کا مذہبی و سماجی اقتدار خاک میں ملا دے گی چنانچہ انہوں نے کشمیر کے حکمران سے آپؑ کی شکایتیں کرنی شروع کیں۔ آخر ایک روز ریاست کا فرماں روا حضرت مسیحؑ کے پاس آیا اور

آپؑ کی تعلیم کے بارے میں کچھ سوالات کئے۔ آپؑ کے جوابات اتنے معقول اور تسلی بخش تھے کہ حاکم وقت نے آپؑ کے مخالفوں کو دھتکار دیا۔

عجیب بات ہے کہ ہمیں یہ اطلاع بھی "جی زز ان روم" نامی کتاب کے فاضل مصنف ہی دیتے ہیں کہ :-

"راجہ نے وہاں کے بے دین مذہبی رہنما کو اس کے عہدے سے برطرف کر دیا اور اس کی جگہ حضرت مسیحؑ کو گمراہوں کی اس مظلوم سرزمین پر نیا سربراہ مقرر کر دیا۔

(Jesus in Rome, p - 77)

اس طرح کشمیر کی وادی کے مذہبی و سماجی امور کا انتظام و انصرام حضرت مسیحؑ کے پاس آ گیا اور اب ایک حد تک اقتدار کے مالک وہی تھے۔ یوں اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہو گیا جو اس نے حضرت مریمؑ سے اس وقت کیا تھا جب انہیں ایک پاک بیٹے کی بشارت دی تھی اور یوں فرمایا تھا کہ :-

وجیھا فی الدنیا والاخرۃ (آل عمران آیت نمبر ۴۵)

(یعنی وہ (عیسیٰؑ) دنیا اور آخرت (دونوں) میں صاحب وجاہت ہو گا صاحب منزلت ہو گا اسے عزت و تکریم عطا کی جائے گی۔)

پس حضرت مسیحؑ کو وادی کشمیر میں جو عزت و اقتدار حاصل ہوا وہ اسی لئے تھا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ آپؑ نے محض کس مپرسی اور مسکینی کی زندگی گزار کر اس جہان سے رخت سفر نہیں باندھا بلکہ کس مپرسی اور مسکینی کی زندگی کے بعد آپؑ پر ایک ایسا دور بھی آیا جب بادشاہ آپؑ کی عزت کرتے تھے اور ایک پورے ملک (کشمیر) پر آپؑ کا حکم چلتا تھا۔ اب یہ عقدہ کھلا کہ آپؑ کو "شہزادہ نبی" کیوں کہا جاتا تھا۔

مسیحؑ کے آخری لمحات

منیر احمد :- پیام صاحب! آپ نے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے سارے ادوار کو Trace کر دیا اور آپ کی تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰؑ آخری عمر میں کشمیر میں مقیم ہو گئے تھے براہ کرم ان کی وفات کے بارے میں بھی کچھ تفصیلات بتائیے۔

پیام شاہجہانپوری :- جی منیر صاحب! بڑے بڑے نامور مورخوں کی تحقیق کے مطابق حضرت مسیحؑ کی آخری زندگی آرام و سکون سے گزری' سری نگر (کشمیر) کے محلہ

حضرت مسیحؑ کے مقبرے (واقع سری نگر) کا بیرونی منظر

حضرت مسیحؑ کی قبر کا بالائی نشان۔ اصل قبر اس کے نیچے تہہ خانے میں ہے۔

خانیار میں آپؑ نے مستقل سکونت اختیار کر لی' یہیں آپؑ بیمار ہوئے' جب آپؑ کا آخری وقت آیا تو آپؑ کے خادم خاص اور محبوب حواری جنہیں بعض موٴخین نے "توما" بعض نے ابابد (AbaBid) اور بعض نے "ابابیل" کا نام دیا ہے آپؑ کے پاس موجود تھے۔ یہ وہی حواری ہیں جو سفر و حضر میں آپؑ کے ساتھ رہے تھے۔ انتقال سے پہلے حضرت مسیحؑ نے اس شاگرد کو کچھ نصائح فرمائیں۔ آپؑ کی زندگی کے آخری چند الفاظ جو تاریخ نے ریکارڈ کر لئے یہ تھے:

"میں نے ان لوگوں کو اکٹھا کر دیا ہے جو بکھرے ہوئے تھے (یعنی بنی اسرائیل) اور جن کی طرف میں (نبی بنا کر) بھیجا گیا تھا۔ یہ سچے عقیدے کے لوگ ہیں۔ دنیا سے میرے رخصت ہونے کا وقت آگیا ہے اب میرے جسم اور روح کے درمیان مفارقت ہونے والی ہے۔ جو احکامات میں نے دیے ہیں ان پر عمل کرنا اور سچائی کا راستہ کبھی نہ چھوڑنا اس راستے پر خوش دلی کے ساتھ گامزن رہنا"۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنے شاگرد کو ہدایت فرمائی کہ میرے لئے تھوڑی سی جگہ ہموار کر دو' تب آپؑ اس جگہ پیر پھیلا کر لیٹ گئے' سر شمال کی طرف کر لیا اور چہرہ مشرق کی طرف اور چند لمحوں کے بعد اپنی جان' جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ط

("The Wisdon of Balahar - Aghristian Legend of the Buddaha,

By David Marshal Long (New York) P, 37)

حضرت مسیحؑ کی وصیت کے مطابق آپؑ کو اسی جگہ سپرد خاک کر دیا گیا جہاں آج بھی آپؑ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ جس پر "زیارت حضرت یوز آسف" کی تختی آویزاں ہے۔ بہت سے لوگ ہر روز ننگے پیر اس پر حاضری دیتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

کشمیر میں واقع "تخت سلیمان" نامی قدیم ترین عمارت جو زمانہ ء قدیم کے یہودیوں نے تعمیر کی تھی یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس خطے میں ہزاروں سال سے یہودی آباد تھے۔

کشمیر میں "مارتند" نامی مقام پر زمانہ ء قدیم کی یہودی عبادت گاہ کے کھنڈرات جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس علاقے میں مدت دراز سے یہودی آباد تھے جنہیں تبلیغ کرنے کی غرض سے حضرت مسیحؑ اس علاقے میں تشریف لائے تھے۔ ("جیمز لوڈ ان انڈیا" سے حاصل شدہ تصویر)

صحیفہ یوز آسف

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ کی تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعہ ء صلیب کے بعد ہجرت کر کے مشرقی ممالک کی طرف آ گئے تھے اور انہوں نے ہندوستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی میرا سوال یہ ہے کہ اس دوران ان پر وحی بھی نازل ہوئی ہو گی' وہ وحی کہاں ہے؟ انہوں نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو تعلیم بھی دی ہو گی جو ہندوستان میں آباد تھی وہ تعلیم کہاں ہے؟ کیونکہ انجیل میں تو اس کا ذکر ہی نہیں' انجیل میں تو صرف اس پیریڈ کا ذکر ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین میں مقیم تھے۔ آخر وہ خدا کے نبی تھے فلسطین سے ہجرت کرنے کے بعد بھی تو ان پر وحی نازل ہوئی ہو گی؟۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ کا سوال بہت معقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس سارے معاملے کا بہت باریک بینی سے جائزہ لیا ہے اور آپ نے ذہنِ رسا پایا ہے اب میں آپ کے سوال کا جواب عرض کرتا ہوں۔

حضرت عیسیٰؑ خدا کے رسول اور پیغمبر تھے آپؑ پر فلسطین میں بھی وحی نازل ہوتی تھی اور فلسطین سے ہجرت کرنے کے بعد بھی نازل ہوتی رہی۔ جس طرح آپؑ نے فلسطین میں آباد بنی اسرائیل کو تعلیم دی اسی طرح شام' عراق' ایران' افغانستان' اور ہندوستان وغیرہ ممالک میں آباد اسرائیلیوں کو بھی تعلیم دی۔ اس وحی اور تعلیم کا کچھ حصہ تو ضائع ہو گیا' کچھ محفوظ ہو گیا جو حصہ محفوظ ہو گیا اس میں بھی آمیزش اور تحریف کر دی گئی۔ جس طرح تورات اور انجیل تحریف سے محفوظ نہیں' ہیں اسی طرح حضرت مسیحؑ کی وہ تعلیمات بھی تحریف اور تغیر و تبدل سے محفوظ نہیں رہ سکیں جو ہجرتِ فلسطین کے بعد کے عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی یہ تعلیمات کچھ تو بدھ لاماؤں کی دستاویزات میں محفوظ ہیں جن میں سے بعض حصوں کا ترجمہ روس کے مشہور مسیحی سیاح اور عالم نکولس نوٹو وچ نے اپنی کتاب " THE UNKNOWN LIFE OF CHRIST "

میں پیش کیا ہے۔ حضرت مسیحؑ کی زندگی کے اس دور ثانی سے تعلق رکھنے والی تعلیمات کا ایک حصہ "صحیفہ ء یوز آسف" میں محفوظ ہے۔ اصل کتاب عبرانی میں تھی مگر افسوس کہ اسے غائب کر دیا گیا۔ اس کی داستان بھی بہت دردناک ہے۔ کچھ مدت قبل یعنی ۱۹۶۹ء میں لندن سے ایک بڑی معرکتہ الآرا کتاب شائع ہوئی جس کا نام ہے " THE CRUCIBLE OF CHRISTIANITY " موجودہ عہد کے ممتاز عالم تاریخ اور بہت بڑے دانشور مسٹر ٹائن بی نے اسے ایڈٹ کیا ہے اور اس پر بھرپور مقدمہ لکھا ہے۔ اس کتاب میں اس تلخ حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے کہ :

"دوسری صدی کے ایک بہت بڑے مسیحی عالم اور فلاسفر "مسٹر پنٹی نس" (MR PANTEUNUS) کو جو اسکندریہ کے مسیحی دارالعلوم کے سربراہ تھے معلوم ہوا کہ شمال مغربی ہندوستان میں ہیبرو زبان (عبرانی) میں انجیل کا ایک نسخہ موجود ہے چنانچہ اس مسیحی فاضل نے سفرِ دور و دراز اختیار کیا۔ ہندوستان پہنچ کر عبرانی زبان کی انجیل کا یہ نسخہ اسے مل گیا۔ وہ اسے اپنے ساتھ اسکندریہ لے گیا۔ مسیحی عالم یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مغربی دنیا اس انجیل سے قطعاً ناآشنا ہے"۔ ایک اور مسیحی عالم "مسٹر جے روم" (MR, JEROME) نے بھی جن کا زمانہ ۳۴۶ عیسوی اور ۴۲۰ عیسوی کے درمیان قرار دیا جاتا ہے اس واقعے کی تصدیق کی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق اسکندریہ یونیورسٹی کا یہ مسیحی سربراہ عبرانی زبان کی انجیل کا ایک نسخہ ہندوستان سے اسکندریہ لایا تھا لیکن اب وہ ناپید ہو چکا ہے۔ اغلب خیال ہے کہ اسے اس زمانے کے پادریوں نے ضائع کر دیا۔ (THE CRUCIBLE OF CHRISTIANITY)

صفحہ نمبر ۲۷۷ مرتبہ آرنلڈ ٹائن بی مطبوعہ لندن ۱۹۶۹ء)

پادریوں نے نہ صرف شمال مغربی ہندوستان سے دستیاب ہونے والی انجیل کا یہ نسخہ ضائع کر دیا بلکہ اس فاضل مسیحی پروفیسر کے ساتھ جو بے اعتنائی برتی اور اس کی تحریروں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا نتیجہ ہے کہ آج اس کی کسی کتاب کی ایک سطر بھی باقی نہیں۔ یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) اگر شمال مغربی ہندوستان میں عبرانی زبان کی یہ انجیل موجود نہیں تھی تو آج سے قریباً سترہ سو سال قبل جب ہزاروں میل کا سفر کرنا اپنی جان کو خطرات میں ڈالنے کے مترادف تھا' دوسری صدی عیسوی کے اس فاضل پروفیسر کو اس طویل اور انتہائی تکلیف دہ سفر کی تکالیف برداشت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) ہندوستان میں عبرانی زبان کی انجیل کا موجود ہونا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اس

زمانے میں شمال مغربی ہندوستان میں عبرانی زبان بولنے والے لوگ موجود تھے ورنہ انہوں نے یہ انجیل عبرانی میں کس طرح تحریر کی' انہی کے پاس حضرت مسیحؑ تشریف لائے تھے اور ان میں سے ایک کثیر تعداد نے انہیں قبول کر لیا تھا۔

(۳) یہ مصدقہ حقیقت ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں مغربی دنیا اس عبرانی انجیل سے قطعاً ناواقف تھی خود ٹائن بی کی مرتبہ کتاب میں جس کا ابھی حوالہ دیا گیا ہے اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ اہل مغرب عبرانی زبان کی اس انجیل سے قطعاً ناواقف تھے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ وہی انجیل تھی جو حضرت مسیحؑ پر فلسطین کے دورانِ قیام نازل ہوئی تھی' اس سے تو اہل مغرب کو بخوبی واقفیت تھی مگر مصنفِ کتاب تصدیق کرتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان سے حاصل ہونے والی انجیل سے اہل مغرب قطعاً ناآشنا تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیل اس انجیل سے مختلف تھی جو حضرت مسیحؑ پر فلسطین کے دوران قیام نازل ہوئی تھی۔

(۴) (CRUCIBLE OF CHRISTIANITY) کے مصنف کی تحقیق کے مطابق اور ایک اور مسیحی عالم مسٹر "جے روم" کی تائید و تصدیق کی رو سے اسکندریہ کے پادریوں نے اس انجیل کو ضائع کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ یہ انجیل تو مسیحیوں کے "خداوند" کے ارشادات کا مجموعہ تھا اسے تو آنکھوں میں جگہ دینی چاہئے تھی' اسے ہزاروں ہزار کی تعداد میں شائع کرنا چاہئے تھا اور یورپ اور ایشیا کا کوئی مسیحی گھر اس مقدس آسمانی صحیفے سے خالی اور محروم نہیں رہنا چاہئے تھا جبکہ اس مقدس انجیل کو اسکندریہ کے پادریوں نے ضائع کر دیا۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان سے دستیاب ہونے والی اس انجیل میں وہ حالات و واقعات درج تھے جو حضرت مسیحؑ کو ہندوستان میں پیش آئے تھے اور یہ انجیل ان تعلیمات سے آراستہ تھی جو آپؑ نے ہندوستان میں آباد یہودیوں کو دی تھی۔ چونکہ اس انجیل کی اشاعت سے پادریوں کا وہ عقیدہ پارہ پارہ ہو جاتا تھا جس کی رو سے حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہو گئے تھے اور تیسرے دن اپنی قبر میں جی اٹھے تھے اور پھر اوپر اٹھا لئے گئے تھے اس لئے اسکندریہ کے پادریوں نے اسے ضائع کر دیا البتہ اس کے کچھ حصوں کو سنسکرت زبان کے عالموں نے محفوظ کر لیا تھا' کچھ بدھ علما کی کتب میں محفوظ ہو گئے تھے۔ بعد میں سنسکرت زبان کے کسی عالم اور مصنف نے حضرت مسیحؑ کی اس انجیل کو مکالمات کے رنگ میں مرتب کیا جن میں بیشتر تعلیمات تو حضرت مسیحؑ کی ہیں اور کچھ دوسری داستانیں بھی اس میں شامل کر دی گئیں تھیں۔ اس طرح

بہت سے واقعات باہم خلط ملط ہو گئے لیکن جس طرح تورات اور انجیل میں تغیر و تبدل اور کمی بیشی کے باوجود ان مقدس کتابوں کی جو تعلیمات حقیقی اور راستی پر مبنی ہیں وہ بول اٹھتی ہیں کہ یہ خدا کے نبیوں کا کلام ہے اسی طرح اس انجیل کی وہ تعلیمات جو حضرت مسیحؑ کے ارشادات پر مبنی ہے پکار اٹھتی ہے کہ یہ خدا کے نبی کا کلام ہے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! اتنی اہم اور نادر دستاویز کے بارے میں جو شاید اس صدی میں پہلی بار دنیا سے روشناس ہو رہی ہے کیا آپ اس انٹرویو کے قارئین کو یہ بتانا پسند کریں گے کہ اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! اس دستاویز کی تاریخی حیثیت کے بارے میں اجمالاً تو میں عرض کر چکا ہوں اب تھوڑی سے تفصیل عرض کئے دیتا ہوں۔

کتاب کا اجمالی تعارف

دوسری صدی ہجری میں عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے زمانے میں سنسکرت کے اس نسخے سے عبداللہ ابن المقفع نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ دوسری رائے کے مطابق فارسی سے عربی میں ترجمہ ہوا۔ اس کا ایک عربی ایڈیشن بمبئی سے ۱۸۸۸۔ ۱۸۸۹ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ فاضل اسکالر یعنی کتاب کا عربی مترجم عبداللہ ابن المقفع خلیفہ ابو جعفر المنصور کے دربار سے وابستہ تھا۔ ہندوستان کے ایک فاضل سید عبدالغنی عظیم آبادی نے ۱۸۹۹ء میں اس کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جو حیدر آباد دکن سے شائع ہوا جس کا نام ہے "کتاب بوذاسف و بلوہر"۔ ظاہر ہے کہ "بوذ اسف" دراصل "یوز آسف" کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور کتاب کے نام میں "بلوہر" کا اضافہ عربی مترجم نے اپنی طرف سے کر دیا۔ اس عہد کے ایک اور سکالر اور محقق مولوی عزیز مرزا نے اس اردو ترجمے پر ایک مقدمہ لکھا۔ فاضل مقدمہ نگار کی تحقیق کے مطابق اندازہ کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب یوز آسف کے زمانے کے سو یا دو سو برس بعد مرتب کی گئی۔ اسلامی تاریخ اور لٹریچر کے مشہور عالم علامہ ابن ندیم کی کتاب "الفہرست" میں اس کا نام ان ہندی کتب میں شامل ہے جن کا ترجمہ خواہ براہ راست سنسکرت سے عربی میں ہوا یا سنسکرت سے قدیم فارسی اور فارسی سے عربی میں ہوا۔ اس عربی ترجمے کے علاوہ جو عبداللہ ابن المقفع سے منسوب ہے اس کے عربی زبان میں دو ترجمے اور بھی کیے گئے تھے۔

شیعہ مجتہدین میں کتاب کی مقبولیت

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ امر ہی کافی ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے شیعہ عالم اور مجتہد علامہ السعید الصادق (سعید ابی جعفر ابن بابویہ القمی) نے اسے اپنی کتاب "اکمال الدین" میں شامل کیا اور معلومات کی کمی اور کچھ حسن عقیدت کی بنا پر لکھ دیا کہ یہ کتاب حضرت امام حسینؓ کے فرزند علیؓ بن حسینؓ بن علیؓ (امام زین العابدینؓ) کے ارشادات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ درست نہیں کہ یہ کتاب حضرت امام زین العابدینؓ کی تالیف یا ان کے ارشادات پر مشتمل ہے لیکن اس سے اتنا تو ثابت ہو جاتا ہے کہ آج سے ایک ہزار سال قبل بھی یہ کتاب موجود تھی ورنہ علامہ السعید الصادق جو چوتھی صدی ہجری کے شیعہ عالم و مجتہد تھے اپنی کتاب "اکمال الدین" میں اس کے مضامین ہرگز شامل نہیں کر سکتے تھے۔

بزرگان دین میں کتاب کی مقبولیت

عربی ادب پر اس کتاب کا اتنا اثر ہوا اور اسلامی لٹریچر اس کتاب سے اتنا متاثر ہوا کہ روحانی اسرار و رموز کی کتابیں اس سے مالا مال ہو گئیں اور بڑے بڑے بزرگان دین نے اس کتاب کی عارفانہ حکایات کو اپنی تصانیف میں شامل کیا۔ مثال کے طور پر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی کتاب "عوارف المعارف" اور امام ابن عبدربہؒ اندلسی نے اپنی کتاب "عقد الفرید" میں اس کتاب کی بعض حکایات درج کی ہیں۔ ان کے علاوہ بعض صوفیا نے بھی اپنی تصانیف میں اس کتاب سے استفادہ کیا۔

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "احیا العلوم" میں مذکورہ کتاب کی اس تمثیل کو سبق آموز حکایت کے طور پر درج کیا ہے جس میں کسی شہزادے کا ایک مردہ عورت سے مجامعت کرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

کتاب کے دیگر تراجم

اس کتاب کو مشرق و مغرب دونوں اطراف میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور فارسی و عربی کے علاوہ عہد عباسیہ میں ہی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے شاہی طبیب یوحنا دمشقی نے جو مذہباً مسیحی تھا اس کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا۔ پھر حبشی، جارجین، ارمنی اور عبرانی زبانوں میں

اس کے ترجمے کیے گئے۔ ۱۷۱۲ء میں فلپائن کی زبان "ٹگالا" میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا۔ یونانی زبان میں اس کا ایک اور ترجمہ "سائی مون بیٹا فراسٹ" نے کیا۔ یہ فاضل مترجم ۱۱۵۰ء میں گزرا ہے یعنی آج سے قریباً نو سو سال قبل اس کا ترجمہ دوسری بار یونانی زبان میں ہوا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں ونسنٹ نامی ایک مسیحی مصنف نے جو شہر بووے کا رہنے والا تھا اس کتاب کو اپنی تصنیف "اسپکیولم ہسٹوریال" میں شامل کرلیا۔ ایک اور مسیحی مصنف "بس ڈی ڈورین" نے اس کتاب کو مختصر کرکے اپنی تالیف "گولڈن لیجنڈ" میں شامل کر لیا۔ بوہیمیا، پولینڈ اور آئس لینڈ کی زبانوں میں بھی اس کتاب کے ترجمے ہوئے حتیٰ کہ ناروے کے ایک بادشاہ نے ۱۲۰۴ء میں آئس لینڈ کی زبان میں خود اس کا ترجمہ کیا۔ اس طرح یورپ کی شاید ہی کوئی زبان باقی رہی ہو جس میں اس کتاب کا ترجمہ نہ ہوا ہو۔ اٹلی کے مشہور افسانہ نگار "بوکا چیو" نے اس کتاب کی حکایات کا اطالوی زبان میں ترجمہ کرکے انہیں اپنے افسانوں کی زینت بنایا۔ حتیٰ کہ شیکسپیئر اور ممتاز مصنف "جیسٹا رومانارم" نے بھی اپنے ڈراموں اور افسانوں میں اس کتاب کی حکایات و تمثیلات سے بہت کچھ استفادہ کیا (کتاب بوذاسف و بلوہر کا مقدمہ ص ۱۱تا۱۲)

ہمارے قریبی زمانے میں انگریزی زبان کے ممتاز اسکالر پروفیسر کے۔ ایس۔ میکڈانلڈ (K.S. MACDONALD) نے "دی اسٹوری آف بارلام اینڈ جوزافٹ" کے نام سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا اور اس پر ایک بھرپور مقدمہ بھی لکھا تھا۔ ان کا یہ انگریزی ترجمہ ۱۸۹۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔

کتاب کے کرداروں کے نام پر چرچ

مسیحی مصنفین اس کتاب سے اتنا متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسے اپنی مذہبی کتاب قرار دیدیا چونکہ وہ یہ عقیدہ اختیار کر چکے تھے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہوگئے تھے اور تیسرے دن زندہ ہوکر اوپر اٹھا لئے گئے جہاں وہ خدا تعالیٰ کے پاس بیٹھے ہیں اس لئے اس کتاب کو وہ حضرت مسیحؑ سے تو منسوب نہیں کر سکے یعنی اسے انجیل کا حصہ قرار نہیں دے سکے کیونکہ اس طرح ان کے عقیدے پر ضرب پڑتی تھی اور مسیحیت کی ساری عمارت دھڑام سے زمین پر آ رہتی اس لئے انہوں نے اس کتاب کے دو کرداروں یوز آسف اور بلوہر کو مسیحی اولیا قرار دیدیا اور انہیں مغربی نام دے کر "سنٹ جوزافٹ" اور "سنٹ بارلام" کے نام سے مسیحیوں میں

متعارف کروایا حتیٰ کہ ان دونوں ناموں یعنی سینٹ جوزافٹ (یوز آسف) اور سنٹ بارلام (بلوہر) کے نام سے یورپ کے مختلف ممالک میں گرجا تعمیر کئے گئے چنانچہ اٹلی کے شہر "پالرمو" میں سنٹ جوزافٹ (یوز آسف) کے نام سے ایک گرجا آج تک موجود ہے (ص ۱۱)

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی یہ انجیل (صحیفہ یوز آسف) ساری دنیا میں مقبول ہوئی۔ قدیم آسمانی کتابوں میں بائیبل کے بعد اتنی مقبولیت دنیا کی شاید ہی کسی کتاب کو نصیب ہوئی ہو۔ یہ امر بذات خود اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ صحیفہ یوز آسف یقیناً حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کا مجموعہ ہے جو سنسکرت سے فارسی اور فارسی سے عربی تک پہنچتے پہنچتے زبانوں کی مغائرت کی وجہ سے یوز آسف سے بوداسف بن گیا اور انگریزی میں یوڈاسف YEWDSEF اور JOSAPHAT۔ اگر غور کیا جائے تو اصل لفظ یوز آسف ہی تھا جس نے مختلف زبانوں میں جا کر مختلف شکلیں اختیار کرلیں جس طرح یسوع، مسیح، جیزز اور عیسیٰ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں اسی طرح بوداسف، یوز آسف، یوز اور جوزافٹ بھی ایک ہی شخصیت کے نام ہیں یعنی عیسیٰ مسیحؑ۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ کی اس طویل اور بھرپور تحقیق کے بعد ایک سوال ذہن میں یہ آتا ہے کہ کیا اس پر سب متفق ہیں کہ یہ صحیفہ حضرت عیسیٰؑ ہی پر نازل ہوا تھا یا انہی کی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ نہیں منیر صاحب! اس پر سب متفق نہیں ہیں سب تو کسی بات پر بھی متفق نہیں۔ میں حقائق پر پردہ ڈالنے کے حق میں نہیں ہوں اس لئے وضاحت کردوں کہ بعض لوگوں نے صحیفۂ یوز آسف کو "سوانح بودھ سف" قرار دیا ہے یعنی اسے مہاتما بدھ کی تعلیمات کا مجموعہ اور ان کی سوانح عمری بتایا ہے ان میں خود اس کتاب کے اردو مترجم مولوی سید عبدالغنی عظیم آبادی اور کتاب کے مقدمہ نگار مولوی محمد عزیز مرزا بھی شامل ہیں جنہوں نے کتاب کے ٹائی ٹل پیج پر غلط فہمی کی بنا پر لکھ دیا کہ "ہندوستان کے روشن دماغ پرہیزگار شخص گوتم بدھ کے حالات زندگی......" لیکن خود اس کتاب کی اندرونی شہادتیں ثابت کر دیتی ہیں کہ یہ صحیفہ گوتم بدھ کی سوانح عمری ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ حضرت مسیحؑ کی تعلیمات و ارشادات پر مشتمل ہے البتہ اس میں کچھ اقوال اور کچھ روایتیں گوتم بدھ سے متعلق بھی شامل کر دی گئی ہیں۔

بدھ اور مسیحؑ میں مماثلت

یہاں ایک امر کی وضاحت کردوں کہ مہاتما بدھ اور حضرت مسیحؑ کے حالات آپس میں اتنے ملتے جلتے ہیں کہ ایک پر دوسرے کا گمان ہوتا ہے مثلاً دونوں تعلیم دیتے ہیں کہ سر تا پا دنیاوی امور میں نہ ڈوب جاؤ بلکہ زیادہ خیال آخرت کا رکھو۔ دونوں اہنسا (عدم تشدد) کی تلقین کرتے ہیں۔ مسیحؑ ایک کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مغرب کے ایک ممتاز مصنف و مورخ مسٹر ریاس ڈیوڈس (RHYS DAVIDS) اپنی کتاب "BUDDHISM" میں لکھتے ہیں کہ گوتم بدھ بھی جس خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے وہ ان کی پیدائش کے وقت تک کنواری تھی۔ حضرت مسیحؑ کو شیطان نے ورغلانے کی کوشش کی (متی کی انجیل باب نمبر ۴ آیت نمبر ۱) گوتم بدھ کو بھی شیطان نے راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن جس طرح حضرت مسیحؑ شیطان پر غالب آگئے اسی طرح گوتم بدھ نے بھی شیطان کو مغلوب کرلیا اور پھر مقدس دریا میں نہا کر خود کو پاک کیا۔

("JESUS DIED IN KASHMIR" BY ANDREAS FABER - KAISER,

P-136, (LONDON)

جس طرح حضرت مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی تھی کہ تم کسی زاد راہ کے بغیر میرا پیغام پہنچانے کے لئے نکل کھڑے ہو اور قریہ قریہ شہر شہر جاؤ اسی طرح گوتم بدھ نے بھی اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ تم لوگ دو دو کی صورت میں کسی ساز و سامان کے بغیر نکل کھڑے ہو اور لوگوں کو میرا پیغام پہنچاؤ۔ دونوں کے پیرو کاروں اور مبلغوں کے لباس یعنی لمبے لمبے چوغے اور ہاتھوں میں لکڑی کے پیالے ایک دوسرے سے حیران کن حد تک مشابہت رکھتے تھے۔ حسن اتفاق سے حضرت مسیحؑ کو بھی ابتدا میں انہی علاقوں میں جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا جہاں گوتم بدھ پیدا ہوئے، مقیم ہوئے اور جن علاقوں میں انہوں نے تبلیغی سفر کئے مثلاً اڑیسہ، کپل وستو، بنارس، لداخ اور تبت۔ ان مقامات پر حضرت مسیحؑ اپنی زندگی کے جو نقوش چھوڑ گئے وہ بعد کے بدھ عالموں نے گوتم بدھ سے منسوب کردیئے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ ممتاز مصنف سر مونیر ولیمس (SIR MONIER WILLIMAS) نے اپنی مایہ ناز تصنیف میں لکھا ہے کہ بدھوں میں روایت ہے کہ مہاتما بدھ کا چھٹا مظہر، ایک شخص "یسا" نامی ہوگا (BUDDOHISM,-----P,45) ظاہر ہے کہ یسا (یساع)، یسوع ہی کی ایک صورت ہے اس لئے جب یسوع مسیحؑ ظاہر ہوئے اور ان کا ورود ہندوستان میں ہوا تو بدھوں نے ان کی تعلیم کے بعض حصوں کو گوتم بدھ کی تعلیم میں شامل کرلیا۔

ان حالات میں اگر حضرت مسیحؑ کی تعلیمات پر مہاتما بدھ کی تعلیمات کا گمان گزرنے لگے تو تعجب نہیں ہونا چاہئے مگر جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ خود صحیفہ یوز آسف کی اندرونی شہادتیں اس امر کی گواہی دیتی ہیں کہ یہ صحیفہ گوتم بدھ کی سوانح عمری ہرگز نہیں بلکہ دونوں کے زمانوں میں صدیوں کا فصل ہے۔

بدھ اور مسیحؑ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں

منیر احمد:۔ پیام صاحب! کیا کوئی ایسی شہادت آپ پیش کریں گے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں؟

پیام شاہجہانپوری:۔ ایک نہیں درجنوں۔ مثال کے طور پر کتاب کا ایک کردار راجہ جینسر ہے جو یوز آسف سے مناظرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

"میرا ایسا کرنا اس رسم کی پابندی ہے جو بودہ (گوتم بدھ) نے ہمارے دادا بیسم سے بیان کی تھی" (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۱۷۱) گویا ثابت ہوگیا کہ یوز آسف سے مناظرہ کرنے والا راجہ (جینسر) خود کو گوتم بدھ کے ایک ہم عصر راجہ کا پوتا قرار دیتا ہے تو پھر یوز آسف گوتم بدھ کیسے ہوسکتے ہیں گوتم بدھ تو اس بیان کی رو سے تین پشت پہلے فوت ہوچکے تھے۔

آگے چلئے۔ اسی کتاب میں یہی راجہ جینسر یوز آسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

پھر جب بودہ (مہاتما بدھ) اس دنیا سے آخرت کا سفر کرنے لگا (تو) بیسم کو اس نے اپنا خلیفہ بنایا یہ اس سے کسی طرح علم و حکمت میں کم نہ تھا۔ اس کے بعد "شب ہنی" بیسم کا بیٹا..... بادشاہ ہوا"۔

(کتاب بوذاسف و بلوہر کا صفحہ ۱۷۳)

کیا اب بھی اس امر میں کوئی شک رہ گیا کہ یوز آسف اور مہاتما بدھ بالکل مختلف شخصیتیں تھیں اور مہاتما بدھ یوز آسف سے مدتوں پہلے وفات پاچکے تھے۔ کتاب کی رو سے اس وقت مہاتما بدھ یا ان کے ایک ہم عصر راجہ کی نسل کا ایک راجہ یوز آسف سے بحث و مناظرہ کر رہا تھا۔

تھوڑا سا اور آگے چلئے اور اب خود یوز آسف کی زبان سے سنئے فرماتے ہیں:۔

"لوگوں کا خیال ہے کہ بودہ نے جب ہند کے رہنے والوں کو وہ باتیں تعلیم کردیں جن کو خدا نے اس کی زبان کے ذریعے سے لوگوں کے دلوں میں ڈالنا چاہا تو وہ دنیا کی سیر و سیاحت کو نکلا۔ اثناء سیاحت میں اس کو موت آگئی......" (کتاب بوذ آسف و بلوہر" کا صفحہ ۱۴۴)

منیر صاحب! اب تو حقیقت پوری طرح آشکار ہو گئی کہ یوز آسف ہرگز مہاتما بدھ نہیں تھے بلکہ بدھ ان سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے جس کا خود یوز آسف اعلان کر رہے ہیں۔

اور آگے چلئے! صحیفہء یوز آسف میں ایک تمثیل بیان کی گئی ہے میں یہ تمثیل اپنے اس دعوے کے ثبوت کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں کہ گوتم بدھ اور یوز آسف دو الگ الگ شخصیتیں تھیں اور گوتم بدھ یوز آسف سے بہت پہلے فوت ہو چکے تھے۔ تمثیل یہ ہے:۔

جھوٹے نگینوں کی تمثیل

"ہندوستان کا ایک بادشاہ جو اپنے آپ کو گوتم بدھ کا پیرو کہتا تھا تارک الدنیا اور راہبوں کا جانی دشمن تھا اور انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرواتا تھا۔ اس بادشاہ کا یوز آسف سے مناظرہ ہوتا ہے یوز آسف اسے ایک تمثیل سناتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

میں تم سے ایک تمثیل بیان کرتا ہوں سنو! کسی شخص کے پاس نہایت نفیس اور خوبصورت جواہرات کا ایک خزانہ تھا۔ ان جواہرات میں اللہ تعالیٰ نے جو شافیٔ مطلق ہے یہ تاثیر رکھی تھی کہ جب کوئی اندھا، گونگا، بہرا یا مجنون انہیں دیکھتا تھا یا پہنتا تھا تو اچھا ہو جاتا تھا۔ ان جواہرات کا مالک دل کا سخی واقع ہوا تھا وہ یہ جواہرات بیماروں یا مجنونوں کو دینے یا دکھانے میں بخل نہیں کرتا تھا اور نہ ان سے کسی صلے یا معاوضے کا طالب ہوتا تھا اور اگر صلہ چاہتا بھی تھا تو بس اتنا کہ لوگ ان جواہرات کی خوبی اور عمدگی کو پہچان لیں اور ان سے دنیاوی فائدے کا کام نہ لیں اور نہ انہیں کسی نااہل کی گردن میں ڈالیں۔ ہوتے ہوتے یہ بات کچھ لالچی اور غلط کار لوگوں کو بھی معلوم ہو گئی انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور اس کے پاس آ کر بڑی عاجزی سے یہ ظاہر کیا کہ ہم ان جواہرات کا شہرہ سن کر دور دور کے شہروں سے آپ کے پاس آئے ہیں اور بہت سے بیماروں کو ان شہروں میں چھوڑ آئے ہیں جو ان جواہرات سے شفایاب ہونے کے آرزومند ہیں۔ اگر آپ ہمیں یہ جواہرات بطور امانت دے دیں گے تو ہم ان کا صحیح استعمال کریں گے اور آپ کی شرائط کی پوری پابندی کریں گے۔ یہ سن کر جواہرات کے مالک نے بہت سے جواہرات انہیں دے دیئے اور ہدایت کی کہ ان کا صحیح استعمال کرنا اور ان بیماروں کو دینا جو نیت کے پکے اور قول و قرار کے سچے ہوں ان کے سوائے دوسرے لوگوں سے انہیں بچا کر رکھنا لیکن ان لالچی اور غلط کاروں لوگوں نے ان جواہرات کو آپس میں بانٹ لیا اور ان سے ذاتی فوائد حاصل کرنے کے لئے مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ جب ان

جواہرات کا مالک فوت ہونے لگا تو اس نے جواہرات کا یہ خزانہ چند نیک اور پارسا لوگوں کے سپرد کر دیا اور انہیں وصیت کی کہ یہ جواہرات اسی طرح استعمال کرنا جس طرح میں استعمال کرتا تھا اور جن چیزوں سے میں انہیں بچائے رکھتا تھا تم بھی ان سے بچائے رکھنا۔ اس نے انہیں بتایا کہ ان جواہرات میں سے کچھ جواہرات بدعہدوں اور خائنوں کے ہاتھوں میں پڑ کر ضائع ہو گئے ہیں اور ان بدعہدوں نے ان کی تجارت شروع کر دی ہے انہوں نے جاہلوں، بدکاروں اور جانوروں کو ان سے زینت دی ہے اور انہیں مورتیوں اور تصویروں کے گلے میں ڈالا ہے اور جو گویائی، بینائی اور شنوائی ان میں نظر آئے تو سمجھو کہ وہ انہیں جواہرات کی بدولت ہے پس انہیں تلاش کر کے یہ جواہرات ان نالائقوں سے واپس لے لینا۔ اس نے ان جواہرات کو واپس لینے کا طریقہ بھی انہیں بتا دیا۔ اس کے انتقال کے بعد یہ نئے امانت دار تھوڑے تھوڑے جواہرات لے کر گمشدہ جواہرات کی تلاش میں مختلف شہروں کو روانہ ہو گئے لیکن ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اُن بدعہد اور لالچی لوگوں نے یہ حرکت کی کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے حصے میں آئے ہوئے جواہرات کے ہم شکل اور اسی رنگ ڈھنگ کے کچھ اور مصنوعی جواہرات بنوا لیئے جو کانچ اور شیشے کے تھے ان اصلی اور نقلی جواہرات کو آپس میں خلط ملط کر دیا تا کہ ان کا مال زیادہ معلوم ہو اور وہ کانچ اور شیشے کے نقلی جواہرات کو بھی اصلی جواہرات کے مول بیچیں چنانچہ وہ سب اس دھوکے بازی کی تجارت کی بدولت تاجر، پیشوا اور سردار بن گئے۔ انہوں نے لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھانس رکھا تھا تا کہ سرداری اور پیشوائی کا لبادہ اوڑھ کر ان کا مال کھا سکیں۔

جب جواہرات کے حقیقی امانت دار گمشدہ جواہرات کی تلاش میں روانہ ہوئے تو وہ بھی انہی شہروں اور دیہات میں پھیل گئے اور ان کے پاس جو جواہرات تھے وہ لوگوں کو دکھا کر ان سے نفع اٹھانے کی تاکید کرنے لگے مگر کوئی گاؤں اور شہر ایسا نہیں تھا جہاں ان بدعہدوں اور لالچیوں نے یہ مصنوعی اور جعلی جواہرات نہ پھیلا دیئے ہوں اس لئے لوگ ان امانت داروں سے ملنے میں بے پروائی کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے اصلی جواہرات کو بھی کانچ اور شیشے کے جواہرات سمجھتے تھے اور ان کے ذریعے شفا پانے سے ناامید ہو گئے تھے کیونکہ انہیں بدعہدوں اور خائنوں کے جواہرات کے جھوٹے اور مصنوعی ہونے کا تجربہ ہو چکا تھا۔ آخر کار امانت داروں اور ان خائنوں اور بدعہدوں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ امانت داروں نے ان سے کہا کہ تم نے بدعہدی سے ہمارے جواہرات پر قبضہ کر لیا ہے اور ان میں جھوٹے جواہرات ملا کر لوگوں کو فریب دے رکھا ہے۔ تم سچے

جواہرات کے نام پر جھوٹے نگینے لوگوں کو دیتے ہو جن میں کوئی نفع نہیں۔ اگر تم ہماری بات نہیں مانتے ہو تو اپنا مال لے آؤ ابھی لوگوں پر ہمارا سچ اور تمہارا جھوٹ کھل جائے گا۔ یہ سن کر ان خائنوں اور بدعہدوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ ان سب نے اکٹھے ہو کر امانت داروں کے ساتھ بڑے مکر اور حیلے کیے۔ وہ سب ایسے بتوں کو لائے جو خود بخود حرکت کرتے تھے۔ ایسے چوپایوں کو لائے جو باتیں کرتے تھے۔ ایسے بدکاروں کو لائے جن کے رخسار جگمگاتے تھے۔ ایسے بدعقلوں کو لائے جن میں متانت اور فراست آ گئی تھی اور یہ سب باتیں اس وجہ سے تھیں کہ ان کے گلوں میں کچھ اصلی جواہر پڑے ہوئے تھے اور اوپر سے انواع اور اقسام کی ایسی مالائیں پڑی ہوئی تھیں جو کانچ اور شیشے کی تھیں مگر شکل و صورت اور رنگ ڈھنگ میں اصلی جواہرات سے مشابہ تھیں۔ اسی کے ساتھ ان کے سروں پر خالص جواہرات کی کلغی تھی جس کی چمک دمک نے ان نگینوں کے عیب کو نہ صرف ڈھانپ رکھا تھا بلکہ ان کو اور زیب و زینت دے رکھی تھی۔

امانت دار یہ منظر دیکھتے ہی ان بدعہدوں اور خائنوں کی چالوں کو سمجھ گئے اور جو جواہر خالص تھے ان کو تاڑ گئے۔ دوسری طرف ان جواہرات نے بھی جو اصلی اور خالص تھے مگر جھوٹے جواہرات کے ساتھ ملے ہوئے تھے جونہی اپنے ساتھی سچے جواہرات کو دیکھا اور ان کو اپنے لائق پایا تو وہ سب اپنی لڑیوں اور جگہوں کو چھوڑ کر ان کے پاس آنے لگے اور اپنی جنس کے ساتھ ملنے لگے پھر تو وہ جس بت سے الگ ہوئے وہ سرنگوں ہوا اور جس چوپائے سے جدا ہوئے وہ گونگا اور بہرہ ہو گیا اور جس زانی و بدکار سے علیحدگی اختیار کی اس کی ناپاکی اور گندگی کھل گئی اور جس بدعقل کو دو[ر] باش کہا اس کی کم ظرفی اور بدعقلی ظاہر ہو گئی یہاں تک کہ سب مصنوعی مالائیں اور کلغیاں ذلیل و بے رونق ہو گئیں اور لوگوں کا یہ حال ہوا کہ ان سچے جواہرات کی چمک دمک، خوبصورتی و روشنی دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چکاچوند آ گئی اور ان کی عمدگی کے قائل اور ان کے ذریعے سے شفا کے طالب ہوئے۔

تمثیل بیان کرنے کے بعد یوز آسف کہتے ہیں کہ:۔

(اے بادشاہ!) حاصل کلام یہ کہ جواہرات کے خزانے کا مالک تو بدھ تھا۔ خزانہ دین ہے۔ انواع و اقسام کے جواہر' دراصل حکمت کا کلام ہیں۔ بدعہد اور خائن تیرے پیشوایان بت پرست ہیں ان لوگوں نے اصلی جواہرات میں کانچ اور شیشے کے جو نگینے ملائے ہیں وہ ان کا جھوٹا کلام ہے جو تجھ پر اثر کر گیا ہے۔ امانت دار وہ لوگ ہیں جو تیرے نزدیک اس لئے برے ہیں کہ

یہ زاہد اور صاحب تقویٰ ہیں اور ان لوگوں نے جن اصلی اور نادر جواہرات کو بدعہدوں اور خائنوں سے واپس لیا ہے یہ وہ حکمت ہے جس کو تو نے اور تیرے پیشوایان مذہب نے اپنے جھوٹے کلام میں ملا دیا ہے" (کتاب بوز آسف و بلوہر ص ۱۸۷)

منیر صاحب! اس تمثیل سے جو خود یوز آسف بیان کر رہے ہیں چار چیزیں ثابت ہوتی ہیں:۔

اول یہ کہ یوز آسف جس بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے تھے وہ گوتم بدھ کا پیروکار تھا خود گوتم بدھ نہیں تھا۔

دوم یہ کہ یہ بادشاہ بت پرست تھا اور تارک الدنیا اور راہبوں کو اذیتیں دے دے کر قتل کرواتا تھا۔ یہ راہب اور تارک الدنیا لوگ بدھ مذہب کے لوگ ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ بدھ راہبوں کو تو وہ عزت دیتا تھا اور اپنے انہی پیشوایان مذہب کے زیر اثر تھا جیسا کہ یوز آسف نے اسے مخاطب کر کے بیان کیا تھا۔ یہ تارک الدنیا دراصل ہندوستان میں آباد نیک نفس اور پاکباز یہودی تھے جو اس بت پرست بادشاہ کے غیظ و غضب کا شکار ہوئے تھے۔

سوم یہ کہ اس بادشاہ اور اس کے پیشوایان مذہب نے ہر دور کے گمراہ لوگوں کی طرح گوتم بدھ کی حقیقی اور پاکیزہ تعلیم میں اپنی خود ساختہ اور شرکیہ تعلیم کی آمیزش کر دی تھی جسے یوز آسف جھوٹے نگینوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔

چہارم: جیسا کہ آگے چل کر میں ثابت کروں گا یوز آسف تمثیلوں میں کلام کرتے تھے چنانچہ اس تمثیل سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور یہ خصوصیت حضرت مسیح ابن مریم کی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوز آسف اور مسیح ابن مریم ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ یوز آسف اور مہاتما بدھ دو الگ الگ شخصیتیں تھیں کیونکہ جو حوالے آپ نے پیش کئے ہیں ان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یوز آسف گوتم بدھ کے کوئی خلیفہ اور ان کے سلسلے کے کوئی روحانی پیشوا ہوں۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! یہ تو مفروضہ ہے اور تاریخ میں مفروضات کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ تاریخ تو نام ہی ہے واقعات کو ریکارڈ کرنے کا' صداقتوں کو بیان کرنے کا جو واقعہ جس طرح پیش آتا ہے تاریخ اسے اسی طرح ریکارڈ کر لیتی ہے بشرطیکہ ریکارڈ کرنے والا

بددیانت اور جانب دار نہ ہو۔ اب میں آپ کے سوال کی طرف آتا ہوں اور صرف ایک حوالے پر اکتفا کرتا ہوں کیونکہ اس سے زیادہ گنجائش نہیں، غور فرمایئے:۔

یوز آسف سلسلہ ابرہیمی کے پیغمبر تھے

یوز آسف اور ہندوستان کے ایک تارک الدنیا کے درمیان گفتگو ہوتی ہے جسے راجہ نے عابد و زاہد ہونے کے "جرم" میں مع اس کے ساتھیوں کے شدید جسمانی ایذائیں دیں یہاں تک کہ ان زخموں کی شدت کی وجہ سے ان میں سے تین تو یوز آسف کے سامنے دم توڑ گئے۔ آپ کو معلوم ہے اس کے بعد کیا ہوا؟ یہی وہ نکتہ ہے جو اس سارے معاملے میں KEY (کلید) کی حیثیت رکھتا ہے۔ صحیفہ یوز آسف میں بیان کیا گیا ہے کہ :۔

"اس کے بعد یوز آسف آس پاس کے پہاڑوں میں پیادہ پا (کسی) غار کی تلاش میں پھرتا رہا۔ جب اپنے ڈھب کا ایک غار اسے مل گیا تو ایک ایک لاش کر کے اپنی پیٹھ پر لاد کر اس میں رکھ آیا اور جب ساری لاشیں رکھ چکا تو مٹی سے اسے بند کر دیا اور کھڑا ہو کر ان پر نماز پڑھنے لگا اس وقت دن آخر ہو گیا تھا" (کتاب بوذاسف و بلوہر ص ۱۶۷)

منیر صاحب! یہ معمولی واقعہ نہیں ہے یہ بہت غور کا مقام ہے ۔ یوز آسف اگر بودہ سف (گوتم بدھ) یا ان کا کوئی خلیفہ ہوتا تو وہ لاشوں کو قبر میں کبھی نہ رکھتا کیونکہ تاریخ اور مذہبیات کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ہندو اور بدھ دونوں اپنے مردے جلاتے ہیں دفن نہیں کرتے۔ مردوں کو دفن کرنے کا رواج دنیا کے تین مذاہب کے لوگوں میں ہے یہودی، مسیحی اور مسلمان۔ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اسلام تو اس وقت آیا ہی نہ تھا پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ یوز آسف بلاشک و شبہ یہودی طریقے کا پیرو تھا اور جن تارک الدنیا راہبوں کو مقامی راجہ نے اذیتیں دے دے کر قتل کر دیا تھا وہ بھی اسی کے دین کے پیروکار تھے کیونکہ ان میں سے ایک تارک الدنیا نے جس میں ابھی کچھ جان باقی تھی مرتے وقت یوز آسف کو وصیت کی تھی کہ "جب وہ فوت ہو جائے تو اس کی اور اس کے باقی ساتھیوں کی لاشیں پہاڑ کی کھوہ یا کسی گڑھے میں رکھ کر اس کا منہ مٹی سے بند کر دینا"۔ (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۱۶۳)

یہی نہیں بلکہ صحیفہ یوز آسف کی رو سے جب یوز آسف لاشیں غار میں دفن کر چکا تو اس کے پاس کھڑے ہو کر ان پر (اپنے طریقے کے مطابق) نماز پڑھی (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۱۶۷)

سوچئے کہ بدھ مذہب کے لوگ اپنے مردے دفن کرنے کے بعد کیا ان پر نماز بھی پڑھتے ہیں؟ پس اس سے ثابت ہو گیا کہ یوز آسف ہرگز بدھ نہیں تھے نہ گوتم بدھ کے کوئی خلیفہ تھے وہ تورات کے پیرو اور شریعتِ موسوی کے آخری پیغمبر حضرت مسیحؑ ابن مریم ہی تھے جنہوں نے ان تارک الدنیا یہودی راہبوں کو دفن کرنے کے بعد ان پر اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھی تھی۔

یہاں گمان گزر سکتا ہے کہ کیا حضرت مسیحؑ بھی ہماری طرح نماز پڑھا کرتے تھے؟ سو اس شبہ کے ازالے کے لئے ہمیں قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا ہو گا چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے:۔

(اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا تھا (تاکید کی تھی) کہ میرے گھر (خانہ کعبہ) کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھو) (البقرۃ آیت ۱۲۵)

حضرت مسیحؑ سلسلہ ء ابراہیمی کے پیغمبر تھے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ عبادت کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعلیم فرمایا تھا جناب مسیحؑ اسے ترک کر کے اپنی طرف سے کوئی نیا طریقہ ء عبادت ایجاد کر لیتے۔ اس طریقہ ء عبادت میں صرف رکوع اور سجدے کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اگر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو قیام اور قعود اس میں خود بخود شامل ہو گئے کیونکہ رکوع اس وقت تک ہو سکتا ہی نہیں جب تک قیام نہ ہو اور رکوع اور سجدے کے درمیان بھی قیام لازمی ہے۔ اسی طرح سجدے کے ساتھ قعود ضروری ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ یہ قیام و رکوع اور سجود و قعود دن میں کتنی بار کئے جاتے تھے اور ان میں کون کون سی دعائیں پڑھی یا مانگی جاتی تھیں اس کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔

منیر صاحب! آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ حضرت یوز آسف ایک جگہ ایک تمثیلی کردار کی زبان سے اپنا اور اپنی جماعت کا جو طریقہ ء عبادت بیان کرتے ہیں وہ خالص ابراہیمی طریقہ ء عبادت ہے سنئے! فرماتے ہیں:۔

"اگر تم کبھی بازار سے گزرے ہو گے تو دیکھا ہو گا کہ اس کے دائیں بائیں بہت سے لوگ ہیں مگر ایک کو دوسرے سے کچھ سروکار نہیں اور ہر شخص کے سر پر ایک نہ ایک ضرورت

وحاجت سوار ہے جس کی طلب میں وہ پریشان و سرگرداں ہے ہاں سب کی ہیئت میں فرق ہے۔ کوئی بیٹھا ہے' کوئی کھڑا ہے' کوئی چلتا ہے' کوئی دوڑتا ہے' کوئی خاموش ہے' کوئی چلا رہا ہے پس .... ہمارا (بھی) یہی حال ہے۔ فرق ہے تو اس قدر کہ وہ لوگ دنیا کی طلب میں ہیں اور ہم آخرت کی تلاش میں اور جیسی مراد ہے ویسی ہی محنت ہے۔ ہماری جماعتیں بھی الگ الگ (حالت میں) ہیں۔ کوئی قیام میں ہوتا ہے۔ کوئی رکوع میں تو کوئی سجود میں تو کوئی قعود میں۔ جو قیام میں ہے وہ بلند آواز سے حکمت کا سبق دے رہا ہے اور جو رکوع میں ہے اس کی آواز اس کے معاملے کی وجہ سے دھیمی ہے اور آنسو جاری ہیں اور سجدے والا بالکل خدا سے لو لگائے ہوئے ہے اور قعود والا راحت پر اپنے مالک کا شکر ادا کر رہا ہے (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۱۰۸)

منیر صاحب! اب تو اس میں کوئی شبہ نہیں رہنا چاہئے کہ یوز آسف حضرت ابراہیمؑ کے سلسلے کے پیغمبر تھے جو مسیحؑ ابن مریم کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

پھر اس معاملے کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھنا چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل فرمائی فرمایا:۔

(اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم مصر (شہر) میں اپنی قوم کے لوگوں کے لئے کچھ مکان مخصوص کر لو اور یہ گھر اس طرح بناؤ کہ ان کے دروازے آمنے سامنے ہوں (سورۂ یونس آیت ۸۷) فرمایا:۔

وا قیمو الصلوۃ

(اور ان میں نماز پڑھو) یہ نہیں فرمایا کہ ہاتھ پھیلا کر صرف دعا کر لیا کرو بلکہ صلوٰۃ کا لفظ استعمال فرمایا یعنی نماز پڑھا کرو۔ نماز بھی اس طرح کہ صف بستہ ہو کر باجماعت ادا کرو (نماز قائم کرو کا یہی مفہوم ہے) یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نماز میں کون سی دعائیں پڑھی جاتی تھیں اور یہ نماز دن اور رات میں کتنی بار پڑھی جاتی تھی اور کس طرح ادا کی جاتی تھی اس کا ہمیں علم نہیں لیکن اتنی بات تو طے ہے کہ حضرت مسیحؑ سلسلہ موسوی کے آخری پیغمبر تھے اور ظاہر ہے کہ اپنے سلسلے کے بانی (جناب موسیٰؑ) کے طریقے کے برعکس وہ کوئی جدید طریقہ اختیار نہیں کر سکتے تھے پس ہندوستان کے ان اسرائیلی شہداء کی تدفین کے بعد نماز پڑھنا ثابت کرتا ہے کہ نماز پڑھنے والا نہ صرف یہ کہ بدھ مذہب کا پیرو نہیں تھا بلکہ سلسلہ موسوی کا

پیرو تھا اور وہ جناب مسیحؑ کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا جنہیں یوز آسف کے نام سے بھی موسوم کیا گیا جس طرح یسوعؑ۔ عیسیٰؑ اور مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اس کا ازالہ فرما دیں تو اچھا ہو گا' یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت یوز آسف جن سے صحیفہ یوز آسف منسوب ہے بدھ نہیں تھے بلکہ موسوی دین کے پیرو تھے مگر ایک بات پھر بھی ثبوت چاہتی ہے کہ یوز آسف حضرت عیسیٰؑ کیسے ہو سکتے ہیں۔ کیا یہ دونوں دو مختلف شخصیتیں نہیں ہو سکتیں؟ اس کے ساتھ ساتھ ایک اور بات کی بھی وضاحت چاہوں گا۔ یوز آسف کے بارے میں آپ کے نقطۂ نظر سے مختلف نظریہ بھی تو پیش کیا گیا ہو گا اچھا ہو گا کہ آپ وہ بھی پیش کر دیں تا کہ اس مسئلے کے دونوں رخ لوگوں کے سامنے آجائیں؟

یوز آسف کا زمانہ؟

پیام شاہجہانپوری:۔ جی منیر صاحب! میرے نقطۂ نظر سے مختلف نقطۂ نظر بھی پیش کیا گیا ہے لیکن یوز آسف کی شخصیت سے انکار نہیں کیا گیا ہے البتہ ان کے زمانۂ حیات کا تعین کرتے ہوئے مختلف نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ ہمارے زمانے سے متصل زمانے میں ایک کتاب لکھی گئی تھی "نگارستان کشمیر"۔ مولوی قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی (مرحوم) اس کے مولف تھے۔ موصوف نے یوز آسف کا کشمیر میں آنا تو تسلیم کیا ہے لیکن اس خوف سے کہ یہ نہ ثابت ہو جائے کہ جناب یوز آسف ہی حضرت مسیحؑ تھے اور ان کی قبر دراصل قبرِ مسیحؑ ہے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یوز آسف مصر کے رہنے والے تھے اور خدیو مصر کی طرف سے کشمیر کے حکمراں سلطان زین العابدین کے دربار میں بطور سفیر آئے تھے (نگارستان کشمیر صفحہ ۲۹۴ برقی پریس دہلی)

ان کے علاوہ بعض اور لوگوں نے بھی یہ موقف اختیار کیا ہے ان میں ابو محمد حاجی محی الدین بھی شامل ہیں جن کی فارسی تاریخ کشمیر ۱۹۰۳ء میں امرتسر سے شائع ہوئی تھی لیکن یہ ساری خیالی اور تصوراتی عمارت اس وقت دھڑام سے زمین پر آ رہتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں کتابوں کی تالیف سے بھی پہلے یعنی ۱۸۹۹ء میں کتاب "بوذاسف و بلوہر" کے مقدمہ نگار مولوی محمد عزیز مرزا نے اپنے مقدمے میں نشاندہی کی ہے کہ یوز آسف کے ارشادات اور

تمثیلوں کو ممتاز شیعہ مجتہد علامہ ابی جعفر بابویہ القمی نے اپنی کتاب "اکمال الدین" میں درج کیا ہے اور یہ عالم اور مجتہد چوتھی صدی ہجری میں گذرا ہے (کتاب بوذاسف و بلوہر کا مقدمہ صفحہ ۸) جبکہ سلطان زین العابدین حاکم کشمیر کا زمانہ "خود نگارستان کشمیر" کے مولف کے بقول نویں ہجری کا تھا (نگارستان کشمیر صفحہ ۳۹۰) گویا ثابت ہو گیا کہ سلطان زین العابدین کے زمانے سے قریب قریب پانچ سو سال قبل صحیفہ یوز آسف موجود تھا ورنہ ابو جعفر القمی اپنی کتاب "اکمال الدین" میں اس کی حکایات اور تمثیلات کیسے درج کر سکتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ سیدنا حضرت امام حسینؓ کے فرزند حضرت امام زین العابدینؓ نے اس کتاب کی بہت سی حکایات اور تمثیلات مختلف مواقع پر بیان فرمائیں جو شیعہ مجتہدین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں شامل کر لیں (کتاب بوذاسف و بلوہر کا مقدمہ صفحہ ۸)

گویا یوز آسف کی کتاب (صحیفہ یوز آسف) آج سے قریباً تیرہ سو سال قبل بھی موجود تھی۔

منیر صاحب! اب آپ خود فیصلہ کر لیں کہ اس دعوے میں کہاں تک معقولیت ہے کہ یوز آسف بادشاہ مصر کے سفیر تھے اور سلطان زین العابدین والئ کشمیر کے دربار میں آئے تھے جس کا زمانہ نویں صدی ہجری تھا (۸۲۴ھ تا ۸۷۷ھ) جبکہ یوز آسف کے ارشادات و تعلیمات کا مجموعہ سیدنا امام حسینؓ کے فرزند حضرت امام زین العابدینؓ کے زمانے میں بھی موجود تھا اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس صحیفے کا وہ نسخہ جو سنسکرت زبان میں تھا اس کا عربی میں ترجمہ عباسیوں کے ابتدائی دور میں کیا گیا تھا یعنی عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے دور میں جس کا عہد حکومت ۱۳۶ھ سے شروع ہوا اور ۱۵۸ھ میں ختم ہو گیا۔ (دائرہ المعارف پنجاب یونیورسٹی لاہور صفحہ ۸۸۳)

منیر صاحب! اس وقت تک تو کشمیر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہی نہیں ہوئی تھی اور نہ مصر پر خدیو مصر کے لقب سے کوئی بادشاہ برسر اقتدار آیا تھا۔ یہ سب بہت بعد کی باتیں ہیں۔

اب ایک اور کتاب کی طرف آیئے جس کا ابھی میں نے ذکر کیا تھا یعنی ابو محمد حاجی محی الدین کی فارسی تاریخ کشمیر جو ۱۹۰۳ء میں امرتسر سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں بھی یوز آسف کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور مولف کتاب نے یوز آسف کی سات مختلف حیثیتیں بیان کی ہیں (۱) یوز آسف ایک پیغمبر تھے (۲) ایک شہزادے تھے (۳) احفادِ موسیٰ میں سے تھے (۴) امام باقر کی نسل سے تھے (۵) مصر سے آمدہ سفیر کا یہ نام تھا۔ (۶) حضرت عیسیٰ کے کوئی خلیفہ تھے

(۷) بعینہ حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے (تاریخ کشمیر فارسی مولفہ ابو محمد حاجی محی الدین)

پھر خود ہی فیصلہ صادر کر دیا کہ ان کو پیغمبر کہنا یا بعینہ حضرت عیسیٰ روح اللہ کہنا افترا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مورخ موصوف خود تسلیم کرتے ہیں کہ یوز آسف کی یہ سات حیثیتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں سے ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ وہ بعینہ عیسیٰ روح اللہ تھے تو پھر انہیں کیا حق تھا کہ ان سات حیثیتوں میں سے پانچ کے بارے میں تو خاموشی اختیار کر لی اور دو حیثیتوں کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ یہ درست نہیں کہ وہ پیغمبر یا عیسیٰ روح اللہ تھے۔ آخر کیوں؟ جبکہ انتہائی قوی شہادتیں موجود ہیں کہ کشمیر میں ایک پیغمبر آیا تھا جو کہتا تھا کہ وہ کنواری کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور غیر ہندوؤں کے ملک سے آیا ہے اور خود کو مسیحا کہتا تھا۔

(JESUS IN ROME, P-76,77)

یہ شہادت ایک غیر مسلم بلکہ مسیحی کی ہے جس کا نام رابرٹ گریوز تھا اور جس نے زمانہ قدیم کی سنسکرت کتاب "بھوشیا مہا پران" سے انگریزی میں ترجمہ کروا کر یہ حوالہ اپنی کتاب میں درج کیا۔ اس شہادت کو ہم کیسے رد کر سکتے ہیں جو زمانۂ قدیم کے ایک برہمن اور زمانۂ حال کے ایک مسیحی کے بیانات پر مشتمل ہے۔ مسیحی تو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اتر آئے تھے اگر وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں تو ان کے عقائد کی بنیاد ہی ختم ہو جائے مگر اس کے باوجود یہ فاضل، روشن خیال اور غیر متعصب مسیحی مورخ تسلیم کرتا ہے کہ کشمیر میں ایک پیغمبر آیا تھا جو کہتا تھا کہ وہ کنواری کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور خود کو مسیحا کہتا تھا۔

یوز آسف اور مسیحؑ ایک ہی شخصیت تھی

منیر صاحب! اب میں آپ کے سوال کے پہلے حصے کی طرف آتا ہوں کہ یوز آسف حضرت عیسیٰ کیسے ہو سکتے ہیں؟ آپ اس شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ کیا یہ دونوں دو مختلف شخصیتیں نہیں ہو سکتیں؟ آپ کا شک بے بنیاد نہیں ہے کچھ اور لوگوں کو بھی جن میں بعض مورخ بھی شامل ہیں یہ شک گزرا ہے لیکن خود اس کتاب (صحیفہ یوز آسف) کی اندرونی شہادتیں ثابت کرتی ہیں کہ یوز آسف اور جناب مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

منیر صاحب! آپ جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ تمثیلوں میں گفتگو فرماتے تھے انجیل ان تمثیلوں سے بھری پڑی ہے۔ تورات میں بھی حضرت موسیٰؑ کی پیش گوئی موجود ہے کہ آنے والا

مسیح" تمثیلوں میں کلام کرے گا۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یوز آسف بھی تمثیلوں میں کلام کرتے نظر آتے ہیں اور صحیفہ یوز آسف بھی ان تمثیلوں سے بھرا پڑا ہے۔ پھر بعض تمثیلیں تو قریب قریب وہی ہیں جو انجیل میں درج ہیں مثلاً بیج بونے والے کی تمثیل۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فلسطین کے دوران قیام آپ" اہل فلسطین کو راہ راست کی طرف لانے کی غرض سے جو تمثیلیں بیان فرما چکے تھے وہ ہندوستان آکر یہاں آباد بنی اسرائیل کے سامنے دوسری بار پھر بیان فرماتے ہیں جس طرح قرآن کریم میں ایک ہی بات بار بار اور کئی کئی طریقوں سے بیان کی گئی ہے تاکہ پڑھنے والوں کے ذہن نشیں ہو جائے۔ اب یہ تمثیل سنئے:۔

"دیکھو ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت کچھ دانے راہ کے کنارے گرے اور پرندوں نے آکر انہیں چُگ لیا ○ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرے جہاں ان کو بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب سے جلد اُگ آئے ○ اور جب سورج نکلا تو جل گئے اور جڑ نہ ہونے کے سبب سے سوکھ گئے ○ اور کچھ جھاڑیوں میں گرے اور جھاڑیوں نے بڑھ کر ان کو دبا لیا ○ اور کچھ اچھی زمین میں گرے اور پھل لائے۔" (متی کی انجیل باب ۱۳ آیت ۳ تا ۸)

کیا یہ تعجب انگیز امر نہیں کہ یہی حکایت حضرت یوز آسف بیان کرتے ہیں چنانچہ صحیفہ "بوذاسف" میں یہ حکایت اس طرح بیان کی گئی ہے حضرت یوز آسف فرماتے ہیں:۔

"میں جو کچھ تجھ سے بیان کرتا ہوں اس کو سمجھ۔ کسان عمدہ بیج لے کر بونے کے لئے باہر نکلتا ہے اور مٹھی بھر بھر کر کھیت میں بکھیرتا ہے ان میں سے کچھ تو کھیت کی مینڈوں پر گرتے ہیں جو بہت جلد چڑیوں کا رزق ہوتے ہیں اور کچھ ایسے پتھر پر گرتے ہیں جس پر تھوڑی سی مٹی اور کسی قدر نمی ہوتی ہے۔ یہ دانے اُگتے تو ہیں مگر جب ان کی جڑیں پتھر تک پہنچتی ہیں تو سوکھ جاتے ہیں اور کچھ پرخار زمین پر گرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں بالیں نکلتی ہیں اور پھلنے کو آتی ہیں تو کانٹے ان کی گردنیں دبا کر سکھا ڈالتے اور ضائع کر دیتے ہیں اور ان میں سے تھوڑے اچھی پاک و صاف زمین پر گرتے ہیں جو محفوظ ہو کر نشوونما پاتے اور بخوبی پروان چڑھتے ہیں" (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۳۴)

منیر صاحب! آپ غور کیجئے کیا یہ دونوں تمثیلیں ایک ہی آدمی بیان نہیں کر رہا؟ آگے چلئے حضرت مسیح" اپنی تمثیل کی تشریح بھی کرتے ہیں، تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"پس بونے والی کی تمثیل سنو ○ جب کوئی بادشاہی کا کلام سنتا ہے اور سمجھتا نہیں تو جو

اس کے دل میں بویا گیا تھا اسے وہ شریر آکر چھین لے جاتا ہے یہ وہ ہے جو راہ کے کنارے بویا گیا تھا اور جو پتھریلی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا ہے اور اسے فی الفور خوشی سے قبول کر لیتا ہے ○ لیکن اپنے اندر جڑ نہیں رکھتا بلکہ چند روزہ ہے اور جب کلام کے سبب سے مصیبت یا ظلم برپا ہوتا ہے تو فی الفور ٹھوکر کھاتا ہے ○ اور جو جھاڑیوں میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا اور دنیا کی فکر اور دولت کا فریب اس کلام کو دبا دیتا ہے اور وہ بے پھل رہ جاتا ہے ○ اور جو اچھی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا ہے اور سمجھتا ہے اور پھل بھی لاتا ہے (متی باب ۱۳ آیت ۱۸)

حضرت مسیح" کی طرح یوز آسف بھی ہمیں اپنی تمثیل کی تشریح کرتے نظر آتے ہیں اور وہ اس طرح' فرماتے ہیں:۔

"اس کی تشریح یہ ہے کہ کسان تو حکمت جاننے والے ہیں اور عمدہ دانے ان کے پند و نصائح ہیں اور وہ دانے جو مینڈوں پر گرتے اور جن کو چڑیاں چُگ جاتی ہیں وہ نصیحتیں ہیں جو کانوں ہی تک پہنچ کر رہ جاتی اور دل تک نہیں پہنچتی ہیں اور جو دانے پتھر کی نمناک مٹی پر گر کر اُگتے ہیں اور بعد میں ان کی جڑیں پتھر پر پہنچ کر سوکھ جاتی ہیں وہ باتیں وہ ہیں جن کو کسی شخص نے جی لگا کر سنا اور اچھا جانا اور اپنی سمجھ سے ان کو پہچانا ہو مگر ان پر عمل کرنے کے ارادے سے ان کو گرہ میں نہ باندھا ہو اور نہ اس کی عقل نے ان کو اپنا بنا لیا ہو اور جو بیج کہ اُگے اور پھلنے کو ہوئے مگر کانٹوں نے ان کو سر اٹھانے نہ دیا وہ ایسی نصیحتیں ہیں جن کو سننے والے نے گرہ میں باندھ رکھا اور عقل سے انہیں سمجھا بھی مگر جب ان پر عمل کرنے کا وقت آیا جو ان کا پھل ہے اس وقت نفسانی خواہشوں نے ان کو دبا کر ضائع کر دیا اور جو دانے پاک و صاف زمین میں پہنچے اور محفوظ رہ کر پھولے پھلے اور پروان چڑھے وہ ایسی نصیحتیں ہیں جن کو عقل و بینائی نے پسند اور کانوں نے قبول کیا اور دل نے محفوظ رکھا اور ارادے نے ان کو تکمیل تک پہنچایا یعنی نفسانی خواہشوں کے اکھاڑ پھینکنے اور نجس خیالات سے قلب کو پاک کرنے کا کام ان سے لیا۔ (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۳۴، ۳۵)

منیر صاحب! یہ تمثیل اور اس کے دونوں حصوں پر غور کیجئے اور دیکھئے کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ یہ تمثیل ایک ہی شخص نے بیان کی ہے الفاظ کا تھوڑا سا فرق ہے یہ فرق بھی اس وجہ سے ہے کہ راویوں نے ان تمثیلوں کو اپنے اپنے رنگ میں بیان کیا ہے اور ایک نے

دوسرے سے نقل کرتے ہوئے کچھ کمی یا کچھ تغیر کر دیا ورنہ مفہوم بھی ایک ہی ہے' انداز بیان بھی قریب قریب ایک ہی ہے اور طرز تشریح بھی ایک ہی ہے پس اس تقابل سے بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ یوز آسف اور یسوع دراصل ایک ہی شخص کے نام ہیں جو یسوع اور یوز آسف دنوں ناموں سے مشہور ہوئے۔

منیر صاحب! اس مسئلے کا ایک اور پہلو ہمیں اپنی طرف متوجہ کرلیتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ طبیب بھی تھے بلکہ اپنے عہد کے سب سے بڑے طبیب تھے۔ آپؑ نے حضرت یحییٰؑ کی قائم کردہ طبی درس گاہ میں علم طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ جس روحانی سلسلے سے آپؑ قبل از نبوت وابستہ تھے اس کے اکثر اراکین بھی طب کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے تو ہزاروں بیماروں کو شفا بخشی تھی اسی لئے آج بھی باکمال اور حاذق اطبا کو "مسیحِ دوراں" اور "مسیح الملک" جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے غالب کا مشہور شعر ہے۔

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی ۔۔۔ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

آپ حیران ہوں گے کہ بیج بونے والے کی تمثیل بیان کرنے اور اس کی تشریح کرنے کے بعد یوز آسف ایک اور رنگ میں تمثیل کی مزید تشریح فرماتے ہیں' اسے علم طب کے اصولوں کے سہارے آگے بڑھاتے اور سننے والوں کے دل نشیں کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"مہربان طبیب جب دیکھتا ہے کہ کسی مریض کے بدن کو اخلاط فاسدہ نے کھلا دیا ہے اور وہ اس بدن کو قوت دینا اور موٹا تازہ کرنا چاہتا ہے تو وہ پہلے ہی ایسی غذا نہیں دیتا ہے جس سے گوشت بڑھے اور قوت پیدا ہو کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر برے مادّوں کے موجود ہوتے ہوئے مقوی غذا دی جائے گی تو نہ کوئی فائدہ ہو گا اور نہ کچھ قوت آئے گی بلکہ وہ پہلے ایسی دوائیں دینا شروع کرتا ہے جن سے برے مادے زائل ہو کر جسم کے رگ و پے صاف ہو جائیں۔ جب یہ کر چکتا ہے تب اس کے مزاج کے موافق کھانا پینا بتاتا ہے جس سے اس کو نفع پہنچے گا اور گوشت اور چربی پیدا ہو گی اور قوت بڑھے گی۔ یہی حال اس زمین کا ہے جس میں آدمی بیج بونا چاہے۔ اگر بونے والا پہلے زمین کو کانٹوں سے صاف نہ کرے گا اور اس کے لئے نہر اور گڑھے نہ کھودے گا اور ان کاموں کے بعد اپنی بساط بھر عمدہ بیج چُن کر ٹھیک وقت اور موسم دیکھ کر نہ بوئے گا اور چڑیوں اور کیڑوں سے ان کی حفاظت نہ کرے گا اور وقت پر پانی نہ

دے گا تو یہ دانے ہرگز نہیں اُگنے کے اور اگر اُگے بھی تو نشوونما نہیں پانے کے۔ کسان کی محنت رائیگاں جائے گی اور مشقت بیکار۔ اس کی امید لغو ثابت ہو گی اور توقع بیہودہ اور خود بیج بھی ضائع ہو جائیں گے نفع کا کیا ذکر"۔ (کتاب یوزاسف و بلوہر صفحہ ۳۵)

منیر صاحب! آپ غور کیجئے کیا یہ انداز بیان اور یہ کلام پکار پکار کر نہیں کہہ رہا کہ یہ خدا کے ایک نبی کا کلام ہے جو حکمت' معرفت اور روحانیت سے پر ہے اور اس انجیل مقدس ہی کا حصہ ہے جو فلسطین سے ہجرت کے بعد حضرت مسیحؑ پر قیام ہندوستان کے زمانے میں نازل ہوئی تھی۔

گم شدہ بھیڑوں کی تمثیل

اور آگے چلئے حضرت مسیحؑ انجیل مقدس میں بار بار فرماتے ہیں کہ میں اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں ہیں میں انہیں بھی جمع کروں گا۔ صحیفہ یوز آسف میں یہی بات ایک عجیب اور لطیف تمثیل کے رنگ میں بیان کی گئی ہے اور ایک تمثیلی کردار بلوہر کی زبان سے ادا کروائی گئی ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے مرتب نے مکالمہ نگاری کے اصولوں کی وجہ سے اسے بلوہر کی طرف منسوب کر دیا ورنہ تمثیل حضرت مسیحؑ (یوز آسف) بیان کر رہے ہیں کیونکہ انجیل میں آتا ہے کہ ـــــ "اور اس نے ان سے بہت سی باتیں تمثیلوں میں کہیں ...... شاگردوں نے پاس آ کر کہا تو ان سے تمثیلوں میں کیوں باتیں کرتا ہے"۔ (متی کی انجیل باب ۱۳ آیت ۳ و ۱۰)۔ پھر آگے چل کر اسی متی کی انجیل میں ہے کہ:۔

"یہ سب باتیں یسوع نے بھیڑ سے تمثیلوں میں کہیں اور بغیر تمثیل کے وہ ان سے کچھ نہ کہتا تھا ○ تاکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ ـــــ "میں تمثیلوں میں اپنا منہ کھولوں گا" (متی کی انجیل باب ۱۳ آیت ۳۴ و ۳۵)

گویا انجیل کی رو سے تمثیلوں میں کلام کرنا خاص حضرت مسیحؑ کی خصوصیت تھی اور اس بارے میں تورات میں پیش گوئی کی جا چکی ہے کہ مسیحؑ تمثیلوں میں کلام کرے گا چنانچہ یہاں بھی تمثیل بلوہر نہیں دراصل حضرت مسیحؑ بیان فرما رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"سنو! میں ایک تمثیل بیان کرتا ہوں سمندر کے ساحلوں پر ایک پرندہ پایا جاتا ہے جسے "قاوند"

کہتے ہیں یہ پرندہ بہت کثرت سے انڈے دیتا ہے لیکن اس کے انڈے دینے کا زمانہ وہی ہوتا ہے جب سمندر میں سخت جوش اور موجوں میں شدت ہوتی ہے اس لئے اس حالت میں وہ ساحل پر ٹھہر نہیں سکتا اور مجبور ہو کر کوئی دوسری جگہ تلاش کرتا ہے اور اپنے انڈوں کو اٹھا اٹھا کر ساتھ لے جاتا ہے اور (راستے میں جو گھونسلے آتے ہیں) ان میں سے ہر پرندے کے گھونسلے میں اس کے انڈوں کے ساتھ اپنا بھی ایک ایک انڈا رکھ دیتا ہے اور وہ پرندے اپنے انڈوں کے ساتھ اس کے انڈے بھی سیتے ہیں اور اپنے بچوں کے ساتھ اس کا بچہ بھی نکالتے ہیں جب سمندر کے جوش اور تلاطم کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور قاوند اپنے اصل وطن یعنی ساحل کو جانا چاہتا ہے تو ان پرندوں کے گھونسلوں کے پاس سے رات کے وقت چلاتا ہوا گزرتا ہے۔ یہ آواز اس کے بچے بھی سنتے ہیں اور دوسرے پرندوں کے بچے بھی مگر اس کی آواز سن کر صرف اس کے بچے اس کے پاس آکر جمع ہو جاتے ہیں دوسرے پرندوں کے بچے نہ اس کی آواز سنتے ہیں اور نہ اس کی آواز کا جواب دے کر اس کی طرف دوڑتے ہیں۔ (کتاب یوذاسف وبلوہر ص ۴۹‘۵۰)

اب آپ حضرت مسیحؑ کی وہ تمثیل دیکھئے جو انجیل میں درج ہے:۔

"اسی طرح میں اپنی بھیڑوں کو جانتا ہوں اور میری بھیڑیں مجھے جانتی (پہچانتی) ہیں اور میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں مجھے ان کو بھی لانا ضرور ہے اور وہ میری آواز سنیں گی پھر ایک ہی گلہ اور ایک ہی چرواہو گا (یوحنا کی انجیل باب ۱۰ آیت ۱۵‘۱۶)

گویا حضرت مسیحؑ قاوند پرندے کی تمثیل بیان کر کے فرما رہے ہیں کہ:۔

جس طرح "قاوند" کے بچے وطن سے دور منتشر حالت میں ہوتے ہیں اسی طرح حضرت مسیحؑ کے بچے (یعنی ان کی قوم کے لوگ) دوسرے ممالک میں منتشر ہیں جس طرح "قاوند" پرندہ اپنے بچوں کے پاس سے گذرتا ہوا آواز دیتا ہے اور اس کے بچے اس کی آواز سن کر اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں اسی طرح مسیحؑ بھی اپنی گم شدہ بھیڑوں کو جو فلسطین سے باہر منتشر ہیں آواز دیں گے اور "قاوند" کے بچوں کی طرح وہ بھی ان کی آواز سنیں گی اور ان کے اردگرد جمع ہو جائیں گی۔ اسی تمثیل میں آگے چل کر یوز آسف کہتے ہیں کہ:۔

"اسی طرح خدا کے رسول مخاطب تو سب لوگوں کو کرتے ہیں مگر ان کی آواز پر وہی لوگ آتے اور ان کی شریعت کو قبول کرتے ہیں جو ان میں سے ہوتے ہیں اور جو ان میں سے نہیں ہوتے

وہ رُکے رہتے ہیں اور ان (رسولوں) کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں

کتاب یوذاسف وبلوہر ص ۵۰

منیر صاحب! آپ خود غور کیجئے اور انصاف کیجئے کہ کیا یہ انداز کلام جناب مسیحؑ کے علاوہ کسی اور کا ہو سکتا ہے۔

آسمانی بادشاہت کی تمثیل

اب ایک اور پہلو کی طرف آیئے جس سے اس حقیقت کا مزید ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ یوز آسف اور حضرت مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں اور صحیفہ یوز آسف حضرت مسیحؑ کی وہ انجیل ہے جو آپؑ کے ہندوستان میں دوران قیام سے تعلق رکھتی ہے اس نکتے پر بہت غور کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مسیحؑ فلسطین کے دوران قیام فقیہوں‘ فریسیوں اور عام یہودیوں کو مخاطب کر کے بار بار "آسمانی بادشاہت" کا ذکر فرماتے ہیں اور انجیل "آسمانی بادشاہت" اور "خدا کی بادشاہت" کے ذکر سے بھری پڑی ہے بطور نمونہ چند مقامات کے حوالے:۔

"اس (یسوع) نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا ○ وہ سب بیجوں میں چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں (متی کی انجیل باب ۱۳ آیت ۳۱‘۳۲)

اسی طرح متی کی انجیل میں آگے چل کر مختلف طریقوں سے آسمانی بادشاہت کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً:۔

"آسمان کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے..............." (باب ۱۳ آیت ۳۳)

"آسمان کی بادشاہی کھیت میں چھپے ہوئے خزانے کی مانند ہے" (باب ۱۳ آیت ۴۴)

"آسمان کی بادشاہی اس سوداگر کی مانند ہے..........." (باب ۱۳ آیت ۴۵)

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم توبہ نہ کرو گے........ تو آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہو گے (متی کی انجیل باب ۱۸ آیت ۳)

اب دیکھئے کہ صحیفہ یوز آسف (کتاب بوذاسف بلوہر) میں کس طرح بار بار آسمان کی بادشاہی پر زور دیا گیا ہے:۔

سمجھ رکھو کہ کوئی شخص (نہ) **آسمانی بادشاہت** کو پا سکتا ہے نہ اس میں قدم رکھ سکتا ہے جب تک علم و ایمان اور عمل خیر کی تکمیل نہ کرے۔(کتاب یوز اسف و بلوہر صفحہ ۲۵۲، ۲۵۳)

حضرت یوز آسف اپنی اسی تقریر میں آگے چل کر پھر آسمانی بادشاہت کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :۔

اور تم میں سے کوئی شخص مال و دولت کی طلب کی وجہ سے ہرگز دین پر ایمان نہ لائے بلکہ ضرور ہے کہ تمہارا ایمان **آسمانی بادشاہت** اور نفس کی رہائی کی امید ..... اور اخروی راحت و خوشی کی طلب کی وجہ سے ہو"۔(کتاب کا صفحہ ۲۵۳)

ایک اور مقام پر بادشاہ اور اس کے اہل دربار کو مخاطب کر کے پھر آسمانی بادشاہت کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ :۔

"پس اے بادشاہ اور اے قوم کے شریف لوگو! جو کچھ تم لوگ مجھ سے سن رہے ہو اس کو سوچو اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو سمجھو اور جب تک کشتیاں چلتی ہیں دریا سے عبور کر جاؤ اور جب تک راہ نما موجود ہے جنگل کو طے کر لو اور جب تک چراغ جل رہے ہیں سفر کا سامان کر کے راستے پر لگ جاؤ اور اپنے کانوں کو خدا رسیدہ لوگوں کے (عطا کردہ) خزانوں سے بھر لو اور نیکی و نیکو کاری میں (ان کے) شریک ہو جاؤ اور خلوص سے ان کی پیروی کرو اور ان کے مدد معاون بن جاؤ اور ان کے اعمال سے مدد لو تا کہ **تم آسمانی بادشاہت میں جا پہنچو**۔" (کتاب کا صفحہ ۲۵۴)

کیا ان اقتباسات سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ یوز آسف اور حضرت مسیح ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ خدا کا جو نبی فلسطین میں لوگوں کو آسمان کی بادشاہت کی طرف بلاتا تھا اور بار بار بلاتا تھا ہندوستان آ کر وہ یہاں کے لوگوں کو بھی آسمان کی بادشاہت کی طرف بلا رہا تھا اور بار بار بلا رہا تھا۔ فلسطین میں بھی وہ لوگوں کو آسمان کی بادشاہت کی طرف بلاتے ہوئے تمثیلیں بیان کرتا تھا اور ہندوستان آ کر بھی وہ تمثیلوں ہی کے ذریعے یہاں کے لوگوں کو آسمان کی بادشاہی کی طرف بلا رہا تھا چنانچہ مندرجہ بالا اقتباس میں بھی ایک تمثیل کے ذریعے سے ہی آسمان کی بادشاہت کی دعوت دی گئی ہے کہ :۔

"جب تک کشتیاں چلتی ہیں دریا کو عبور کر لو۔ جب تک رہنما موجود ہے جنگل کو طے کر لو۔ اور جب تک چراغ جل رہے ہیں سفر کا سامان کر کے راستے پر لگ جاؤ۔"

سفید قبروں کی تمثیل

اب ایک اور پہلو کی طرف آیئے حضرت مسیح کی اس بنا پر تحقیر کی جاتی تھی کہ ابتداء میں کچھ دھوبی اور مچھیرے آپ پر ایمان لائے تھے بظاہر انہی حقیر لوگوں کے درمیان آپ زندگی گزارتے تھے اور ان سے نہایت محبت و شفقت کا سلوک کرتے تھے، دوسری طرف یہود کے اکابر اور جبّہ پوش علماء کو آپ سرزنش فرماتے تھے اور انہیں ایسی قبروں سے تشبیہ دیتے تھے جن پر قلعی پھیر کر اوپر سے تو خوش رنگ بنا دیا گیا ہو مگر اندر گلی سڑی ہڈیاں اور تعفن بھرا ہوا ہو۔ عجیب بات ہے کہ صحیفہ یوز آسف میں بھی ایک لطیف تمثیل کے رنگ میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ یہ تمثیل اس طرح ہے :۔

("سنو!) کسی ملک پر ایک ایسا بادشاہ حکومت کرتا تھا جسے خدا کی معرفت حاصل تھی اور وہ لوگوں کو بھی اس کی طرف بلاتا تھا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ شاہی جلوس کی معیت میں اپنے لشکر کے ہمراہ گزر رہا تھا کہ راستے میں اس کی نظر دو ایسے آدمیوں پر پڑی جو ننگے پیر سفر کر رہے تھے۔ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور مصیبت اور پریشاں حالی کے آثار ان کے چہروں سے آشکار تھے۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر بے قرار ہو گیا، بے اختیار ہو کر گھوڑے سے اترا اور انہیں سلام کہہ کر ان سے بغل گیر ہو گیا۔ بادشاہ کا یہ فعل اس کے مصاحبوں کو ناگوار گزرا۔ انہوں نے بادشاہ کے بھائی سے یہ سارا ماجرا بیان کیا اور اس سے کہا کہ آج بادشاہ دو ادنیٰ فقیروں کے لئے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس نے خود کو بھی ذلیل کیا اور اپنے اہل سلطنت کو بھی رسوا کیا آپ اسے سمجھائیں کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔ بادشاہ کا یہ بھائی بادشاہ کے ساتھ بہت بے تکلف تھا چنانچہ اس نے مصاحبوں کے کہنے پر بادشاہ کو اس کی حرکت پر ٹوکا۔ اس وقت تو بادشاہ نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے معلوم ہوتا کہ اپنے بھائی کی باتوں سے راضی ہوا یا ناراض۔

جب اس واقعے کو کئی دن گزر گئے تو ایک روز بادشاہ نے ایک ڈھنڈورچی کو جسے "موت کا پیادہ" کہتے تھے طلب کیا اور حکم دیا کہ میرے بھائی کے دروازے پر جا کر پکار اور موت کا نقارہ بجا دے۔ اس بادشاہ کا معمول تھا کہ جب کسی شخص کو اس کے کسی جرم کی وجہ سے قتل کرنا چاہتا تھا تو پہلے اپنے پیادے کے ذریعے سے اس کے دروازے پر موت کا نقارہ بجوایا کرتا تھا۔

چنانچہ جب بادشاہ کے بھائی کے گھر پر موت کا نقارہ بجا تو اس کے گھر میں کہرام مچ گیا۔ بھائی کفن پہن کر آہ و بکا کرتا اور داڑھی اور سر کے بال نوچتا بادشاہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ جب بادشاہ کو بھائی کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس نے اسے اپنے پاس بلایا۔ بھائی بادشاہ کو دیکھتے ہی زمین پر گر پڑا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اے نادان تجھے کیا ہوا جو اس قدر گھبرا گیا؟ اس نے جواب دیا کہ تو خود ہی تو میری موت کا حکم دیتا ہے اور خود ہی ملامت کرتا ہے کہ میں گھبراتا کیوں ہوں۔ بادشاہ بولا کہ :۔

"کیا تو اس بات پر گھبرا گیا کہ ایک پیادے نے ایسے شخص کے حکم سے تیرے دروازے پر آواز دی (اور موت کا نقارہ بجایا) جو خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہے حالانکہ وہ تیرا بھائی ہے اور تجھے معلوم ہے کہ تو نے اس کا کوئی جرم بھی نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ تجھے قتل کرے۔ دوسری طرف تو مجھے ملامت کرتا ہے کہ اپنے رب کے پیادوں (دو ادنیٰ فقیروں) کو دیکھ کر کیوں ایسا بے قرار ہو گیا (کہ ان کی تعظیم کی خاطر گھوڑے سے) زمین پر اتر آیا۔ مجھے تو (ان فقیروں کو دیکھ کر) اپنی موت یاد آ گئی تھی جس کی مجھے اسی دن خبر دیدی گئی تھی جب میں پیدا ہوا تھا اس لئے میں (ان شکستہ حال فقیروں کو دیکھ کر گھوڑے سے) زمین پر اتر آیا تھا کیونکہ میں اپنے گناہوں سے واقف اور سخت خوفزدہ ہوں"۔

یہ کہہ کر اپنے بھائی سے مخاطب ہوا اور کہا کہ اچھا جا میں جانتا ہوں کہ تجھے میرے وزیروں نے بہکایا اور بھیجا ہے انہیں بہت جلد اپنی غلطی معلوم ہو جائے گی۔ اس کے بعد بادشاہ نے لکڑی کے چار صندوق بنوائے جن میں سے دو صندوقوں پر سونے کا پانی چڑھوایا اور دو پر سیاہی مائل رنگ۔ سیاہی مائل رنگ والے صندوقوں کو سونے، چاندی، موتیوں اور جواہرات سے بھرا اور سونے کے پانی والے صندوقوں کو مردار، گندگی، خون، لاشوں اور بالوں سے بھر کر چاروں صندوقوں کو بند کروا دیا۔ اس کے بعد ان امیرزادوں، سرداروں، اور وزیروں کو طلب کیا جنہیں بادشاہ کا دو ادنیٰ فقیروں سے ملنا اور ان کی تعظیم کرنا ناگوار گذرا تھا۔ جب وہ آ گئے تو بادشاہ نے ان صندوقوں کو ان کے سامنے رکھوا کر کہا کہ ان کی قیمت لگاؤ۔ یہ سن کر ان اکابر قوم نے کہا کہ بادشاہ سلامت! بظاہر تو سنہرے صندوق اپنے حسن اور عمدگی کے لحاظ سے قیمتی اور انمول ہیں اور سیاہی مائل رنگ کے صندوق چونکہ بدہیئت اور خراب ہیں اس

لئے ان کی کچھ قدر و قیمت نہیں اور ان دونوں قسم کے صندوقوں کو ایک دوسرے سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

یہ سن کر بادشاہ نے کہا معلوم ہوا کہ تمہاری عقل کی رسائی بس یہیں تک ہے اور دوسری چیزوں کے بارے میں بھی تمہاری شناخت ایسی ہی ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر سیاہی مائل رنگ کے صندوق کھلوائے تو موتیوں اور جواہرات کی روشنی سے سارا کمرہ جگمگا اٹھا۔ بادشاہ بولا ان دونوں صندوقوں کی مثال ان دو شخصوں کی ہے جن کے لباس اور ظاہری صورت و حال کو دیکھ کر تم انہیں ذلیل و حقیر سمجھتے تھے حالانکہ وہ دونوں علم و حکمت، نیکو کاری اور سچائی کی صفات سے مالا مال تھے جو ان جواہرات اور موتیوں سے کہیں زیادہ قیمتی اور نفیس ہیں۔ اس کے بعد سونے کے ملمع والے صندوق کھولے گئے تو سارا مجمع انہیں دیکھتے ہی لرز اٹھا اور تعفن (بدبو) سے پریشان ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ ان صندوقوں کی مثال ان لوگوں کی ہے جو ظاہر میں خوبصورت لباس اور زیب و زینت سے آراستہ ہیں مگر ان کا باطن جہل، عداوت، کبر و غرور... ...اور بدی کی بری عادتوں سے بھرا پڑا ہے جو مردار، خون اور گندگیوں سے بھی بڑھ کر خراب اور نجس ہیں۔ (کتاب بوذاسف و بلوہر ص ۳۰ تا ۳۴)

یوز آسف کی اس تمثیل کے بعد انجیل مقدس کی یہ تمثیل دیکھئے جو اس روحانی بادشاہ (مسیحؑ) نے فلسطین کے یہودی اکابر کے سامنے بیان کی تھی :۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو!! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں ○ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو"۔ (متی کی انجیل باب ۲۳ آیت ۲۷)

منیر صاحب! آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیحؑ فلسطین کے یہودی علما و اکابر کو ان کی ظاہرداری کی وجہ سے سفیدی پھری ہوئی قبروں سے تشبیہ دے رہے ہیں جو اوپر سے تو صاف ستھری نظر آتی ہیں اور اندر گلی سڑی ہڈیاں اور نجاست بھری ہوئی ہے اور دوسری طرف ہندوستان میں وارد ہونے والا مسیحؑ (یوز آسف) یہاں کے بت پرست اکابر اور سرداروں کو بھی ان صندوقوں سے تشبیہ دے رہا ہے جو اوپر سے تو دلکش ہیں، خوبصورت اور سنہرے ہیں مگر اندر مردار، گندگی اور سڑی ہوئی لاشیں بھری ہوئی ہیں جن سے تعفن پیدا ہو رہا ہے۔ کیا دونوں

کی APPROCH اور ایک ہی نوعیت کی تمثیل بیان کرنے سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ یوز آسف اور مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔

مال جمع کرنے کی تمثیل

آگے چلئے۔ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:۔

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں ○ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں ○ کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا ○" (متی کی انجیل باب ۶ آیت ۱۹ تا ۲۱)

اب دیکھئے کہ یہ مضمون صحیفہ یوز آسف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

"لوگ دنیا کے اس مال و متاع کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں جس کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور اس اعتقاد کو چھوڑ بیٹھے ہیں کہ آخرت کا گراں بہا مال ان کو بھی مل سکتا ہے..... میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کا کون سا مال ہمیشہ رہنے والا ہے اور ان لوگوں سے زیادہ خراب حال اور کون سے لوگ ہیں جو دنیاوی مال و اسباب کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں اور اسے جمع کرنے میں از خود رفتہ ہو رہے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں جس قدر مال دار ہوں گے اسی قدر آخرت میں محتاج ہوں گے اور دنیا میں جس قدر زیادہ ممتاز ہوں گے اسی قدر اللہ سے دور ہوں گے"۔ (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۱۰۱)

منیر صاحب! آپ ان دونوں اقتباسات کا تجزیہ کیجئے۔ فلسطین کے دوران قیام انجیل کی رو سے حضرت مسیحؑ اپنی قوم کو جو نصیحت فرماتے ہیں اس کے بنیادی نکات یہ ہیں:۔

(۱) زمین پر مال جمع نہ کرو کیونکہ یہ ضائع ہو جاتا ہے۔

(۲) آسمان پر مال جمع کرو جہاں جمع کیا ہوا مال کبھی ضائع نہیں ہوتا۔

(۳) جہاں تیرا مال ہو گا وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا۔

دوسری طرف ہندوستان کے دوران قیام میں حضرت مسیحؑ (یوز آسف) دانائی کی یہی باتیں پھر دہراتے ہیں ان کے بنیادی نکات بھی وہی ہیں بلکہ اسلوب بیان بھی وہی ہے:۔

(۱) لوگ اس دنیاوی مال و دولت کے لئے لڑتے جھگڑتے ہیں جو ان کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

(۲) آخرت کا مال گراں بہا ہے یعنی بہت قیمتی ہے (جو کبھی ضائع نہیں ہو گا)

(۳) جو لوگ دنیا میں زیادہ مال دار ہوں گے وہ آخرت میں اتنے ہی محتاج ہوں گے کیونکہ انہوں نے مال سے دل لگایا اس لئے وہ اللہ سے دور ہوں گے (اور بقول انجیل جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا)

ایک حیرت انگیز مماثلت

منیر صاحب! اب ایک اور مماثلت دیکھئے جو بہت ہی حیرت ناک ہے۔ اسلامی لٹریچر اور ادبیات سے جن لوگوں کو تھوڑی سی بھی آگاہی ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے اور اکثر و بیشتر تنہا ہی سفر کرتے تھے چنانچہ حدیث میں آتا ہے یعنی خود رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ پر وحی نازل فرمائی کہ اے عیسیٰ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف سفر کرتے رہو تاکہ تمہیں پہچان کر کوئی ایذا نہ دے سکے (کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

آگے چل کر حدیث کی اسی معتبر کتاب میں ایک اور مستند روایت درج ہے کہ جناب مسیحؑ ہمیشہ سفر میں رہتے تھے جہاں شام ہو جاتی تھی وہیں رہ پڑتے تھے اور جنگل کے پھلوں میں سے کچھ پھل کھا لیتے اور (صاف) پانی یعنی چشمے کا پانی پی لیتے تھے۔ (کنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۷۱)

یعنی اپنے ساتھ کھانے پینے کی اشیاء نہیں رکھتے تھے نہ سامان سفر پاس ہوتا تھا۔ تاریخ کی مشہور کتاب "روضتہ الصفا" میں بھی حضرت مسیحؑ کے حالات بیان کئے گئے ہیں اس کتاب میں اگرچہ بعض متوحش اور بے سروپا روایات بھی ملتی ہیں مگر حضرت مسیحؑ کے بارے میں ایسی روایات بھی درج ہیں جن کی احادیث سے تصدیق ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ایسی روایات نہ صرف قابل قبول ہیں بلکہ سند کا درجہ رکھتی ہیں چنانچہ "روضتہ الصفا" کا فاضل مصنف (احادیث کے حوالے سے) لکھتا ہے کہ:۔

جناب عیسیٰ بن مریم کا نام مسیحؑ اس لئے رکھا گیا کہ آپؑ سیرو سیاحت بہت کرتے تھے (اونٹ یا بھیڑوں) کے بالوں سے بنا ہوا عمامہ آپؑ کے زیب سر ہوتا کرتا بھی اونٹ یا بھیڑوں کے بالوں کا بنا ہوا ہوتا تھا ہاتھ میں عصا لئے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سفر کرتے رہتے تھے، جہاں رات پڑ جاتی وہیں رہ پڑتے۔ جنگلی پھلوں اور

چشموں کا پانی آپؑ کی غذا تھی۔ سفر سواری پر نہیں بلکہ پیدل کرتے تھے۔ (روضتہ الصفا مولفہ میراخوند جلد اول صفحہ ۱۳۰)

اب دیکھئے کہ صحیفہ یوز آسف کے ایک تمثیلی کردار کی زبانی حضرت یوز آسف بھی اپنی یہی خصوصیات بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

”میرا تو یہ حال ہے کہ نہ تو میرا کوئی مکان ہے جس میں قیام کر سکوں نہ میرے پاس سواری کا کوئی جانور ہے اور نہ سونا چاندی ہے‘ نہ صبح اور شام کا کھانا ساتھ رکھتا ہوں نہ زائد کپڑا میرے پاس ہے اور کسی شہر میں چند روز سے زیادہ نہیں ٹھہرتا‘ نہ زاد راہ لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہوں“۔ (کتاب یوزاسف و بلوہر صفحہ ۱۳)

احادیث رسولؐ“ ”روضتہ الصفا“ اور ”صحیفہ یوز آسف“ کے بیانات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیجئے اور دیکھئے کہ کیا یہ ایک ہی شخصیت کے حالات نہیں ہیں؟ گویا احادیث نبوی اور تاریخ دونوں حضرت مسیحؑ کے بارے میں ایک جیسی اطلاع دیتی ہیں کہ آپؑ:۔

(۱) ہمیشہ سفر میں رہتے تھے۔
(۲) کسی شہر یا بستی میں مستقل قیام نہیں فرماتے تھے۔
(۳) سفر سواری پر نہیں بلکہ پیدل کرتے تھے۔
(۴) کھانے پینے کا سامان اور سامان سفر ساتھ نہیں رکھتے تھے۔

دوسری طرف ہندوستان میں وارد ہونے والا مسیحؑ (یوز آسف) بھی اپنی یہی خصوصیات بیان کرتا ہے کہ:۔

(۱) میں چند روز سے زیادہ کسی شہر میں نہیں ٹھہرتا (یعنی ہمیشہ سفر میں رہتا ہوں)۔
(۲) میرے پاس سواری کا کوئی جانور نہیں۔
(۳) نہ میں صبح اور شام کا کھانا اور کپڑے اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔
(۴) میرا کوئی مکان نہیں جس میں (مستقل) قیام کر سکوں۔

آپ خود غور کیجئے کہ کیا یہ ایک ہی شخصیت نہیں جو فلسطین میں یسوع تھی اور ہندوستان میں آکر یوز اور یوز آسف بن گئی دونوں کے حالات زندگی بلکہ طرز زندگی‘ دونوں کی تعلیمات دونوں کا انداز تبلیغ کیا بالکل ایک جیسا نہیں؟

صحیفہ یوز آسف اور قرآنی تعلیمات میں مماثلت

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ نے حضرت عیسیٰؑ ابن مریم اور صحیفۂ یوز آسف کے اقتباسات پیش کر کے دونوں میں جو مقابلہ کیا ہے وہ اپنی جگہ‘ لیکن کیا قرآن و حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت یوز آسف درحقیقت حضرت عیسیٰؑ تھے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! اگر آپ صحیفۂ یوز آسف کو غور سے پڑھیں تو اس میں جگہ بہ جگہ ایسی تعلیمات ملتی ہیں جو قرآن و حدیث میں بھی پائی جاتی ہیں یہ بجائے خود اس امر کا ثبوت ہے کہ یوز آسف خدا کا مقدس نبی تھا جو حضرت مسیحؑ کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایک بات ضرور ذہن میں رکھئے کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ:۔

وہ (اللہ ہی) ہے جس نے (اے رسول) آپ پر یہ کتاب نازل کی جس کی کچھ آیات تو محکم ہیں اور اس کی جڑ کی حیثیت رکھتی ہیں اور کچھ متشابہات (میں داخل) ہیں۔ (آل عمران آیت ۷)

اس کی تشریح یہ ہے کہ محکمات تو وہ آیات ہیں‘ وہ تعلیمات ہے جو صرف قرآن سے خاص ہے اور دنیا کی کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ متشابہات وہ آیات ہیں‘ وہ تعلیمات ہیں جو دوسرے صحائف آسمانی میں بھی پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان کر کے ان کی صداقت کی تصدیق فرما دی اور انہیں اپنی آخری کتاب میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ مثال کے طور پر انجیل میں آتا ہے کہ:۔

”خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے اور ہزار برس ایک دن کے برابر (پطرس کا دوسرا خط باب ۳ آیت ۸)

اسی مضمون کو قرآن حکیم اس طرح بیان فرماتا ہے کہ:۔

(اور خدا کے نزدیک کوئی دن تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے)
(الحج آیت ۴۸)

ایک اور مثال:۔ حضرت مسیحؑ ایک دولتمند کو نصیحت فرماتے ہیں کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو اپنا (زائد) مال و دولت غریبوں میں تقسیم کر دے مگر وہ آزردہ ہو کر اور پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے

○ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے
آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ (متی کی انجیل باب ۱۹ آیت ۲۴)

یہی مضمون قرآن حکیم میں بیان ہوا ہے۔ یہ ارشاد خداوندی اس طرح شروع ہوتا ہے کہ جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور تکبر سے کام لیتے ہیں ان کے لئے:۔

"آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ گزر جائے" (گویا جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا' ناممکن ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والوں اور تکبر کرنے والوں کا جنت میں داخل ہونا' ناممکن ہے۔) (الاعراف آیت ۴۰)

یہ دو مثالیں ہیں ورنہ قرآن حکیم گزشتہ انبیاء پر نازل ہونے والے صحائف آسمانی کی تعلیمات اور واقعات سے بھرا پڑا ہے چونکہ اس وقت ذکر حضرت مسیحؑ کا ہو رہا ہے اس لئے صرف وہ چند آیات پیش کی گئی ہیں جو انجیل اور قرآن میں مشترک ہیں۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ اس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جس طرح قرآن کریم نے انجیل مقدس کی تعلیمات کے بعض حصے محفوظ کر کے ان کی صداقت کی تصدیق کر دی اسی طرح جناب یوز آسف کی تعلیمات کو بھی قرآن حکیم میں محفوظ کر لیا گیا اس طرح اس کلام کی بھی تصدیق کر دی گئی کہ یہ بھی خدا کے ایک نبی پر نازل ہوا تھا جس کا نام مسیحؑ تھا اور جو ہندوستان میں یوز آسف کے نام سے مشہور ہوا۔ اب میں جناب یوز آسف کی تعلیمات سے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں اور ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی وہ آیات جن میں میرے ناچیز خیال کے مطابق اس تعلیم کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جناب یوز آسف فرماتے ہیں:۔

"عادل حکمراں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے باز رکھتے ہیں"
(کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۵۱)

یہی مضمون قرآن حکیم میں اس طرح بیان ہوا ہے:۔
یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ جب ہم انہیں دنیا میں حاکم بنا دیں تو یہ لوگ نمازوں کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کا حکم دیں اور بری باتوں سے باز رکھیں۔

(سورۃ الحج رکوع ۱۲ آیت ۳)

منیر صاحب۔ آپ جناب یوز آسف کی تعلیم اور قرآن حکیم کے ارشادات کا تقابل کیجئے اور دیکھئے کہ کیا دونوں کا مفہوم ایک نہیں ہے:۔

یوز آسف:۔ عادل حکمران اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

قرآن حکیم:۔ جب ہم ان لوگوں (عادل افراد) کو حکمران بناتے ہیں تو یہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں۔

اور آگے چلئے۔ جناب یوز آسف فرماتے ہیں کہ:۔

ان لوگوں نے اپنے نفس کی پیروی سے نئی راہیں نکالی ہیں جو برائی کا حکم دینے والا اور لذتوں میں پھنسانے والا ہے (کتاب بوذاسف صفحہ ۴۷)

یعنی نفس ہمیشہ برائی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔

یہی مضمون قرآن حکیم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ:۔

ان النفس لا مارة بالسوء (یوسف رکوع ۴ آیت ۱)

(یقیناً نفس تو برائی ہی کی ترغیب دیتا ہے)

یوز آسف فرماتے ہیں کہ:

خداوند تعالیٰ ایسا منصف اور حاکم ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا (کتاب بوذاسف صفحہ ۵۵)

یہی مضمون قرآن حکیم میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

وما ربک بظلام للعبید (حمٓ السجدہ رکوع ۱۹ آیت ۲)

(یعنی آپ کا رب بندوں پر (ہرگز) ظلم نہیں کرتا) گویا وہ نہایت منصف حاکم ہے۔

یوز آسف فرماتے ہیں:۔

"ایسے لوگ اندھے' گونگے اور بہرے پن میں اور بے بسی و بے کسی میں مثل مردوں کے ہیں پس ان کا نام بھی وہی ہونا چاہئے"۔ (کتاب بوذاسف صفحہ ۶۷)

یہی مضمون قرآن حکیم میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ:۔

(آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچا کر) راستہ دکھا سکتے ہیں)۔ (النمل رکوع ۵ آیت ۱۰)

ایک جگہ حضرت یوز آسف فرماتے ہیں کہ:۔

"آسمان و زمین، چاند، سورج اور ستاروں کی پیدائش، آسمانوں کی گردش، پانی کا بہنا اور بادلوں کا چلنا اور کل مخلوقات کا ایک قاعدے کا پابند رہنا تم کو صاف بتا رہا ہے کہ ان مخلوقات کا کوئی خالق ضرور ہے وہی انتظام کرنے والا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

(کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۷۲)

یہ مضمون بھی قریب قریب اسی قسم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ مقامات پر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے مثلاً:-

ان فی خلق السموات والارض الخ (البقرۃ آیت ۱۶۴)

(یعنی بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں اور کشتیوں میں جو لوگوں کو نفع دینے والی چیزیں لے کر سمندر میں چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا اور پھر اس سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی پھر شاداب کیا اور اس میں ہر قسم کے حیوانات پھیلائے اور ہواؤں کے ادھر ادھر چلنے میں اور ان بادلوں میں جو زمین اور آسمانوں کے درمیان مسخر ہیں اس قوم کے لئے بہت سے نشانات ہیں جو عقل سے کام لیتی ہے۔)

منیر صاحب! آپ یوز آسف کے ارشاد اور قرآن کریم کے ارشادات عالیہ کا موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ دونوں میں بنیادی تصور ایک ہی ہے۔ دونوں میں ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش، زمین و آسمان کی گردش جس کے نتیجے میں رات اور دن رونما ہوتے ہیں۔ آسمان سے بارش کے نزول اور اس پانی کے بہنے اور بادلوں کے ادھر سے ادھر پھیلنے میں عقل والے لوگوں کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔ یوز آسف ان نشانات کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ثبوت ہے اس بات کا اس کائنات کا ایک خالق ہے وہی اس کا انتظام کرتا ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت سے پہلے والی بالکل ملحقہ آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **والھکم الہ واحد الخ** (اور تمہارا معبود واحد ہے اکیلا ہے (اس کے سوائے اور کوئی معبود نہیں) یعنی وہی کائنات کا خالق اور منتظم ہے۔

سوال یہ ہے کہ یوز آسف کی تعلیم اور قرآن حکیم کی تعلیم میں اس قدر اشتراک کیسے پیدا ہو گیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں تعلیمات کا نازل کرنے والا ایک ہی ہے اسی نے یوز

آسف کو تعلیم دی جو حضرت مسیح کا دوسرا نام ہے اور اسی نے قرآن کریم نازل فرمایا۔ ورنہ دونوں تعلیمات میں یہ اشتراک ہو سکتا ہی نہ تھا۔

اور آگے چلئے۔ یوز آسف فرماتے ہیں کہ:-

دنیا بلاشبہ ویسی ہی ہے جیسی تعریف اس کی خدا نے فرمائی ہے یعنی -------- کھیل اور تماشا اور زینت اور ایک دوسرے پر بڑائیاں جتانا اور مال و اولاد کی کثرت کی جستجو میں رہنا۔

(کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۷۴)

یہ مضمون بھی قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا ہے مثلاً:-

وما الحیوۃ الدنیا الا لعب ولھو (الانعام رکوع ۹ آیت ۳)

المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا (الکھف رکوع ۱۷ آیت ۳)

دونوں آیات کا مفہوم وہی ہے جو جناب یوز آسف بیان کرتے ہیں کہ "اور دنیا کی زندگی لہو و لعب کے سوائے اور کچھ نہیں۔ دنیا کی زندگی تو محض مال و دولت اور اولاد کی زینت (میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا نام) ہے"

اور آگے چلئے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے:-

یا یھا الذین امنوا لا تتبعوا خطوات الشیطن الخ (النور آیت ۲۱)

یعنی اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے ہو شیطان کے پیچھے مت چلو اور جو شخص شیطان کے قدم بہ قدم چلتا ہے اسے جان لینا چاہئے کہ شیطان بدیوں اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے ایک شخص بھی پاکباز نہ ہوتا البتہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاکباز بننے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت دعائیں سننے والا اور (لا محدود) علم والا ہے۔

اب سنئے! یوز آسف بھی مضمون قریب قریب انہی الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"شیطان اور اس کے چیلے ہمیشہ انسان کو تباہ کرنے اور گمراہ کرنے میں مشغول و مصروف رہتے ہیں نہ کبھی اس سے گھبراتے ہیں نہ اکتاتے ہیں ان کی تعداد بے شمار (ہے) اور ان کے مکرو فریب سے چھٹکارا سخت دشوار ہے مگر خدا کی مدد اور اس کی قوت سے اس لئے ہم خدا ہی سے چاہتے ہیں کہ اپنی اطاعت میں ہماری مدد کرے

اور اپنی قوت سے ہمیں شیطان کے مکرو فریب سے بچائے اور خدائے بزرگ و برتر
ہی کے بل پر ہمارا سارا زور اور قوت ہے" (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۸۰)

منیر صاحب! اب آپ قرآن پاک کے ارشادات عالیہ اور جناب یوز آسف کے ارشاد کا
موازنہ کیجئے:۔

"اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے بندوں کو شیطان کے پیچھے چلنے سے منع کرتا ہے۔ اس کی
وجہ یہ بیان فرماتا ہے کہ شیطان (اور اس کی ذریت) بدیوں اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتے ہیں
یعنی اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

(۲) حضرت یوز آسف بھی یہی مضمون بیان کرتے ہیں کہ "شیطان اور اس کے چیلے ہمیشہ
انسان کو تباہ کرنے اور گمراہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں"۔ کیا قرآن کریم کے ارشاد عالیہ اور
جناب یوز آسف کے ارشاد میں ذرہ برابر بھی فرق ہے؟

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے ایک شخص بھی پاکباز
نہیں رہ سکتا تھا یعنی شیطان کی دست برد سے کوئی شخص صرف اپنی کوشش سے نہیں بچ سکتا
جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوت اس کے ساتھ نہ ہو۔

(۴) جناب یوز آسف بھی یہی مضمون بیان کرتے ہیں کہ:۔

"شیطان کے مکرو فریب سے چھٹکارا حاصل کرنا سخت دشوار ہے مگر خدا کی مدد اور اس
کی قوت سے اس لئے ہم خدا ہی سے چاہتے ہیں کہ اپنی اطاعت میں ہماری مدد کرے۔

(۵) دوسری طرف قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت دعائیں سننے والا ہے۔

(۶) یوز آسف بھی اسی سے دعا کرنے کی تلقین کرتے ہیں کہ "اے اللہ اپنی اطاعت میں ہماری
مدد کر اور ہمیں شیطان کے مکرو فریب سے بچا"۔

منیر صاحب! یوز آسف کے ارشادات اور قرآن حکیم کے ارشادات عالیہ کا موازنہ کرنے
کے بعد صاف محسوس ہوتا ہے کہ جناب یوز آسف خدا کے پیغمبر تھے اور ان پر جو وحی نازل
ہوئی تھی اس کے بہت سے حصے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں محفوظ کر لئے۔ یعنی انجیل کے دو
حصے تھے ایک حصہ وہ جو حضرت مسیحؑ پر فلسطین میں قیام کے دوران نازل ہوا اور دوسرا حصہ وہ
جو ہجرت فلسطین کے بعد ہندوستان کے دوران قیام انؑ پر نازل ہوا جب حضرت مسیحؑ کو یوز
آسف کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جس طرح انجیل مقدس کے پہلے حصے کی بعض تعلیمات قرآن

حکیم نے محفوظ کر لیں اسی طرح دوسرے حصے کی تعلیمات کے بعض حصے بھی قرآن حکیم میں
محفوظ کر لئے گئے۔ اب ایک تمثیل سنئے جو "کتاب بوذاسف" میں ایک فرضی اور تمثیلی کردار
کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ یہ تمثیلی کردار جناب یوز آسف سے ایک مسئلہ دریافت کرتا ہے اور
اسے ایک کہانی کے رنگ میں بیان کرتا ہے' کہانی یہ ہے:۔

مردار خوری کی تمثیل

"کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا اس کا ملک بہت بڑا اور لشکر بہت جرار تھا اور خزانہ بھی
بے شمار تھا۔ نہ معلوم بیٹھے بٹھائے اسے کیا سوجھی کہ ایک دوسرے ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ
کر بیٹھا تاکہ اس پر بھی قبضہ کر لے اس طرح اس کی مملکت کی حدود اور وسیع ہو جائے گی اور
مال و دولت میں بھی اضافہ ہو جائے گا چنانچہ بادشاہ اپنا لشکر' خزانہ اور بیوی بچوں کو ساتھ لے
کر جنگ کے لئے اپنے پایہ تخت سے روانہ ہوا۔ جب دونوں فوجوں کے درمیان مقابلہ ہوا تو
اس دوسرے بادشاہ کی فوج نے اس پہلے بادشاہ کی فوج کو مار بھگایا۔ بادشاہ کو بھی اپنی بیوی اور
بچوں کو لے کر فرار ہونا پڑا۔ شام کے وقت سرکنڈوں کے ایک جنگل کے قریب پہنچا جس کے
نزدیک ایک نہر بہتی تھی۔ بال بچوں کو لے کر اس جنگل میں گھس گیا اور اپنے گھوڑوں کو آزاد
کر دیا تاکہ ان کے ہنہنانے کی آواز سن کر دشمن اس کا اور اس کی بیوی بچوں کا پتہ نہ لگا
لے۔ ساری رات اسی جنگل میں گزاری اور رات بھر دشمن کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں
آتی رہیں جب صبح ہوئی تو اس نے جنگل سے نکلنا چاہا مگر نہ نکل سکا کیونکہ دریا پار کرنا اس کے
لئے ممکن نہ تھا دوسری طرف دشمن کا ڈر بھی لگا ہوا تھا ناچار اسی تنگ جگہ میں ٹھہرا رہا۔ ایک
طرف موذی جانوروں کی دہشت اور سردی کی شدت اور دوسری طرف یہ مصیبت کہ اس کے
ساتھ کھانے پینے کے لئے کچھ نہ تھا چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کے مارے بلک رہے تھے۔
جوں توں کر کے اس حالت میں بادشاہ نے دو دن تو کاٹے (تیسرے دن) ایک بچہ بھوک کی
شدت کی تاب نہ لا کر مر گیا جسے دریا میں پھینک دیا۔ جب مجبوری انتہا کو پہنچ گئی تو بادشاہ نے
اپنی ملکہ سے کہا کہ اب تو ہم سب کے سب مرنے کے قریب ہو گئے ہیں سب کے مرجانے
سے بہتر یہ ہے کہ کچھ مریں اور کچھ باقی رہیں...... اس لئے صلاح یہ ٹھہری کہ جب تک اللہ
یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا نہ کرے اس وقت تک ہماری اور ہماری بقیہ اولاد کا یہی

سہارا ہو کہ ہم اپنے (مردہ) بچوں کا گوشت کھا کر اپنی جانیں بچائیں اور اگر ہم اس میں دیر کریں گے تو پھر ان کے گوشت سے (بھی) کچھ فائدہ نہ ہو گا (اور ہم اتنے کمزور ہو جائیں گے) کہ اگر یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا بھی ہو گئی (تو ناطاقتی کی وجہ سے) اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں گے بادشاہ کی بیوی نے بھی یہ صلاح مان لی اور ایک ایک بچے کا گوشت باری باری کھانا شروع کر دیا۔

تمثیلی کردار بلوہر' یوز آسف سے سوال کرتا ہے کہ بتاؤ اس بادشاہ کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے آیا وہ اس مردار اور حرام گوشت سے کتوں کی طرح پیٹ بھرے گا یا کسی کام (مجبوری) میں پھنسے ہوئے ناچار شخص کی طرح جان بچانے کو ایک دو نوالے کھا لے گا۔ یوز آسف جواب دیتے ہیں کہ مجبوری میں پھنسے ہوئے شخص کی طرح ایک دو نوالے ہی کھائے گا"۔ (کتاب بوذاسف وبلوہر صفحہ ۴۵' ۴۶)

اب آپ قرآن کریم کی طرف رجوع کیجئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

قل لا اجدفی ما اوحی الی محرما الخ (الانعام رکوع ۱۷ آیت ۱)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ مردار' بہتا ہوا خون' سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ (بتوں وغیرہ) سے منسوب ہوں ان کا کھانا حرام قرار دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتا ہے کہ ان حرام اور مردار چیزوں کا کھانا اس صورت میں جائز ہے کہ کوئی شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا۔

یہی مضمون یوز آسف کی تمثیل میں بیان کیا گیا ہے کہ مردہ گوشت کھانا صرف اس صورت میں جائز ہے کہ کھانے والا کسی مصیبت میں پھنس جائے اور جان کے لالے پڑ جائیں گویا اپنی جان بچانے کے لئے چند نوالے کھا سکتا ہے اس سے لذت حاصل کرنا ہرگز جائز نہیں' اسی کا نام قرآن حکیم نے حد سے گزر جانا قرار دیا ہے۔

منیر صاحب! مضمون طویل ہوتا جا رہا ہے اس لئے میں چند اور مقامات کا تقابل کر کے اجازت چاہوں گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ :۔

(جو لوگ برے کام کرتے ہیں انہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا اور جو نیک کام کریں گے انہیں اس کی جزا دی جائے گی۔ النجم رکوع ۱۵ آیت ۶)

یہی مضمون جناب یوز آسف بیان کرتے ہیں :۔

جو کوئی نیک عمل کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا اور جو کوئی بد عمل کرے گا وہ اس کے سبب سے پکڑا جائے گا (کتاب وبوذاسف وبلوہر صفحہ ۸۸)

غور کیجئے کیا دونوں مضمونوں میں ذرہ برابر بھی فرق ہے؟ فرق اتنا ہے کہ ایک وحی مکہ میں رسولؐ اقدس پر نازل ہوئی اور دوسری وحی حضرت مسیحؑ (یوز آسف) پر ہندوستان میں نازل ہوئی مضمون دونوں کا ایک ہی ہے۔ آگے چلئے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

ولذکر اللہ اکبر (العنکبوت آیت ۴۵)

(اور اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا (یا افضل) کام ہے)

یہی مضمون جناب یوز آسف اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

"سب سے افضل نیکی خدا کا ذکر ہے" (کتاب بوذاسف صفحہ ۸۹)

رسولؐ پاک اور یوز آسف کے کلام میں مماثلت

منیر احمد :۔ پیام صاحب! قرآن شریف اور یوز آسف کے فرمودات میں اشتراک تو ثابت ہو گیا اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ یوز آسف کوئی انڈین شخصیت نہیں تھی۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے رسولؐ پاک اور یوز آسف کے کچھ فرمودات بھی آپس میں ملتے جلتے ہیں :۔

پیام شاہجہانپوری :۔ جی منیر صاحب! اس وقت میرے سامنے جناب یوز آسف کے بعض ایسے فرمودات ہیں جن کا مضمون وہی ہے جو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مثال کے طور پر حضورؐ کا ارشاد ہے :۔

"**الدنیا سجن المومن و جنتہ الکافر**" (حدیث نبوی)

یعنی دنیا مومن کے لئے دوزخ اور کافر کے لئے جنت ہے۔

دوسری طرف جناب یوز آسف فرماتے ہیں :۔

دنیا نیکو کاروں کا قید خانہ اور بدکاروں کے لئے بہشت ہے" (کتاب بوذاسف وبلوہر صفحہ ۹۶)

ایک اور جگہ حضورؐ اقدس فرماتے ہیں کہ :۔

"**لا یومن احد کم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ**" (حدیث نبوی)

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے نفس کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے بھائی کے لئے پسند کرتا ہے)

دوسری طرف جناب یوز آسف فرماتے ہیں۔

"دوسروں کے لئے وہی چاہ جو اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے" (کتاب بوذاسف صفحہ ۸۴)

ہاں منیر صاحب! یاد آیا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

"ان اللہ یحب المقسطین (المائدہ آیت ۴۲)

(یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

دوسری طرف جناب یوز آسف فرماتے ہیں:۔

"اور اللہ تعالیٰ انصاف ہی سے خوش ہوتا ہے" (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۷۲)

عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی جس سورت میں یہ مضمون بیان ہوا ہے وہ پوری سورت حضرت مسیحؑ کے واقعات و حالات کے لئے مخصوص ہے یعنی سورۃ المائدہ یوں لگتا ہے کہ گویا اس میں واضح اشارہ موجود ہے کہ نزول قرآن سے پہلے یوز آسف نام کی جو شخصیت یہ مضمون بیان کر چکی ہے کہ (اللہ تعالیٰ انصاف ہی سے خوش ہوتا ہے) وہ شخصیت مسیحؑ ابن مریم کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی کیونکہ چھ سو سال کے بعد قرآن حکیم نے سورہ مائدہ میں جو حضرت مسیحؑ سے مخصوص ہے یہی مضمون بیان کر کے اس امر کی تصدیق کر دی۔

کیا گوتم بدھ سری نگر میں دفن ہیں؟

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ نے جو حقائق بیان کئے ہیں ان کے وزن کے بارے میں تو قارئین ہی بہتر فیصلہ کریں گے البتہ ایک شبہ باقی رہ گیا ہے کہ کیا حضرت عیسیٰؑ کی قبر اور یوز آسف کی قبر ایک ہی ہے جبکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مہاتما بدھ اپنے وطن سے تبلیغ کرتے ہوئے کشمیر آئے تھے اور وہیں فوت ہو گئے تھے' سری نگر میں انہیں دفن کیا گیا تھا دراصل یہ ان کی قبر ہے یعنی گوتم بدھ کی۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! گوتم بدھ کے کشمیر میں دفن کئے جانے کی روایت قطعاً" غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ یوں بھی تاریخ دراصل نام ہی روایات کے مجموعے کا ہے۔ ان میں صحیح روایات بھی ہوتی ہیں اور غلط بھی۔ جو شخص حقائق تک پہنچنا چاہتا ہے یہ کام اس کا ہے کہ ان روایات کی چھان پھٹک کرے اور دیکھے کہ ان میں سے کون سی روایت واقعات اور عقل سے مطابقت رکھتی ہے اسے قبول کر لے صحیح تاریخ اسی طرح بنتی ہے۔ آپ نے

جس شبہ کا اظہار کیا ہے اسے دور کرنے کا بہت سیدھا اور صاف طریقہ موجود ہے۔ یہ معلوم کیا جائے کہ مہاتما بدھ کہاں فوت ہوئے اور یوز آسف نے کہاں وفات پائی اور دونوں کی آخری رسوم کس طرح ادا کی گئیں۔ اگر دونوں کا مقام وفات ایک ہی ہے اور دونوں کی آخری رسوم ایک ہی طرح ادا کی گئیں پھر تو آپ کا شبہ درست ہے ورنہ نہیں۔ جب ہم تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے ----

تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ مہاتما بدھ "کپل وستوکے" کے رہنے والے اور وہاں کے شہزادے تھے اور کپل وستو ہندوستان کے صوبہ بہار میں واقع تھا۔ انتہائی مستند روایت کے مطابق مہاتما بدھ:۔

"کپل وستو سے ۸۰ میل دور "کوسی نارا" (KUSINARA) کے مقام پر فوت ہوئے یہ جگہ بنارس سے ۱۲۰ کلومیٹر دور شمال مشرق کی جانب واقع تھی" (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھیکس (ETHICS) جلد دوم صفحہ 88 نیویارک 1909ء)

ان کی آخری رسوم کس طرح ادا کی گئیں؟ اس کی ساری تفصیل انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن کی اسی جلد میں درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"ان (مہاتما بدھ) کی نعش پر چھ دن تک روایتی مذہبی گیت گائے گئے ساتویں دن شہر (کوسی نارا) سے باہر لے جا کر ان کی میت کو آٹھ ممتاز مذہبی رہنماؤں نے خوشبودار لکڑیوں کی چتا پر رکھ کر نذر آتش کر دیا"۔ (صفحہ ۸۸۴)

منیر صاحب! یہ ایسی حقیقت ہے جسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا کہ گوتم بدھ نے بنارس کے قریب وفات پائی اور مقام وفات کے قریب ان کی میت کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اب دیکھئے کہ جناب یوز آسف نے کہاں وفات پائی اور ان کی آخری رسوم کس طرح ادا کی گئیں۔ اس سلسلے میں صحیفہ یوز آسف ہماری سب سے بہتر رہنمائی کرتا ہے اس کے بعد کشمیر کی قدیم تاریخیں ہمیں روشنی دیتی ہیں۔ صحیفہ یوز آسف کے عربی مترجم عبداللہ ابن المقنع نے جو دوسری صدی ہجری کا فاضل تھا یعنی آج سے قریباً ساڑھے بارہ سو سال قبل گزرا ہے کتاب کے آخری صفحے پر وضاحت کی ہے کہ:۔

"اہل ہند کے عقیدے کے مطابق بوذاسف (یوز آسف) خدا کے ان رسولوں میں سے تھا جو اگلے زمانوں میں ہو گذرے ہیں۔ وہ ہندوستان کے شہر بہ شہر پھرا تھا اور اس طرح سے پھرتا

ہوا کشمیر پہنچا جو اس کے سفر کا منتہیٰ ثابت ہوا اس لئے کہ موت نے (اسے) یہاں سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ (کتاب یوزآسف وبلوہر ص ۲۵۹۔ ۲۶۰)

منیر صاحب! آپ نے دیکھ لیا کہ تاریخ کہتی ہے کہ گوتم بدھ نے بنارس (یوپی) کے مضافات میں وفات پائی جبکہ یوز آسف نے کشمیر میں وفات پائی۔ گوتم بدھ کی نعش کو چتا پر رکھ کر نذر آتش کیا گیا جبکہ یوز آسف کو سری نگر میں دفن کیا گیا جہاں آج تک ان کا مزار موجود ہے۔ ایک قدیم فارسی کتاب "تاریخ قاسم باغ" کے مصنف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ مزار جناب یوز آسف کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

گشت مبعوث خلق و شد ہادی — عاقبت رخت بست ازیں وادی
ہست آں مشکبوئے تربتِ او — کہ بہ یوز آسف است شہرتِ او

("تاریخ قاسم باغ" بحوالہ نگارستان کشمیر ۲۸۵ مولفہ قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی)

(یعنی اسے (یوز آسف) کو لوگوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا اور وہ ان کا ہادی بنا۔ اسی وادی (کشمیر) میں اس نے عالم آخرت کی طرف رخت سفر باندھا۔ اس کے مزار سے مشک کی خوشبو آتی ہے' یہ وہی ہے جو یوز آسف کے نام سے مشہور ہے)۔

کشمیر کی ایک اور بہت مستند فارسی تاریخ "تاریخ اعظمی" میں بھی یہی اطلاع دی گئی ہے کہ "در عوام مشہور است کہ آں جا پیغمبر آسودہ است کہ در زمانہ سابقہ در کشمیر مبعوث شد۔
(تاریخ اعظمی صفحہ ۸۲)

(عوام میں مشہور ہے یعنی یہ بات زبان زدِ خلائق ہے کہ اس مقام پر ایک پیغمبر ابدی نیند سو رہا ہے جو زمانہ گزشتہ میں وادی کشمیر کی طرف بھیجا گیا تھا)

آگے چل کر اسی کتاب میں صراحت کی گئی ہے کہ اس پیغمبر کا نام یوز آسف تھا اس کا مزار سری نگر میں خانیار سے متصل واقع ہے۔ (تاریخ اعظمی صفحہ ۸۲)

گویا ثابت ہو گیا کہ یوز آسف کو کشمیر (سری نگری) میں دفن کیا گیا تھا اور زمانہ قدیم سے یہ بات زبان زدِ خلائق ہے کہ یوز آسف خدا کے نبی تھے جو کشمیر کی طرف بھیجے گئے تھے۔ جبکہ مہاتما بدھ کو صوبہ بہار کے مشہور شہر "گیا" میں اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل ہوا اور اسی (۸۰) سال کی عمر پا کر یوپی کے شہر بنارس کے قریب (کوسی نارا) کے مقام پر فوت ہوئے اور ان کی نعش کو وہیں نذر آتش کر دیا گیا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب آپ کے دلائل سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ گوتم بدھ اور یوز آسف دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں یعنی دونوں کے زمانے اور دونوں کی شخصیتیں جدا جدا ہیں حتیٰ کہ دونوں کے مقام وفات اور آخری رسوم ادا کرنے کے طریقے بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ یوز آسف ہی حضرت عیسیٰؑ تھے اور یوز آسف کی قبر دراصل حضرت عیسیٰؑ کی قبر ہے؟

یوز آسف کی قبر' مسیحؑ کی قبر ہے

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ کا سوال بہت معقول اور بلاشبہ جواب طلب ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو میں خود صحیفہ یوز آسف سے شہادتیں پیش کروں گا کیونکہ اس کا عربی مترجم (عبداللہ ابن المقفع) آج سے تقریباً ساڑھے بارہ سو سال پہلے گزرا ہے وہ ایک غیر جانبدار اسکالر تھا اور نہ اس وقت اس معاملے نے کسی مذہبی یا تاریخی تنازعے کی صورت اختیار کی تھی جس میں وہ کسی جانب داری سے کام لیتا اس کے سامنے جو واقعات تھے وہ اس نے بے کم و کاست بیان کر دئے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"اہل ہند کے عقیدے کے موافق...... بوزاسف (یوز آسف) خدا کے رسولوں میں سے تھا جو اگلے زمانوں میں ہو گزرے ہیں اور وہ ہندوستان میں شہر بہ شہر پھرا تھا اور جس شہر میں پہنچتا تھا وہاں کے رہنے والے اس پر ایمان لاتے اور اس کے علم سے نفع اٹھاتے تھے۔ اسی طرح سے پھرتا ہوا کشمیر پہنچا جو اس کے سفر کا منتہیٰ ثابت ہوا اس لئے کہ موت نے یہاں سے اسے آگے نہ بڑھنے دیا۔ جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے ایک شاگرد کو جس کا نام "ابابیل" یا "ابابد" تھا اور جس نے اس کی بڑی خدمت کی تھی اور سب امور میں کامل تھا یہ وصیت کی کہ میں نے لوگوں کو تعلیم دی' خدا سے ڈرایا "ربیعہ" کی خوب نگہداشت کی...... اور ایمان والوں کی جماعت کو جو منتشر تھی مجتمع کیا اور انہی کے لئے میں بھیجا گیا تھا"۔
(کتاب بوزاسف و بلوہر صفحہ ۲۵۹' ۲۶۰)

اس بیان کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے کے بعد تین نکات سامنے آتے ہیں:۔

(ا) یوز آسف کسی باہر کے علاقہ سے کشمیر میں آئے تھے اور وہ یہیں فوت ہو گئے۔

(۲) فوت ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے جس کا نام "ابابیل" تھا جو آخری الفاظ کہے وہ یہ تھے کہ "میں نے لوگوں کو تعلیم دی انہیں خدا سے ڈرایا اور "بیعہ" کی بہت اچھی طرح نگرانی کی۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں جن کا میں عکس پیش کرتا ہوں۔

یقول لتلمیذہ ابابید فی وصیتہ الاخیرۃ انی قد علّمت واظللت واحسنت البیعۃ ووضعت فیہا مصابیح (عربی نسخہ صفحہ ۲۸۵)

(یعنی اپنے شاگرد ابابیل کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے لوگوں کو خدا سے ڈرنے کی تعلیم دی اور "بیعہ" کی نہایت احسن طریقے سے نگہداشت کی اور اس میں چراغ روشن کیے۔)

اسلامیات اور تاریخ مذاہب کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ "بیعہ" (جسے اردو ترجمے میں غلطی سے بیعت بنا دیا گیا) مسیحی مذہب کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں اور خود قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی امت کی عبادت گاہوں کو یہی نام عطا فرمایا ہے چنانچہ سورہ حج کے رکوع نمبر ۵ کی آیت نمبر ۲ میں مسیحیوں کی عبادت گاہوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بِیَعٌ کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو "بیعہ" کی جمع ہے۔ گویا ثابت ہو گیا کہ اپنے شاگرد "ابابیل" (یا ابابد) کو وصیت کرنے والا بزرگ حضرت مسیح ناصریؑ تھا جو عالم نزع سے قبل اعلان کر رہا تھا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اللہ کا گھر تعمیر کر دیا ہے جسے وہ "بیعہ" کا نام دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے اس کی نہایت احسن طریقے سے نگہداشت کی اور اس میں چراغ روشن کر دیے ہیں۔

منیر صاحب! اب ذرا اپنے ذہن میں وہ واقعہ تازہ کیجئے جب حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرما رہا تھا کہ میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھنا۔ بالکل اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی اپنے شاگردوں کو نصیحت و وصیت فرما رہے ہیں کہ میں نے "بیعہ" (کو قائم کیا اور اس) کی خوب نگہداشت کی ہے اور اس میں چراغ روشن کئے ہیں یعنی اسے پاک و صاف رکھا ہے اور شرک و بدعت کی ظلمات سے بچایا ہے پس تم بھی میرے نقش قدم پر چلتے ہوئے بیعہ (اللہ کے گھر) کو ظاہری

اور باطنی دونوں قسم کی آلودگی سے پاک رکھنا۔

یوز آسف کی اس وصیت میں "بیعہ" کا لفظ کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ یوز آسف اگر حضرت مسیحؑ نہ ہوتے تو وہ اپنی امت کی عبادت گاہ کے لئے "بیعہ" کا لفظ ہرگز استعمال نہ کرتے جو قرآن حکیم نے صرف اور صرف حضرت مسیحؑ کی امت کی عبادت گاہ کے لئے استعمال کیا ہے۔

(۳) اپنی وصیت میں یوز آسف فرماتے ہیں کہ میں نے ایمان والوں کی جماعت کو جو منتشر تھی مجتمع کیا اور انہی کے لئے میں بھیجا گیا تھا۔ وصیت کے ان الفاظ نے مسئلہ پوری طرح حل کر دیا کہ وصیت کرنے والی شخصیت حضرت مسیح ناصریؑ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایمان والوں کی جماعت کو جو منتشر تھی مجتمع کر دیا۔ یہ اشارہ ہے بنی اسرائیل کی طرف جنہیں آپ "اپنی گم شدہ بھیڑیں قرار دیتے تھے اور جن کی طرف جانے کے بار بار اشارے دیتے تھے مثلاً:۔

"اسرائیل کی ایک گمشدہ بھیڑ بھی تلاش کی جائیگی (ملخص۔ متی کی انجیل باب ۱۸ آیت ۱۲) میری کچھ اور بھیڑیں بھی ہیں جو اس بھیڑ خانے کی نہیں مجھے ان کو بھی لانا (یعنی جمع کرنا) ضرور ہے (یوحنا کی انجیل باب ۱۰ آیت ۱۶)

انجیل میں حضرت مسیحؑ اپنی گمشدہ بھیڑوں کی طرف جانے اور انہیں تلاش کرنے کا اشارہ دیتے ہیں انہیں لانے یعنی جمع کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور اپنی اس دوسری انجیل (یعنی صحیفہ بوذ اسف و بلوہر) میں اپنے شاگرد ابابیل کو بتاتے ہیں کہ میں نے اپنا مشن مکمل کر لیا اور ایمان والوں کی جماعت کو جو منتشر تھی مجتمع کر دیا۔

آگے چل کر اسی کتاب (بوذ اسف و بلوہر) میں فرماتے ہیں کہ

"اور انہی کے لئے میں بھیجا گیا تھا" (صفحہ ۳۶۰)

یعنی میں نے ایمان والوں کی جس منتشر جماعت کو مجتمع کیا ہے میں انہی کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کیا یہ اپنے اس ارشاد کی طرف واضح ترین اشارہ نہیں کہ :۔

"میں اسرائیل کی منتشر (گم شدہ) بھیڑوں کی طرف انہیں اکٹھا کرنے کی غرض سے بھیجا گیا ہوں:۔

دوسری طرف قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کے بارے میں فرماتا ہے کہ:-

و رسولا الی بنی اسرائیل (آل عمران آیت ۴۹)

اور (اللہ تعالیٰ مسیحؑ کو) بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمائے گا)

اب بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ اپنی وفات کے وقت اپنے شاگرد کو وصیت کرنے والا کہہ رہا ہے کہ میں نے (اپنی قوم کے) منتشر افراد کو ایک ہاتھ پر جمع کر دیا ساتھ یہ بھی فرما رہا ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف مجھے رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ معلوم دنیا کی معلوم تاریخ میں حضرت مسیحؑ کے علاوہ اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ مجھے گمشدہ بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور اس کے اس دعوے کی انجیل اور قرآن دونوں نے تصدیق کی ہو پس ثابت ہو گیا کہ کشمیر کے مقام سری نگر میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کرنے والا پیغمبر مسیحؑ ابن مریمؑ کے سوائے کوئی نہیں تھا جس نے آنے والی نسلوں اور قوموں پر اتمام حجت کی غرض سے یہ فیصلہ کن اعلان کر دیا کہ میں وہی رسول ہوں جسے اپنی قوم کے گمشدہ افراد کی تلاش کے لئے بھیجا گیا تھا اور یہ مشن میرے سپرد کیا گیا تھا کہ میں انہیں تلاش کرنے کے لئے سفرِ دور دراز اختیار کروں اور پھر انہیں مجتمع کر کے ان کے لئے بِیعَہ (اللہ کا گھر) تعمیر کروں اور اسے ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف رکھوں اور اس میں ضلالت اور گمراہی سے محفوظ رکھنے والے چراغ روشن کروں سو تم گواہ رہو کہ میں نے اپنا مشن مکمل کر لیا اور اب میں دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں تم میرے مشن کو جاری رکھنا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس وصیت نامے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم کشمیر میں بنی اسرائیل کی بہت بڑی تعداد حضرت مسیحؑ پر ایمان لے آئی تھی کیونکہ آپؑ اپنے شاگردوں سے جو وہاں موجود تھے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ:-

"تم سب کو لازم ہے کہ اپنے فرائض کی نگہداشت کرو اور جس امر حق کو تم نے شکر گذاری کی وجہ سے پایا ہے اسے ہرگز ہاتھ سے نہ دو اور "ابابیل" کو اپنا سردار سمجھو"۔ (کتاب کا صفحہ ۲۶۰)

یوز آسف کا بیان کہ وہ غیر ملک سے آئے ہیں

منیر احمد:- پیام صاحب! یہ تو صحیفہ یوز آسف کی اندرونی شہادتیں ہیں کیا ان کے علاوہ
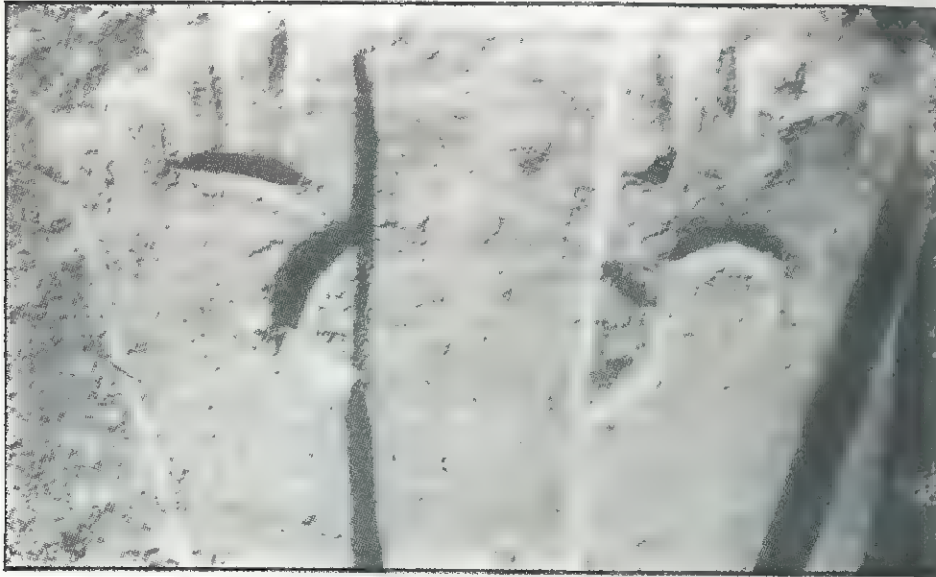
حضرت مسیحؑ کے مزار واقع سری نگر (کشمیر) میں مزار کے ساتھ پتھر کی سِل جس پر زمانہ قدیم کے کسی مسیحی سنگ تراش نے حضرت مسیحؑ کے قدموں کے نشان کندہ کئے ہیں اور پیروں پر زخموں کے نشان بھی بنائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قبر کے بارے میں زمانہ قدیم میں بھی یہی خیال تھا کہ اس میں ایک ایسی شخصیت دفن ہے جسے صلیب دی گئی تھی۔

یروشلم میں واقع "دیوار گریہ" جس سے لپٹ کر یہودی بیت المقدس کی بازیابی کے لئے رو رہے ہیں۔ (۱۹۵۴ء کی ایک تصویر)

بھی کچھ شہادتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یوز آسف ہی حضرت عیسیٰؑ تھے؟ میرا مطلب ہے کہ بیرونی شہادتیں بھی ہیں؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! میں کچھ بیرونی شہادتیں بھی پیش کروں گا مگر اس انٹرویو کے دوران مجھے صحیفہ یوز آسف سے کچھ اندرونی شہادتیں اور مل گئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی پیش کر دوں ان پر بہت غور کرنے کی ضرورت ہے۔ روایت کے مطابق ہندوستان کا ایک کاہن جناب یوز آسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

> "آپ وہ مقتدیٰ و امام ہیں جن کے آنے کا سارا ہندوستان امیدوار ہے اور نیک بختی کے وہ روشن ستارے ہیں جس کے نکلنے کا سب کو انتظار ہے آپ کے آنے کا ذکر سابق زمانے کی (ان) روایتوں میں ہے جو دین کے پیشواؤں سے منقول ہیں"۔
> (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۲۲۲)

اس اقتباس پر اگر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کاہن موصوف یوز آسف کو ایسا مرسل قرار دے رہا ہے جو ہندوستان میں پیدا نہیں ہوا بلکہ کسی بیرون ملک سے آیا تھا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ:۔

> "آپ کے آنے کا سارا ہندوستان انتظار کر رہا تھا"۔

یہ الفاظ اسی شخص کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں جو کہیں باہر سے آیا ہو۔ اس روایت کی ایک دوسری روایت سے تائید ہوتی ہے چنانچہ اس کتاب کا ایک تمثیلی کردار "بلوہر" جناب یوز آسف سے کہتا ہے کہ:۔

> "تو ایسے ملک میں ہے جہاں کے باشندوں کو شیطان نے انواع و اقسام کے حیلوں اور طرح طرح کے مکروں میں پھنسا رکھا ہے"۔ (کتاب کا صفحہ ۷۹، ۸۰)

ان الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یوز آسف کہیں باہر سے آئے تھے' وہ یہاں کے باشندوں کے اطوار و کردار سے اچھی طرح واقف نہ تھے اس لئے "بلوہر" انہیں مطلع کر رہا ہے اور یہاں کے لوگوں کا یہ کہہ کر تعارف کرا رہا ہے کہ تو ایسے ملک میں ہے جہاں کے رہنے والے شیطان کے دام فریب میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اگر جناب یوز آسف یہیں کے باشندے ہوتے تو "بلوہر" کو انہیں یہ نئی اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی کہ یہاں کے لوگ شیطان کے قبضے میں آ چکے ہیں وہ تو خود یہ بات جانتے ہوں گے۔

اب ایک اور روایت دیکھئے جس نے بات کو پوری طرح واضح کر دیا۔ اس روایت کے مطابق یوز آسف ایک زاہد کو جو زخموں سے چور اور قریب المرگ تھا اپنا احوال سناتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:۔

"آخر میرے ملک کا ایک مسافر میرے پاس پہنچا' اس نے مجھے ان دشمنوں کے ملک سے نکل بھاگنے کی راہ بتائی اور اس کے نشیب و فراز میرے ذہن نشین کر دیئے"۔
(کتاب کا صفحہ ۱۵۲' ۱۵۳)

منیر صاحب! اب تو پوری طرح ثابت ہو گیا کہ جناب یوز آسف غیر ملکی شخص تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ------ "میرے ملک کا ایک مسافر میرے پاس پہنچا" ------ کے الفاظ کبھی استعمال نہ کرتے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جناب یوز آسف اس وقت ایک غیر ملک میں تھے اور ان کے ملک (فلسطین) کا ایک یہودی جو اس علاقے میں آمد و رفت رکھتا تھا یا یہیں رہ پڑا تھا ان کے پاس آیا اور انہیں اس علاقے سے نکل جانے کا مشورہ دیا اور راستے کے سلسلے میں بھی ان کی راہنمائی کی۔ یہ واقعہ اس وقت کا معلوم ہوتا ہے جب جناب یوز آسف (حضرت مسیحؑ) ان برہمنوں کی طرف سے خطرہ محسوس کر رہے تھے جن کے غلط عقائد کو آپؑ نے چیلنج کیا تھا اور اس ظلم کی مذمت کر رہے تھے جو یہ برہمن شودروں پر روا رکھتے تھے۔ حضرت مسیحؑ کے اس طریقۂ کار کی وجہ سے برہمن آپؑ کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ مشہور روسی سیاح نکولوس نوٹووچ نے اپنی کتاب "THE UNKNOWN LIFE OF CHRIST" میں بیان کیا ہے۔ (صفحہ ۱۴۶' ۱۴۷)

سوچئے اور سوبار سوچئے کہ اگر جناب یوز آسف ہندوستان کے رہنے والے ہوتے تو وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ ------ "آخر میرے ملک کا ایک مسافر میرے پاس پہنچا ------" اس سے ثابت ہو گیا کہ جناب یوز آسف یقینی طور پر کسی غیر ملک سے آئے تھے۔

یوز آسف کا وطن فلسطین تھا

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ملک کون سا تھا جہاں سے یوز آسف ہندوستان آئے تھے؟
صحیفہ یوز آسف کی مندرجہ ذیل روایت نے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل کر دیا:۔

"اسی زمانے میں خدا نے ایک فرشتہ یوز آسف کے پاس بھیجا .... جب

فرشتہ ظاہر ہوا اور اس نے انہیں سلامتی کی بشارت دی تو یوز آسف نے سجدہ کیا پھر کہا کہ جس نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے میں اس کا شکر گزار ہوں کیونکہ اس نے مجھ پر عنایت و رحمت کی اور مجھے دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا اور میری بے قراری پر توجہ کی (کتاب بوذاسف و بلوہر صفحہ ۲۴۸' ۲۴۹)

جناب یوز آسف کے خط کشیدہ الفاظ ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انہیں ------ "دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑا" ------ یہ واضح ترین اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب آپؑ دشمنوں کے ہاتھوں میں پھنس گئے تھے اور انہوں نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ آپؑ کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر جناب یوز آسف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر گزاری کا اظہار کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ تو نے مجھ پر عنایت و رحمت کی اور دشمنوں کے ہاتھ سے نجات دیدی یعنی صلیبی موت سے بچا لیا۔ ساتھ ہی ایک اور بات بھی فرما دی کہ:۔

"اور میری بے قراری پر توجہ کی"۔

اس جملے نے سارا عقدہ حل کر دیا۔ غور کیجئے کہ حضرت مسیحؑ پر بے قراری کس کس وقت طاری ہوئی تھی؟ انجیل کہتی ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کو یقین ہو گیا کہ آج کی رات انہیں صلیب پر ہلاک کرنے کے لئے گرفتار کیا جائے گا تو آپؑ پر سخت بے قراری کی کیفیت طاری ہوئی اور آپؑ نے اپنے شاگردوں سے (گتسمنی کے مقام پر) کہا کہ:۔

"میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے...... پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے (پھر شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ) جاگو اور دعا کرو تا کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے ○ پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر یہ (پیالہ) میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو ○ (متی کی انجیل باب ۲۶ آیت ۳۸ تا ۴۲)

یہ تھی وہ بے قراری کی کیفیت جو یہودیوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے اور صلیب پر چڑھنے سے پہلے آپؑ پر طاری ہوئی تھی اور یہ بے قراری اپنی جان کے خوف سے نہ تھی بلکہ آپؑ یہ سوچ کر بے قرار ہو رہے تھے کہ تبلیغ دین کا جو کام آپ کے سپرد ہوا ہے وہ نامکمل رہ جائے گا۔

دوسری بار پھر آپؑ پر بے قراروی کی کیفیت اس وقت طاری ہوئی جب آپؑ کو صلیب پر چڑھایا گیا اور آپؑ نے انتہائی کرب کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ :۔

"ایلی ایلی لما شبقتنی" (متی کی انجیل باب ۲۷ آیت ۴۶)

یعنی اے اللہ! اے اللہ! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ یاد کرکے گویا حضرت مسیحؑ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے ہرگز نہیں چھوڑا اور :۔

"میری بے قراری پر توجہ کی"۔

پس ان چاروں رواتیوں اور صحیفہ یوز آسف کی ان اندرونی شہادتوں نے ثابت کر دیا کہ یوز آسف ہندوستان کے باشندے نہیں تھے بلکہ بیرون ملک سے ہندوستان آئے تھے۔ یہ وہی شخصیت تھی جسے اس کے دشمنوں نے صلیب پر چڑھا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی گریہ و زاری پر رحم آیا۔ اس نے اپنے اس مصیبت زدہ مقدس بندے پر توجہ کی، اس کی دعا قبول فرما کر اسے اس کے دشمنوں سے بچا لیا اور ظاہر ہے کہ یہ شخصیت سوائے حضرت مسیحؑ کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

بیرونی شہادتیں کہ مسیحؑ ہی یوز آسف تھے

منیر احمد :۔ پیام صاحب! صحیفہ یوز آسف کی بہت سی اندرونی شہادتیں آپ نے اپنے موقف کے حق میں پیش کر دیں۔ میرا سوال تھا کہ ان کے علاوہ بھی کیا کچھ شہادتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہو کہ یوز آسف ہی حضرت عیسیٰؑ تھے میرا مطلب ہے کیا بیرونی شہادتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

پیام شاہجہانپوری :۔ جی منیر صاحب! بیرونی شہادتیں بھی ہیں ایک نہیں بہت سی۔ مورخین نے یوز آسف کی جو تشریح کی ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام حضرت مسیحؑ ہی کا تھا کیونکہ اس کی معنویت یہی تقاضا کرتی ہے چنانچہ "جیزز ان روم" (Jesus In Rome) کے مصنفین کی تشریح کے مطابق فارسی زبان میں یوز آسف کے معنی ہیں زخموں سے صحت یاب کرنے والوں کا قائد و رہبر اور ارامی زبان میں یوز آسف کے معنی ہیں "یسوع۔ اکٹھا کرنے والا"۔

(Jesus In Rome, P-81)

تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو یہ دونوں معنی پوری طرح جناب مسیحؑ پر صادق آتے ہیں بلکہ اس زمانے میں آپؑ کے علاوہ اور کسی پر صادق آتے ہی نہیں تھے۔ یوز آسف کے پہلے معنی بیان کئے گئے ہیں "زخموں سے صحت یاب کرنے والوں کا رہنما"۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھنے سے قبل کوڑے مار کر زخمی کیا گیا، پھر صلیب پر چڑھاتے وقت ہاتھوں میں میخیں ٹھونک کر زخمی کیا گیا، آخر میں صلیب سے اتارتے وقت پسلی میں نیزہ مار کر زخمی کیا گیا۔ آپؑ کے شاگردوں نے موثر علاج کے ذریعے آپؑ کو صحت یاب کیا جن کے آپؑ رہنما تھے۔ اس وقت کی معلوم تاریخ میں آپ کے سوائے اور کسی شخص کی یہ خصوصیت نہیں کہ جسے زخمی کیا گیا ہو پھر زخموں سے صحت یاب کرنے والوں کی ایک جماعت (حواریوں) نے اس کا علاج کیا ہو، اس علاج سے وہ صحت یاب ہو گیا ہو اور اس جماعت کا وہ رہنما بھی ہو، یہ خصوصیت صرف حضرت مسیحؑ ابن مریم کی تھی۔ دوسرے معنی کی رو سے یوز آسف کہتے ہیں اکٹھا کرنے والے کو اور جناب مسیحؑ کے زمانے میں آپؑ کے سوائے اور کوئی شخص نہیں تھا جس نے طویل ترین سفر کر کے روئے زمین پر منتشر بنی اسرائیل کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کیا ہو اور تسبیح کے ان بکھرے ہوئے دانوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہو۔ پس فارسی اور ارامی دونوں معنی کی رو سے یوز آسف حضرت مسیحؑ ہی کا نام تھا۔

ان دو معنی کے علاوہ ایک معنی اور بھی ہیں جو بہت ہی فکر انگیز اور عقل و فہم سے قریب ترین ہیں۔ یعنی ایسا شخص جو رنجیدہ اور غمگین ہو، تفصیل اس کی یہ ہے کہ آسف، اسف سے بنا ہے، اسف کے معنی ہیں رنج، غم۔ اسی لفظ اسف سے افسوس بنا ہے پس آسف کے معنی ہوئے افسوس زدہ، غم زدہ، رنجیدہ۔ یوز دراصل یسوع کی تبدیل شدہ صورت ہے، جس طرح انگریزی دانوں نے یسوع کو "جیزز" (Jesus) سے تبدیل کر دیا یعنی یسوع انگریزی میں جا کر "جیزز" بن گیا اسی طرح اگر یسوع کو "یوز" بنا لیا گیا تو یہ زیادہ قابل قبول اور اپنے اصل کے زیادہ قریب ہے۔ پس یوز یا یوز آصف دراصل یوز آسف تھا خواہ یہ تبدیلی خود حضرت مسیحؑ نے کی یا اس کے نام کے کثرت استعمال سے رونما ہوئی۔ بہرحال اتنی بات ثابت ہو گئی کہ کشمیر کے شہر سری نگر میں یوز آسف یا یوز آصف نبی کے نام سے جس پیغمبر کی قبر ہے اس کا نام یسوع تھا، آسف کا اضافہ اس لئے ہوا کہ وہ رنجیدہ اور غم زدہ رہتا تھا۔ یعنی وہ یسوع جو غم زدہ اور دل گرفتہ ہو کر اپنے وطن سے نکلا چونکہ حضرت مسیحؑ نے اپنی قوم کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھائے تھے

اور سخت رنجیدہ ہو کر فلسطین سے نکلے تھے پس آپؑ نے اپنے لئے یہ نام تجویز فرمایا۔ اس میں ایک مصلحت بھی تھی چنانچہ یوز آسف نام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو نصیبین نامی شہر میں جب مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تو آپؑ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر یہ نام اختیار کیا اور اسی نام سے باقی سفر طے کیا اور پھر یسوع اور یوز آسف ایک ہی شخصیت کے دو نام ہو گئے اور یہ نام (یوز آسف یا یوز) اتنی شہرت پکڑ گیا کہ ہندوستان کے مغل بادشاہ اکبر اعظم کے دربار کا مشہور دانشور شاعر فیضی آپؑ کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ:۔

"اے کہ نامے تو یوز و کرستو۔" یعنی اے وہ شخص جس کے دو نام ہیں یوز اور کرستو (کرائسٹ) انگریزی ترجمے کے الفاظ یہ ہیں۔

Aiki Nami to: Yus, o Kristo (You Whose Name is Yuz or Christ.)

(Jesus Died In Kashmir By Faber Kaiser, P-80)

آج سے سینکڑوں سال قبل جب حضرت مسیحؑ کی حیات و وفات یا آپؑ کے صلیب سے زندہ یا مردہ اتر آنے کا کوئی قضیہ یا تنازعہ کھڑا نہیں ہوا تھا، اکبر اعظم کے دربار کے جید عالم اور دانشور فیضی کو یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ "اے مسیحؑ ابن مریم تو دو ناموں سے مشہور اور موسوم ہوا ایک یوز آسف اور دوسرا کرستو (کرائسٹ)" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں بھی حضرت مسیحؑ کا نام یوز آسف مشہور ہو چکا تھا جو یسوع کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے۔

مغرب کے ایک فاضل محقق مسٹر فابر قیصر نے جس کی کتاب کا میں نے ابھی حوالہ دیا ہے حال ہی میں یوز آسف پر گہری تحقیق کی ہے وہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یوز آسف، یسوع اور مسیحؑ ایک ہی شخصیت کے نام ہیں اس فاضل محقق نے کشمیر کے بہت بڑے مورخ اور عالم ملا نادریؒ کی معلومات پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے ملا نادریؒ کی تحقیق کے مطابق:۔

"یوز آسف دراصل یسوع تھا جو قبائل بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا اور نبی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا بادشاہ گوبندا کے دور میں وہ کشمیر آیا۔ اس بادشاہ کے دور حکومت میں بہت سے مندر تعمیر کئے گئے اور بہت سے مندروں کی مرمت کی گئی۔ اس کی حدود سلطنت (کشمیر) میں ایک پہاڑی پر تخت سلیمان نامی ایک عمارت واقع تھی جو شکستہ ہو گئی تھی بادشاہ گوبندا نے اس

کی مرمت کے لئے ایران سے ایک (اسرائیلی انجینئر) بلوایا جس کا نام بھی سلیمان تھا اس پر بادشاہ کی ہندو رعایا نے اعتراض کیا کہ سلیمان ہندو نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق کسی اور مذہب سے ہے اس لئے اس سے عمارت کی مرمت نہ کروائی جائے" آگے چل کر ملا نادری لکھتے ہیں کہ اس دوران دور کے ملک (فلسطین) سے ایک شخص یوز آسف کشمیر آئے اور یہاں اپنی نبوت کی تبلیغ کرنے لگے وہ بہت پاکباز اور خدا رسیدہ انسان تھے رات دن خدا کی عبادت میں گزارتے تھے اور بندگان خدا کو خداوند کریم کے احکام کی پیروی کرنے کی تعلیم دیتے تھے ان کی تعلیم کے نتیجے میں بہت سے لوگ ان کے پیروکار بن گئے اس دوران سلیمان نامی (ایرانی انجینئر) نے تخت سلیمان کی مرمت کی اور اس پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ کروا دی۔

"ان ستونوں کے معمار بہشتی زرگر اور خواجہ رکن ابن مرجان ہیں۔ سال تعمیر ۵۴۔

ساتھ ہی یہ عبارت بھی کندہ کروائی:۔

"یوز آسف نے نبوت کا دعویٰ کیا ۵۴ میں جو یسوع ہے اور اسرائیلی قبائل سے تعلق رکھتا ہے

(تاریخ کشمیر صفحہ ۳۵ مولفہ مولانا نادری بحوالہ Jesus Died in Kashmir P-86'87)

یہ عبارت بادشاہ جہانگیر کے عہد حکومت تک عمارت پر درج تھی اور مؤرخ کشمیر خواجہ حیدر ملک نے خود پڑھ کر یہ عبارت اپنی کتاب میں درج کی تھی۔

(Jesus Died in Kashmir P-87)

آگے بڑھنے سے قبل ایک بار پھر میں ملا نادری کی شہادت پیش کرنا چاہوں گا ملا نادریؒ کشمیر کے بہت فاضل مورخ تھے۔ ان کا لقب "ملا" اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ایک دین دار اور صاحب کردار عالم تھے کیونکہ اس زمانے میں "ملا" انتہائی محترم لقب تھا جو شاذ ہی کسی کو ملتا تھا۔ کشمیر میں آج تک "ملا" نام کی ایک قوم آباد ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قوم کے مورث اعلیٰ کو یہ خطاب دیا گیا ہو گا جو اس نے عزت کے طور پر اپنی قومیت میں تبدیل کر لیا۔ ملا نادری نے اپنی مشہور و معروف کتاب "تاریخ کشمیر" ۱۴۱۳ء میں لکھی تھی یہ کشمیر کی اولین فارسی تاریخ ہے۔ ملا نادری لکھتے ہیں کہ:۔

"میں نے ہندوؤں کی ایک کتاب میں (بھی) پڑھا ہے کہ یہ نبی (یوز آسف) دراصل حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے جنہوں نے یوز آسف کا نام اختیار کیا تھا۔ اصل حقیقت تو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ انہوں (حضرت عیسیٰؑ) نے بقیہ ساری زندگی وادی ہی میں گزار دی" (یعنی یہیں فوت ہوئے)

("Jesus in Rome" and Jesus Lived in India, P-199)

گویا ہندو، مسلمان اور عیسائی تینوں مذاہب کے جدید و قدیم مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ یوز آسف ہی یسوع (مسیحؑ) تھے جو دور دراز ملک سے کشمیر آئے تھے اور بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

مسیحؑ کی ہندی انجیل

منیر احمد:۔ پیام صاحب! ہماری آج کی گفتگو کا آغاز صحیفۂ یوز آسف سے ہوا تھا جسے آپ حضرت عیسیٰؑ کی وہ انجیل قرار دیتے ہیں جو ان پر ہندوستان کے دوران قیام نازل ہوئی تھی۔ کیا مناسب نہ ہوگا کہ آپ اس کے کچھ اقتباسات موجودہ نسل کے مطالعے کے لئے پیش کر دیں اس طرح اس تاریخی دستاویز کے اتنے حصے تو اس انٹرویو کے ذریعے محفوظ ہو جائیں گے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ کی خواہش نہایت درجہ قابل احترام ہے اس صحیفے کے بہت سے حصے تو میں اپنی اس گفتگو میں پیش کر چکا ہوں گنجائش کے مطابق کچھ اقتباسات اور پیش کردوں گا۔ ان اقتباسات میں بعض تمثیلیں ہیں جو یوز آسف (حضرت مسیحؑ) نے بیان کی تھیں جیسا کہ وہ فلسطین کے دوران قیام تمثیلوں میں کلام کیا کرتے تھے۔

ہاتھی اور آدمی

"ایک شخص جنگل کی طرف جا نکلا، وہ چلا جا رہا تھا کہ پیچھے سے ایک مست ہاتھی نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ شخص اس سے بچنے کو بھاگتا پھرتا تھا اور ہاتھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا یہاں تک کہ رات ہوگئی اور اس بیچارے نے مجبور ہو کر ایک کنویں میں پناہ لی اور اس درخت کی ٹہنیاں جو کنویں کے کنارے پر اُگا ہوا تھا، دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیں۔ اس کے دونوں پاؤں کسی چیز پر جا ٹکے جو کنویں کے عرض میں پھیلی ہوئی تھی۔ جب صبح ہوئی تو اس نے دیکھا کہ ٹہنیوں کی جڑ میں خرگوش کے برابر بڑے بڑے دو چوہے لپٹے ہوئے ہیں ایک سفید ہے اور دوسرا سیاہ اور انہیں کاٹ رہے ہیں۔ اپنے پاؤں کے نیچے چار سانپ دیکھے جو اپنی بانبیوں سے سر نکالے ہوئے ہیں اور کنویں کی تہہ کو جو غور سے دیکھا تو ایک بڑا اژدہا نظر آیا جو اس کو اپنا نوالہ بنا لینے کی امید میں منہ پھیلائے ہوئے ہے۔ پھر اس نے سر اٹھا کر ٹہنیوں کی جڑ کو جو دیکھا تو اس کے اوپر کی جانب تھوڑا سا شہد لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں ڈالیوں کو اپنے منہ کے پاس لایا اور اس شہد کی

مٹھاس سے کسی قدر مزہ اٹھایا اس مٹھاس میں وہ ایسا غافل اور ازخورفتہ ہو گیا کہ نہ تو اسے ان دونوں ٹہنیوں کا کچھ غم رہا جن کے سہارے وہ لٹکا ہوا تھا حالانکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ دونوں جنگلی چوہے انہیں تیزی سے کتر رہے ہیں اور نہ ان چاروں سانپوں کا اسے اندیشہ رہا جن پر پاؤں

ٹیکے ہوئے تھے اور نہیں جانتا تھا کہ وہ کب جوش میں آ کر اسے ڈس لیں گے اور نہ اس اژدہے کا خوف باقی رہا جو منہ پھیلائے ہوئے تھا اور اسے خبر نہ تھی کہ کب گر کر اس کا لقمہ بنے گا۔" یوز آسف (حضرت مسیحؑ) اس تمثیل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

پس وہ کنواں تو یہ دنیا ہے جو آفتوں اور بلاؤں سے بھری ہوئی ہے اور ٹہنیاں یہ بری زندگی ہے اور سفید و سیاہ چوہے دن اور رات ہیں اور ان کا ٹہنیوں کو جلدی جلدی کترنا لیل و نہار کا تیزی کے ساتھ عمر کو تمام کر دینا ہے اور چاروں سانپ جسم کے چاروں خلط ہیں جو واقع میں زہر کی گانٹھیں ہیں اور جو اژدہا نگلنے کو منہ پھیلائے ہوئے ہے وہ موت ہے جو تاک لگائے بیٹھی ہے اور ہاتھی وہ وقت معین ہے جو ہمہ دم آدمی کے پیچھے لگا ہوا ہے اور شہد دنیا کی ناپائدار اور ناچیز لذتیں ہیں جنہوں نے آدمی کو فریب دے کر بالکل غافل بنا رکھا ہے (صفحہ ۳۶)

کتے اور راہ گیر

"دنیا داروں کی مثال ان کتوں کی ہے' جو مختلف رنگ اور قسم کے تھے اور سب ایک مردار کے کھانے کو اکٹھے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے پر غراتا اور بھونکتا اور یہ اس کو اور وہ اس کو کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ یہ سب اس مردار پر لڑ جھگڑ رہے تھے۔ ادھر سے ایک آدمی گزرا سب نے باہمی لڑائی کو چھوڑ کر اس بیچارے آدمی کا پیچھا کرنا شروع کر دیا کوئی اس پر بھونکا' کوئی غرایا' کسی نے کپڑے نوچے اور کسی نے دانت مارے اور سب اس کام میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن گئے حالانکہ ان کی آپس میں دشمنی تھی اور ظاہر ہے کہ اس مرد کو نہ تو ان کے مردار کی ضرورت تھی اور نہ وہ ان سے اس کے لئے جھگڑنا چاہتا تھا مگر کتوں نے اسے اجنبی پایا اس لئے اس سے بھڑکے اور آپس میں ایک ہو گئے۔

پس دنیا کا مال و متاع مردار ہے اور مختلف قسم کے آدمی یعنی بتوں وغیرہ کے پوجنے والے رنگ برنگ کے کتے ہیں کیونکہ یہ سب دنیا ہی کو چاہتے اسی کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے اور خونریزی کرتے ہیں اور نہ اس سے کبھی ان کا دل اکتاتا ہے اور نہ وہ اس کو چھوڑتے ہیں

اور وہ دین دار جو دنیا پر لات مار کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اس کے لئے نہ کسی سے لڑتا جھگڑتا ہے نہ دوسروں کو اس سے روکتا ہے یہ اس آدمی کی مثل ہے جس پر کتے ایکا کر کے ٹوٹ پڑے تھے حالانکہ اسے ان کے مردار سے کچھ غرض نہ تھی۔ پھر اُس پر تعجب کیا ہے کہ لوگوں کی ساری کوششیں دنیا ہی کے لئے وقف ہیں اور اسی کے لئے لڑتے مرتے ہیں یہاں تک کہ جب ایسے آدمی کو دیکھ پاتے ہیں جو اس مردار کو انہی کے ہاتھوں میں چھوڑ کر خود اس سے اپنا دامن چھڑا کر الگ ہو گیا تو اس سے ان لوگوں کی نسبت زیادہ نزاع و تکرار کرتے اور غیظ و غضب ظاہر کرتے ہیں جو مردار خوری میں ان کے ساتھ شریک ہیں (یعنی وہ چاہتے ہیں کہ یہ دین دار بھی مردار خوری میں ان کے ساتھ شریک ہو جائے) یہ اہل دنیا' دنیا کی رغبت ہی کو دین داری سمجھتے ہیں۔ (صفحہ ۴۳' ۴۴)

دو آفتاب

یوں سمجھو کہ دنیا میں دو آفتاب طلوع ہوتے ہیں جو روشنی اور چمک میں برابر ہیں۔ ایک کی روشنی تو آنکھوں پر پڑتی ہے اور دوسرے کی دلوں پر۔ اب دیکھو کہ ظاہری آفتاب کا پر تو سب پر یکساں ہے کسی کی خصوصیت نہیں مگر پھر بھی اس سے فائدہ اٹھانے کے لحاظ سے آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک صحیح آنکھ والے جن کو روشنی فائدہ دیتی ہے اور وہ اس کی طرف دیکھ سکتے ہیں۔ دوسرے اندھے جو روشنی سے محض بیگانے ہیں۔ ایک آفتاب کیا اگر ان پر ہزار آفتاب بھی چمکیں تو ان کو کچھ فائدہ نہ ہو اور تیسرے کمزور بینائی والے جن کا شمار اندھوں میں ہے نہ صحیح آنکھ والوں میں۔ یہ لوگ اپنی بینائی کی بساط کے موافق آفتاب کو دیکھ سکتے ہیں۔ ٹھیک یہی حال حکمت کا ہے جو دلوں کا آفتاب ہے۔ جب وہ چمکتا ہے تو اس کے لحاظ سے بھی انسان کے تین طبقے جدا جدا نظر آتے ہیں۔ ایک طبقہ ان آنکھ والوں کا ہے جو حکمت پر عمل کرتے اور اس کے ہو جاتے ہیں۔ اس کو سب سے بہتر سمجھتے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کی نگہداشت و حفاظت اور تعظیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے اور اپنا وقت حکمتِ معلومہ پر عمل کرنے اور غیر معلومہ کے دریافت کرنے میں صرف کرتے ہیں اور دوسرا طبقہ دل کے اندھوں کا ہے جن کے دل حکمت سے اسی طرح اجنبی و بیگانہ ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی سے اندھوں کی آنکھیں اور تیسرا طبقہ بیمار دل والوں کا ہے جن کا عمل ناقص اور علم کمزور۔ ان کو بھلے برے' سچے جھوٹے اور نیک و بد میں چنداں تمیز نہیں ہے۔ ان دونوں آفتابوں میں کوئی

فرق نہیں ہے البتہ اس قدر ہے کہ حکمت کی روشنی سے فائدہ اٹھانے والے کم ہیں اور اس دعوے کے ثبوت کے لئے بہت ہی صاف اور واضح دلیلیں ہیں جن سے عجیب عجیب باتیں ظاہر ہوتی ہیں اور جب اس کا وقت آئے گا تو تمہیں ان دلائل کا علم ہو جائے گا اور ایک بات یہ بھی ہے کہ باطن کی آنکھ رکھنے والوں کے مدارج میں تفاوت بہ نسبت ظاہری آنکھ والوں کے زیادہ ہے۔ گو سارے اہل باطن ایک ہی نام سے پکارے جاتے ہیں یعنی حق و حکمت تلاش کرنے والے۔ ان کی آپس میں فرق مراتب کی مثال موتی کی سی ہے کہ لفظ "موتی" میں ہر قسم کے موتی داخل ہیں مگر کوئی دانہ تو ہزاروں روپیہ کا ہوتا ہے اور کوئی چند آنوں کا اور ان دونوں کے بیچ میں ہزاروں اور لاکھوں مدارج ہیں علیٰ ہذا القیاس دل کے اندھوں کے لئے مدارج بھی مختلف ہیں۔ کوئی صرف حق سے بیگانہ ہوتا ہے مگر باطل میں ڈوبا ہوا نہیں ہوتا اور کوئی صرف حق سے بیگانہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کا دشمن اور اس کے ماننے والوں کو رنج و ایذا دینے والا ہوتا ہے پس ان کے مراتب بھی ان کی قوت و ضعف اور ان کے تعلقات کے اختلاف کے موافق مختلف ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۵۲، ۵۳، ۵۴)

چڑا اور باغبان

اگلے زمانے میں ایک شخص جو ایک باغ کا مالک تھا وہ خود ہی اس کا مالی اور خود ہی اس کا رکھوالا تھا۔ ایک دن وہ اپنے باغ میں کوئی کام کر رہا تھا کہ ایک چڑے کو دیکھا کہ درخت پر بیٹھا ہے اور اس کے پھلوں کو کھاتا ہے اور نقصان بھی کرتا ہے اس پر اس شخص نے غضبناک ہو کر چڑے کو پکڑنے کے لئے جال پھیلایا اور اور اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا مگر جب اس چڑے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو وہ چڑا انسان کی طرح بولنے لگا۔ دونوں کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

چڑا:۔ اے شخص میں سمجھتا ہوں کہ تو مجھ کو ذبح کرنا چاہتا ہے مگر مجھ میں اتنا گوشت بھی نہیں ہے جس سے تیری بھوک میں ذرا سی بھی کمی آئے یا کچھ قوت پیدا ہو اس لئے میں تجھ کو اس سے زیادہ فائدہ کی بات بتلانا چاہتا ہوں۔

باغبان:۔ وہ کیا۔

چڑا:۔ تو مجھے چھوڑ دے تو میں تجھ کو تین باتیں ایسی بتاؤں گا کہ اگر تو انہیں یاد رکھے گا تو تجھ کو گھر بار اور مال و دولت سب سے زیادہ فائدہ ہو گا۔

باغبان:۔ وہ کون سی باتیں ہیں؟

چڑا:۔ تو قسم کھا کہ مجھے چھوڑ دے گا تو بتاؤں گا چنانچہ اس نے قسم کھائی۔

چڑا:۔ جو میں کہتا ہوں اس کو دلنشین کر۔ جو چیز ہاتھ سے چلی جائے اس پر افسوس نہ کر۔ جو بات ہو نہیں سکتی ہو اس کو سچ نہ جان! اور جو چیز مل نہیں سکتی ہو اس کی جستجو نہ کر۔

جب چڑا یہ باتیں کہہ چکا تو باغبان نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ پھدک کر ایک ٹہنی پر جا بیٹھا اور اس سے خطاب کر کے کہنے لگا۔

چڑا:۔ اگر تجھ کو یہ معلوم ہو کہ میں تیرے ہاتھ سے کیا نکلا بلکہ سونے کی چڑیا نکل گئی تو تجھ کو سخت افسوس ہو۔

باغبان:۔ وہ کون سی چیز تھی۔

چڑا:۔ تو نے میرے ذبح کرنے کا جو ارادہ کیا تھا اگر تو اس کو کر گذرتا تو میرے پوٹے سے قاز کے انڈے کی برابر موتی نکلتا جس سے تو ہمیشہ کے لئے مالدار ہو جاتا۔ چڑے کی یہ بات سن کر اس شخص کے منہ میں پانی بھر آیا اور سخت حسرت و افسوس دامن گیر ہوا اور چڑے کو دھوکے سے پکڑنے کی نیت سے کہنے لگا۔

باغبان:۔ برگذشتہ صلوات۔ آؤ ہم تم دوست بن جائیں چلو میرے گھر میں میرے بال بچوں کے ساتھ رہو میں تمہاری بڑی خاطر مدارت کیا کروں گا۔

چڑا:۔ اے جاہل! میں جب تیرے ہاتھ آیا تو تو نے مجھے کھو دیا اور جو باتیں تو نے میری جان کے بدلے خریدیں ان کا بھی تجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کیا میں نے تجھے نہیں بتایا کہ جو چیز ہاتھ سے چلی جائے اس کا افسوس نہ کر اور جو انہونی بات ہو اس کو ہرگز سچ نہ جان اور جو شئے مل نہیں سکتی ہو اس کی جستجو نہ کر۔ حالانکہ تو میرے ہاتھ سے جاتے رہنے پر رنج و افسوس کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ میں پھر تیرے ہاتھ میں آؤں جو تجھے حاصل نہیں ہو سکتا ہے اور میری اس بات کو سچ سمجھتا ہے کہ میرے پوٹے میں قاز کے برابر موتی ہے حالانکہ قاز کا انڈا میرے سارے جسم کے برابر ہوتا ہے۔ (صفحہ ۶۹، ۷۰)

بادشاہ اور اس کے خائن کارندے

ایک بادشاہ نے بہت سی فوجیں جمع کر کے ایک ملک پر چڑھائی کی اور اس نے اسے فتح کر

لیا- وہاں اس کو بہت سا سونا ہاتھ لگا- جہاں جہاں سے سونا ملا تھا بادشاہ نے وہ سارا سونا اپنے ایک خزانہ میں جمع کرایا اور اس ملک کے کل سناروں کو بلوا کر حکم دیا کہ اس سونے کو سارے غل و غش سے پاک و صاف کر کے برتن بنائیں ہم اپنے ساتھ لیتے جائیں گے لیکن اس قدر عجلت میں سناروں سے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی تھی سونا بہت زیادہ تھا اور لوگوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر بادشاہ کام ختم ہونے تک ان کے شہر میں ٹھہرا رہے گا تو ملک کی وسعت و پیداوار بادشاہ کے خدم و حشم اور لشکرِ جرار کے لئے ہرگز کافی نہیں ہونے کی اس لئے سب نے بادشاہ سے درخواست کی کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں اور سونے کے خزانے پر نگران مقرر کر جائیں جو بادشاہی فرمائشوں کے مطابق ظروف تیار کرایا کرے- بادشاہ نے ان کی درخواست منظور کی اور اپنی طرف سے مہتمم خزانہ و ظروف سازی مقرر کیا اور ہوشیار و ماہر سناروں کو متعین کیا اور جن برتنوں کی فرمائش کی تھی ان کے سانچے حوالہ کئے اور ان کی صورت و شکل اور ہر ایک کا وزن بیان کر دیا اور اہل شہر کو تاکید کر دی کہ بادشاہ کے قاصدوں کی معرفت اس قدر ظرورف ہر سال بھیجا کریں اور جو چیز بھیجیں اس کے سونے کو تاؤ دیکر خوب اچھی طرح سے پاک و صاف کر ڈالیں اور جب بادشاہ کا مقرر کیا ہوا مہتمم خزانہ مرجائے تو سب سے دیانت دار شخص کو اس کی جگہ پر مقرر کریں- بادشاہ نے یہ سب باتیں سمجھا کر وہاں سے کوچ کیا- وہ مہتمم خزانہ سناروں کو اپنی نگرانی میں لے کر بادشاہ کے حکم کی ان سے تعمیل کرانے لگا- جب سال پورا ہوتا تو وہ بادشاہ کی تعدادِ مقررہ کے مطابق خالص سونے کے ظروف جن میں ذرہ برابر بھی کھوٹ نہ تھا روانہ کرتا تھا- یہاں تک کہ اس شخص نے وفات پائی اور دوسرا شخص اس کام پر مقرر ہوا مگر اس شخص کو یہ نگرانی بہت دشوار معلوم ہوئی اور سونا صاف کرا کے خالص بنانا نہایت شاق گذرا- اس لئے اس نے کھوٹے سونے ہی کے ظروف بنوا بنوا کر بھیجنے شروع کئے اور اس میں اس شخص کو یہ فوری فائدہ بھی معلوم ہوا کہ ظروف کھوٹے سونے کے بنواتا تھا اور حساب میں خالص سونا دکھاتا تھا اس طرح بہت سا سونا اس کی جیب میں جاتا تھا- اس کے بعد تیسرا شخص مقرر ہوا- اس نے ہر ظرف کی تیاری میں سونے کی مقدار کم کی اور کھوٹ بڑھا دیا- اس کے بعد ایک اور صاحب آئے' انہوں نے پیتل کے ظروف بنوائے اور ان پر سونے کا ملمع کرایا- ان کے بعد ایک اور آیا جس نے پیتل کے ظروف بنوائے اور انہیں ملمع بھی نہیں کرایا پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے سونے کے رنگ' کے شیشوں ہی پر اکتفا کیا اور ان

کے بعد والے نے تو خاتمہ ہی کر دیا کہ خزانہ کو لوٹا' سناروں کو قتل کیا' سانچوں کو توڑا اور بغاوت کا اعلان کر دیا- ایسی صورت میں اس بادشاہ کی یہ رائے صحیح اور حق بجانب ہے یا نہیں کہ اس شہر کی طرف ایسے لوگ بھیجے جو مال مسروقہ کو برآمد کرنے کے بعد خزانہ میں جمع کرائیں اور سرکشوں اور باغیوں سے انتقام لیں یا ان کو گرفتار کر کے ان کا قصور معاف کر دیں اور اس شہر کے باشندوں سے اتنے برسوں کا بقایا وصول کریں اور جو کھوٹے ظروف انہوں نے بھجوائے تھے ان کو واپس کر کے ان سے خالص سونے کے نئے ظروف بنوائیں- اسی طرح جن ظروف میں نام کو بھی سونا نہیں تھا انہیں بھی نئے سرے سے بنوائیں- کیا بادشاہ کا ایسا کرنا مقتضائے انصاف نہیں (صفحہ ۲۰۶' ۲۰۷)

یوز آسف (حضرت مسیح) اس تمثیل کے ذریعے یہ تعلیم دیتے ہیں کہ جس طرح دنیاوی بادشاہ خائنوں اور سرکشوں کو سزا دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے بدکاروں' سرکشوں اور دین میں خیانت کرنے والوں کو سزا دئے بغیر نہیں چھوڑے گا ہاں جسے چاہے گا معاف بھی کر دے گا۔

طاؤس اور چتکبرا کوا

ایک سوداگر کسی ملک میں پہنچا وہاں کے بادشاہ نے اس کی دعوت کی جب سوداگر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا تو جتنی قسم کی چیزیں بادشاہ کے خزانے اور ملک میں تھیں سب اس کو دکھائیں اور پوچھا کہ تم ہماری کسی چیز میں کوئی نقصان یا کوئی عیب بھی پاتے ہو- اس تاجر نے کہا کہ بادشاہ سلامت میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جو آپ کے لائق نہ ہو صرف اتنی بات ہے کہ میں چاہتا تھا کہ آپ کے یہاں ایک مور بھی ہوتا جس سے آپ کو فرحت و مسرت اور آپ کی مجلس کی زیب و زینت ہوتی - بادشاہ نے پوچھا کہ مور کیا چیز ہے؟ تاجر نے اس کی کیفیت بیان کی - جب وہ سوداگر بادشاہ سے رخصت ہو کر چلا گیا تو بادشاہ نے اپنے یہاں کے ایک ذی رتبہ عہدہ دار کو بلا کر اور بہت سا مال اس کے حوالہ کر کے حکم دیا کہ جس ملک میں مور ہوتے ہیں وہاں سے تم ہمارے لئے مور خرید لاؤ لیکن اس شخص نے سفر کی تکلیف سے جی چرایا اور مور کے لئے مصارف کا اٹھانا اس کو برا معلوم ہوا اور جو مال اس کام کے لئے دیا گیا تھا اس کو اس نے ہضم کرنا چاہا پس اس نے ایک چت کبرا کوا پکڑ کر مختلف رنگوں سے اس کو ایسا

رنگا کہ مور کے مشابہ معلوم ہو اور اس کو لے کر بادشاہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور کے اقبال سے قریب ہی میں ہاتھ آگیا۔ میں نے اس مال سے جو حضور سے مرحمت ہوا تھا خرید کر حاضر کیا ہے۔ بادشاہ نے اس کو لے لیا اور بہت پسند کیا۔ ایک مدت کے بعد وہ سوداگر دو مور بادشاہ کے لئے تحفہ لے کے پہنچا۔ جب اس کی باریابی ہوئی تو بادشاہ نے بہت عنایت و الطاف کے ساتھ اس سے باتیں کیں اور اس سے ذکر کیا کہ تمہارے جانے کے بعد ہمارے ہاتھ وہ جانور آگیا جس کی تعریف تم نے بیان کی تھی۔ واقعی وہ بہت خوبصورت اور تعجب انگیز پرندہ ہے۔ سوداگر نے کہا کہ اب حضور کی مسرت دوبالا ہو جائے گی اس لئے کہ میں بھی دو مور حضور کے لئے تحفہ لایا ہوں (قبل اس سے کہ سوداگر مور پیش کرتا) بادشاہ نے اسے دکھانے کے لئے اس چت کبرے کوے کو منگوایا۔ سوداگر کے بدن میں تو اس کو دیکھتے ہی آگ لگ گئی اور بادشاہ کی عظمت اور کوا لانے والے کی جرات کا خیال کر کے اسے بہت غصہ آیا۔ اس نے کہا کہ حضور عالی! اس کوے کے لانے والے نے آپ سے فریب و دغا کی وہ شخص نہ آپ سے ڈرتا ہے نہ آپ کا خیر خواہ ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے دونوں مور منگوائے۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر سمجھا کہ بیشک یہ جانور اس سے بدرجہا بہتر ہے اور اس کو اپنے ملازم کی فریب دہی کا یقین ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کو طلب کیا' وہ شخص بھی اپنے جرم کو جان گیا مگر اس نے انکار کے سوائے بچنے کی کوئی صورت نہیں دیکھی۔ اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت! مور وہی ہے جو میں لایا ہوں اور وہ خوبصورت و مبارک جانور ہے اور یہ دونوں تو منحوس جانور ہیں جس کے پاس رہتے ہیں وہ ہلاک ہی ہو جاتا ہے۔ سوداگر نے کہا کہ حضور اس سے یہ پوچھیں کہ تیرے جانور کا رنگ اصلی اور پیدائشی ہے یا مصنوعی؟ چنانچہ بادشاہ نے یہ سوال کیا تو اس نے کہا کہ پیدائشی ہے تب اس سوداگر نے گرم پانی اور رنگ کاٹنے کا مسالہ منگوایا اور اس سے کوے کو آہستہ آہستہ دھو کر صاف کیا پھر ہاتھ میں لے کر اس کو پونچھا اور خشک کیا تو اس کا اصلی رنگ نکل آیا۔ دیکھا تو خالص ابلق کوا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے لانے والے کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور نہایت ذلیل و رسوا ہوا لیکن بادشاہ نے سوداگر سے کہا کہ چونکہ اس کوے میں دھوکا اور فریب تھا اس لئے میں مجبور ہوں کہ تمہارے دونوں جانوروں کا بھی ویسا ہی امتحان کروں جیسا تم نے اس کوے کا کیا۔ سوداگر نے بکشادہ پیشانی اسے قبول کیا آخر بادشاہ کے حکم سے دونوں طاؤس بھی خوب مل مل کر دھوئے گئے تو ان کا رنگ اور بھی نکھر آیا اور پہلے سے زیادہ چمکنے لگا۔ بادشاہ نے ان دونوں

کو قبول کیا۔ تاجر کی بڑی قدر و منزلت کی اور کوا لانے والے کے لئے سزا کا حکم صادر کیا۔ یہ تمثیل بیان کر کے حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ:۔

الحاصل بعینہ یہی حالت دین کی بھی ہے وہ سوداگر تو گوتم بدھ کو سمجھو اور وہ عہدہ دار شاہی جس نے کوے کو رنگ کر طاؤس کے نام سے پیش کیا تھا مقتدایان بت پرست ہیں اور طاؤس خدائی دین اور رنگین کوا وہ بدعت ہے جو تمہارے پیشواؤں نے دین (کے نام پر) دھوکا دینے کے لئے ایجاد کی ہے جن کو تم نے اور تم جیسے دوسروں نے جن کو نیکی کی رغبت تھی دھوکا کھا کر قبول کر لیا لیکن وہ **شخص (یعنی مسیحؑ) پہنچ گیا ہے جو مصنوعی رنگ کو دھو کر جس پر حقیقی رنگ ہونے کا گمان ہوتا ہے اصل رنگ ظاہر کرے گا** اور حکمت کو اس کی کامل صورت میں جلوہ گر کریگا اور لوگوں پر اس کی خوبی و بزرگی کو روز روشن کی طرح عیاں کر دے گا (صفحہ ۲۴۲)

دائمی سلطنت

دائمی سلطنت میں...... ایسی فرحت و مسرت ہے کہ اس کے ساتھ غم و رنج کا نام نہیں اور ایسی خوشحالی ہے جس میں بدحالی نہیں اور ایسی محبت ہے کہ اس کے ساتھ عداوت نہیں اور وہ خوشنودی ہے جس کے ساتھ ناراضی نہیں اور چین ایسا ہے کہ اس کے ساتھ خوف نہیں اور خوبصورتی ایسی ہے کہ اس کے ساتھ بدصورتی نہیں اور تندرستی ایسی ہے کہ بیماری سے اس کو واسطہ نہیں اور حیات ایسی جس میں موت نہیں اور خوشبو ایسی کہ اس میں بدبو کو دخل نہیں اور ملک ایسا جو کبھی قبضہ سے نہ جائے اور مکان ایسا جس کو کبھی زوال نہیں۔ (صفحہ ۶۰)

دین ایک ہی ہے

امر حق خدا ہی کی طرف سے آیا اور خدا ہی نے بندوں کو اس کی طرف بلایا ہے۔ مگر ایک قوم نے اس کو ٹھیک ٹھیک اور ساری شرطوں کے ساتھ اس کی اصلی صورت میں قبول کر لیا اور دوسری قوم نے اس کو اس طرح پر قبول نہیں کیا اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ و ہمت نہیں کی' بلکہ اس کو دشوار اور گراں سمجھا اور ظاہر ہے کہ برباد کرنے والا درست کرنے والے کی

برابری نہیں کر سکتا اور گھبرانے والا صبر کرنے والے کے مثل نہیں ہو سکتا پس اس وجہ سے ہم ان لوگوں سے بڑھ کر اہل حق ہیں۔ (یاد رکھو) کہ کسی شخص کے منہ سے کوئی بات دنیا سے بچنے اور آخرت کو چاہنے کی ایسی نہیں نکلتی ہے جو اس خدائی دعوت سے ماخوذ نہ ہو جس سے ہم نے باتیں لی ہیں لیکن ہمارے اور ان کے درمیان میں ان چیزوں نے تفرقہ ڈال دیا ہے جو ان لوگوں نے اپنے نفس کی پیروی سے نئی نکالی ہیں جو برائی کا حکم دینے والا اور لذتوں میں پھنسانے والا ہے اور اصل یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اگلے زمانے میں ہمیشہ تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد پیغمبروں کے ذریعہ سے مختلف زبانوں میں دعوت آتی رہی ہے اور ہر دعوت کی ایک ہی حالت اور ایک ہی مقصد رہا ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ سچا اور قوی تھا مگر ہر پیغمبر کے زمانے کے بعد ہر دعوت میں ایک ایسی قوم شامل ہوتی گئی جو واقع میں اس کے لائق نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی بدعتیں ایجاد کرتے گئے جو اصل کے موافق نہ تھیں یہاں تک کہ اصل مقصد کی صورت بدل گئی' حق کی راہ گویا رک گئی مگر اس فعل سے سچی بات مٹی نہیں بلکہ قائم' روشن' باقی رہی اور بدعتیں ایجاد کرنے والے بااین ہمہ اسی کا نام لیتے اور اسی کا اقرار کرتے اور اسی کی بعض شرطوں کو پہچانتے اور اسی کی شناخت بتاتے رہے۔ پس جو لوگ کہ ہماری طرح دنیا سے نفرت دلانے والے اور آخرت کی طرف جھکانے والے ہیں ان کے مخالفوں کی زبانوں پر بھی کچھ حق کی باتیں باقی رہ گئیں جو اس سچے اصول کا اثر اور پرتو ہیں جس پر ہم واقع میں چلتے ہیں اس لئے ہمارے اور ان کے درمیان میں فرق یہ ہے کہ گو وہ لوگ قول اور صفت میں ہمارے موافق ہیں مگر فعل اور سیرت میں ہمارے مخالف اور ہم ان میں سے کسی کی مخالفت نہیں کرتے مگر اس وقت جب ہمارے پاس بیّن دلیل اور عادل گواہ موجود ہوتے ہیں اور وہ دلیل و گواہ باقی ماندہ کتابیں ہیں جو ان لوگوں کے پاس ہیں اور ان کی نسبت وہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ خدا کی بھیجی ہوئی ہیں۔ یہی کتابیں بتاتی ہیں کہ جو باتیں خدا شناسی کی کہی جاتی ہیں وہ ہمارے لئے ہیں نہ کہ ان کے لئے یعنی ان کے لائق ہم ہیں نہ کہ وہ۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے اوصاف و اوضاع اور عمل و سیرت ان کتابوں کے مطابق ہیں اور ان کی سب باتیں ان کتابوں کے مخالف۔ پس وہ لوگ ان کتابوں کا صرف وصف ہی جانتے اور دین کا فقط نام ہی لیتے ہیں اس پر عمل کرنے والے نہیں ہیں۔ (صفحہ ۴۷'۴۸)

انبیاء کی آمد کے موسم

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو شخص باغ لگاتا اور اس کو آباد کرتا اور اس میں قسم قسم کے درخت

نصب کرتا اور طرح طرح کے پھول لگاتا ہے' موسم سرما میں باغ میں جاتا ہی نہیں ہے مگر جب بہار کا موسم آتا ہے اور درختوں میں پھول اور پھل لگتے اور گلبنوں میں کلیاں اور شگوفے ظاہر ہوتے ہیں تو باغ میں جاتا اور وہیں ڈیرے ڈالتا ہے اور پھولوں اور پھلوں سے لطف و تمتع حاصل کرتا ہے اسی طرح سے انبیاء و رسل بھی کسی زمانہ میں آتے ہیں' اور کسی میں نہیں آتے اور ہر زمانہ کا تقاضا الگ ہوتا ہے جیسے بہار و خزاں کے زمانہ کا تقاضا پھولوں اور پھلوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ (صفحہ ۴۹)

دنیا کی حقیقت

دنیا بے شبہ ویسی ہی ہے جیسی تعریف اس کی خدا تعالیٰ نے کی ہے "کھیل اور تماشا اور زینت اور آپس میں ایک دوسرے پر بڑائیاں جتانا اور مال و اولاد کی کثرت میں منہمک رہنا اور پھر انہیں کھو دینا"۔ میں نے اہل دنیا کو مصیبتوں اور بلاؤں میں ہمیشہ پھنسا ہی دیکھا ہے۔ اس سے فائدہ کم اور رنج ہی زیادہ اٹھاتے پایا ہے۔ یہاں کے عیش کو سراپا کلفت اور فراخ حالی کو بالکل عسرت سمجھا ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص ایسا ہو کہ دنیا ہاتھ جوڑ کر اس کے پاس حاضر ہو جائے اور اپنی ساری مسرتیں اور نعمتیں اور لذتیں لا کر اس کی نذر کر دے تاکہ وہ ہر طرح کے فائدے اور حظ اٹھائے اس کے ساتھ قضا و قدر بھی اس کی کل آرزوئیں پوری کرے اور خواہشیں برلائے اور ہر طرح کی آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ اور مکروہات اور برائیوں سے مامون ہو اور سب عزیز و قریب اور بھائی برادر اس کے موافق ہوں اور اپنے دشمنوں اور حاسدوں سے امن میں ہو اور بال بچوں کے اعتبار سے بھی اس کا دل ٹھنڈا ہو۔ بادشاہ کے دربار میں اس کی بڑی عزت ہو اور عامتہ الناس کے دل میں اس کی محبت ہو اور پھر جتنی باتیں اسے حاصل ہوں سب سے اس نے فائدہ بھی اٹھایا ہو اور اس پر رشک بھی کیا ہو' بڑی آن بان اور نہایت شوکت و شان سے اس نے زندگی بسر کی ہو۔ جس چیز کی آرزو کی ہو وہ پوری ہوئی اور جو خواہش پیدا ہوئی ہو وہ بر آئی ہو اور اس کے اقبال و دولت کی لوگ قسمیں کھاتے ہوں اور رعب و داب کا سکہ سب جگہ بیٹھ گیا ہو تب بھی باوجود ان سب باتوں کے اس کی خوشحالی و فارغ البالی کی انتہائی مدت سو برس ہے یہاں تک کہ اس کا جسم فرسودہ ہو جائے گا اس کے چہرے اور

بالوں کی رنگت بدل جائے گی گوشت اور پوست ڈھیلا پڑ جائے گا۔ قوت میں کمی آجائے گی بصارت کمزور ہو گی۔ اہل و عیال اور دوست و احباب چھوڑ بیٹھیں گے۔ عزت، ذلت سے بدل جائے گی اور رعب و دبدبہ ہوا ہو جائے گا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی نشانیاں غایتہ الامر تین سو برس تک رہیں گی اور بعد ان کے اس کا سارا اندوختہ متفرق ہو گا اور اس کا کیا دھرا منتشر۔ اس کی بنائی ہوئی عمارتیں خراب و ویران اور اس کا نام مٹ جائے گا اور ذکر بھلا دیا جائے گا۔ حسب کا نشان تک باقی نہ رہے گا اور نسب کا نام تک کوئی نہ لے گا۔ آل حیران اولاد پریشان۔ کوئی روٹیوں کو محتاج تو کوئی کپڑوں کو، گویا اس نے کچھ کمایا ہی نہ تھا اور چپہ بھر زمین کا بھی مالک نہ ہوا تھا۔ عزت واقتدار کے مالک تو اس زمانہ کے اہل حکومت و عہدہ ہوں گے اور متاع و مال کے وارث وہ لوگ جن کی روزی و میراث خدا اس میں مقرر کر دیگا۔

پس جب میں نے دیکھا کہ آدمی جو کچھ اکٹھا کرتا ہے وہ بکھر جاتا ہے اور جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ چھن جاتا ہے سوائے پرہیزگاری اور نیک کام کے کہ یہ نہ چھنتا ہے نہ پرانا ہوتا اور نہ ضائع جاتا ہے تو میں نے اپنی عقل و خواہش اور محبت و قول سب کو نیکوکاری اور پرہیزگاری ہی پر مائل کیا کیونکہ جو کچھ ہم حاصل کر سکتے ہیں اس میں سب سے اعلیٰ اور افضل یہی ہے۔ جو شے اچھے کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی رغبت دے سکتی ہے سب سے زیادہ خدائے عزوجل کی تصدیق ہے۔ اسی سبب سے یہ کمائی میری کمائی ہے اور یہی تصدیق میرا عقیدہ اور جب سے میں نے اس کو جانا اور سمجھا ہے حتی المقدور اچھے کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کو دوست رکھتا ہوں اور اپنے مالک کے وعدوں کو سچا جانتا ہوں اور موت کے بعد اٹھنے اور بہشت و دوزخ کے موجود ہونے پر یقین و ایمان رکھتا ہوں اور اے شہزادے! جو شخص ہمیشہ کے لئے سچائی کو اختیار کرے گا اور دین کی بنیاد علم پر رکھے گا گو وہ تھوڑا ہی عمل کرے، اور شبہ سے بچا رہے تو خطا سے محفوظ رہے گا اور ایسے شخص کا راستی آمیز تھوڑا سا کلام اس شخص کی بہت سی باتوں سے جو جھوٹ ملاتا ہے بہتر ہوتا ہے اور مردِ عاقل پر واجب ہے کہ خاص کر اپنے نفس پر حکومت و سیاست اسی طرح سے کرے جس طرح کہ ایک عاقل اور عالم حاکم رعایا پر کرتا ہے یعنی وہ جس چیز میں ان کی بھلائی دیکھتا ہے اس کے کرنے کا حکم دیتا ہے جس میں ان کی برائی سمجھتا ہے ان سے روک دیتا ہے پھر جو شخص اس کی نافرمانی کرتا ہے اس کو سزا دیتا اور جو فرمانبرداری کرتا ہے اس کو جزا دیتا ہے اور اسی طرح سے اس پر اپنے گھر والوں کی سیاست بھی

واجب ہے کہ ان کی تدبیرِ معاش کا خیال اور ان کے اعمال و افعال پر نظر رکھے اور تاکید سے اپنے حکم کی تعمیل کرائے اور جو شخص حکم نہ مانے اس کی پوری تادیب کرے اور اپنے نفس کی سیاست اس طرح سے شروع کرے کہ اس کے سارے اخلاق اور اس کی خواہشوں پر غور کرے تاکہ نفس اچھی باتوں پر ہمیشہ قائم اور بری باتوں سے برابر بچتا رہے اس پر کچھ ریاضت واجب و لازم کر دے۔ پھر نفس کے لئے خود نفس ہی کی طرف سے جزا و سزا مقرر کر دے یعنی جب اچھے فعل کرے تو اس کو خوش ہونے دے اور جب برائی کا مرتکب ہو تو اس کو مذمت و ندامت کا نشانہ بنائے، کیونکہ عالم و فاضل پر فرض ہے کہ جتنے امور اس کو پیش آئیں سب پر غور کرے جو صواب ہوں ان کو اختیار کرے اور جو خطا ہوں ان کو چھوڑ دے اور اپنے نفس و رائے اور عمل کو حقیر سمجھے اس لئے کہ عقل والوں کے نزدیک یہ فعل پسندیدہ ہے اور نادانوں کے نزدیک نازیبا اور ساری بھلائیاں خدا کے حکم سے عقل ہی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں اور جہل نفوس کا ہلاک و تباہ کرنے والا ہے اور عقل والوں نے جتنی باتیں اپنی عقل سے دریافت کیں اور اپنے تجربہ سے پائیں اور اپنی بصارت سے حاصل کی ہیں ان میں سے سب سے مستحکم بات یہ ہے کہ آدمی کو نفسانی خواہشوں سے دور رہنا اور ہوا و ہوس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ (صفحہ ۷۴ تا ۷۷)

تقدیر و تدبیر

تقدیر و تدبیر بمنزلہ روح و جسم کے ہیں۔ روح بغیر جسم کے کچھ کام نہیں کر سکتی اور جسم بغیر روح کے صرف مٹی کی مورت ہے مگر جب دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو دونوں قوی اور کام کے قابل ہو جاتے ہیں یہی حال تقدیر و تدبیر کا بھی ہے اگر تقدیر کے ساتھ تدبیر نہ ہو تو نتیجہ حسب خواہش نہیں نکلے گا اور اگر تدبیر بغیر تقدیر کے کی جائے تو وہ پوری نہ ہو گی مگر یک جا ہونے سے دونوں قوی ہو جاتی ہیں اور مقصد پورا ہوتا ہے (یاد رکھو) تقدیر وہ ہے جو لازمی طور پر ہو کر رہے اور عمل و تدبیر ہونے والی شے کی علت ہے پس جب تقدیر نے یاوری کی اس شے کا ہونا یقینی ہو گیا اور اس کا وجود ظاہر ہوا۔ (صفحہ ۸۴)

نیکی کا معیار

سب سے زیادہ عادل وہ ہے جو دوسروں کے حق میں اپنے نفس کے لحاظ سے انصاف

کرے۔ سب سے زیادہ ظالم وہ ہے جو اپنے ظلم کو انصاف اور اہلِ ہدایت کے انصاف کو ظلم جانے۔ سب سے زیادہ ہوشیار وہ ہے جو آخرت کے لئے دنیا میں سامان جمع کر رکھے اور سب سے زیادہ بیوقوف وہ ہے جس کا مقصود دنیا اور جس کا عمل گناہ ہو اور سب سے زیادہ نیک بخت وہ ہے جس کا خاتمہ بخیر ہو اور جو شخص دوسروں کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ اگر دوسرے بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں تو وہ ہلاک ہو جائے۔ اس شخص کا برتاؤ اور طریقہ شیطانی ہے اور جو شخص لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ اگر وہ بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں تو اس کی حالت سنور جائے تو اس شخص کا طریقہ رحمانی ہے۔ تجھ کو یہ بھی لازم ہے کہ اچھی بات کو گو وہ بدکاروں میں ہو برا نہ سمجھے اور بری بات کو گو وہ نیکوکاروں میں ہو اچھا نہ جان اور رائیگاں جانے والی چیزوں میں سے اول وہ محنت ہے جو خدا کی نافرمانی میں اٹھائی جائے۔ دوسری وہ عبادت ہے جو بتوں اور مورتوں کی کی جائے۔ تیسرے وہ رائے ہے جو متکبر و مغرور آدمی سے کہی جائے جس کو وہ قبول نہیں کرتا۔ (صفحہ ۸۵)

بت پرست شہزادے کو نصیحت

اے شہزادے! تیری قوم نے گو اپنے بتوں کو اپنے ہی ہاتھ سے گھڑا ہے مگر یہ جھوٹا خیال رکھتی ہے کہ بت ہی اس کے پیدا کرنے والے ہیں ----- اور گو خود ان کی نگہبانی اس ڈر سے کرتی ہے کہ کہیں وہ چوری نہ ہو جائیں لیکن زعم باطل یہ ہے کہ وہ اس کے محافظ ہیں ----- علاوہ اس کے تیری قوم اپنی کمائی بھی ان پر خرچ کرتی ہے اور یہ لغو گمان کرتی ہے کہ وہی اسکے روزی دینے والے ہیں۔ پس یہ لوگ بتوں سے وہ چیز چاہتے ہیں جو مل نہیں سکتی اور ایسی باتوں کو سچ جانتے ہیں جو انہونی ہیں۔ (صفحہ ۸۴)

ہندوستان میں اعلانِ نبوت

اپنے کانوں کو کھولو اور اپنے دلوں کو خیالات پریشاں سے خالی کرو تاکہ خدائی حکمت کو جو روحوں کا نور اور دلوں کا سرور ہے سن سکو اور اس علم سے قوت پاؤ جو سیدھی راہ کا رہنما ہے اور اپنی عقلوں کو بیدار کرو اور اس فرق کو سمجھو جو حق و باطل اور ہدایت و ضلالت میں ہے۔ جان رکھو کہ یہی دین خدا کا وہ دین ہے جسے اگلے زمانہ میں رسولوں اور نبیوں کی زبان پر اس نے

اتارا تھا اور اب خدائے بزرگ و برتر نے مجھے اس زمانہ میں اور اس قرن کے لوگوں کے لئے ان کی حالت پر رحم کر کے انہیں قبر کے عذاب اور جہنم کی آگ سے بچانے کے لئے مخصوص کیا ہے اور سمجھ رکھو کہ کوئی شخص نہ **آسمانی بادشاہت** کو پا سکتا ہے نہ اس میں قدم رکھ سکتا ہے جب تک کہ علم و ایمان اور عمل خیر کی تکمیل نہ کرے اس لئے تم کو چاہئے کہ عمل نیک کے لئے جسموں کو آمادہ کرو اور اس میں کوشش و مشقت کرو تاکہ دائمی راحت اور حیات ابدی تم کو حاصل ہو اور تم میں سے جو کوئی دین پر ایمان لائے اس کا ایمان ہرگز جسمانی حیات کی طمع یا اہلِ دنیا سے امید یا دنیاوی عطیات کی طلب کی وجہ سے نہ ہو بلکہ ضرور ہے کہ تمہارا ایمان **آسمانی بادشاہت** کے شوق، نفس کی رہائی کی امید اور روحوں کی حیات کی غرض سے ہو، گمراہی و موت سے نجات اور اخروی راحت و خوشی کی طلب کی وجہ سے ہو کیونکہ دنیا کا ملک اور اس کی سلطنت ناپائدار اور اس کی لذتیں بے اعتبار ہیں اور جس نے دنیا کا فریب کھایا وہ ذلیل و خوار ہوا کیونکہ (اسے ایک دن) اس انصاف ور کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا جو فیصلہ نہیں کرنے کا مگر انصاف کے ساتھ اور یہ دنیا تو اہل دنیا سے بہت جلد پھر جاتی ہے اور موت تمہارے جسموں سے لگی ہوئی اور تمہاری جانوں کی تاک میں بیٹھی ہوئی ہے۔ دیکھو ہوشیار رہو کہیں گمراہی میں پڑ کر بدن کے ساتھ روحوں کو بھی ہلاک نہ کر لینا کیونکہ تمہارے نفس تو موت کی صلاحیت رکھتے ہی ہیں اور وہ روحوں کی حکومت میں ہیں اور اچھے کام پہلے سے کر رکھو اور اس مژدہ **(بشارت)** کو سچ سمجھو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اور جان لو کہ جس طرح پرندہ زندہ نہیں رہ سکتا اور دشمنوں سے نجات نہیں پا سکتا ہے مگر بینائی اور دونوں بازوؤں اور دونوں ٹانگوں کی قوت سے اسی طرح سے نفوس حیات و نجات پر قادر نہیں ہو سکتے مگر علم، ایمان اور خلوص کے اعمال خیر سے۔ (صفحہ ۲۵۳، ۲۵۴)

مسیحؑ کی انجیلِ ثانی

منیر صاحب! یوز آسف کے اس آخری ارشاد نے تو پوری طرح ثابت کر دیا کہ ہندوستان میں جو شخص اپنی نبوت کا اعلان کر رہا ہے وہ سوائے حضرت مسیحؑ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں بار بار **آسمانی بادشاہت** کی طرف دعوت دی گئی ہے اور یہ اصطلاح فلسطین کے دوران قیام حضرت مسیحؑ ہی استعمال کیا کرتے تھے جس سے انجیل بھری پڑی ہے۔

دوسری اہم بلکہ اہم ترین بات یہ ہے کہ جناب یوز آسف (حضرت مسیحؑ) فرماتے ہیں کہ :۔

"اس "بشارت" کو صحیح سمجھو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں"

آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ بشارت کے معنی ہی انجیل کے ہیں۔ چنانچہ عربی کی مشہور لغت "المنجد" میں انجیل کے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں۔

"انجیل یونانی کلمہ ہے جس کے معنی ہیں خوش خبری' بشارت"۔ (عربی نسخے میں لفظ "البشریٰ" استعمال کیا گیا ہے۔)

گویا حضرت مسیحؑ نے بات صاف کر دی اور پوری وضاحت سے اعلان فرما دیا کہ یہ میری انجیل ہے جسے درست اور برحق سمجھ کر قبول کر لو۔

مسیحؑ کا آسمان؟

منیر احمد :۔ پیام صاحب! اب تک آپ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ آپ کی خالص تاریخی اور واقعاتی لحاظ سے تحقیق ہے لیکن مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ بلکہ نوے فی صد اکثریت اس سارے معاملے کو مذہبی نقطہ نگاہ سے دیکھتی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا اور وہ چوتھے آسمان پر بیٹھے ہیں۔ ۱۴ سو برس سے ہمارے بزرگ علما اور اکابر کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ آخر زمانے میں حضرت عیسیٰؑ آسمان سے نیچے اتریں گے' کفار کو قتل کریں گے اور اسلام کو ساری دنیا پر غالب کر دیں گے۔ ایک خالص مذہبی نظریہ رکھنے والا مسلمان یہ سوال کر سکتا ہے کہ آخر ایک مسلمہ عقیدہ کے خلاف آپ نے جو نظریہ پیش کیا ہے مذہبی لحاظ سے اس کا کیا جواز ہے؟ میرا مطلب ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا کیا جواز ہے؟

پیام :۔ میرے عزیز منیر صاحب! یہ درست ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت حضرت مسیحؑ کے معاملے کو مذہبی نقطہ نگاہ سے دیکھتی ہے اس لئے ہمیں مذہبی نقطہ نظر سے بھی اس معاملے کا جائزہ لینا چاہئے میں اس کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔ پہلی بات یہ کہ جو لوگ حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر بیٹھے ہیں ان کا ذریعہ ء معلومات کیا ہے؟ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ جناب مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے تمام عقائد کا سرچشمہ قرآن کریم ہے۔ قرآن میں تو کسی ایک مقام پر بھی نہیں کہا گیا کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر بیٹھے ہیں بلکہ انؑ کے حالات و واقعات کے سلسلے میں لفظ "آسمان" سرے سے استعمال ہی نہیں کیا گیا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیتا جو ایک نادر الوقوع واقعہ تھا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی اس وقت سے کبھی رونما ہی نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایسے عجیب بلکہ عجیب تر واقعے کا ذکر تک نہ فرماتا اور پھر ہمیں مجبور کرتا کہ تم مانو کہ میں نے مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ ایسی غیر معقول بات اللہ تعالیٰ کی مقدس اور بے عیب ہستی

سے منسوب ہی نہیں کی جا سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ اس نے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر نہیں اٹھایا کیونکہ اگر اس نے اپنے اس مقدس رسول کو آسمان پر اٹھایا ہوتا تو جیساکہ میں نے ابھی عرض کیا قرآن کریم میں وہ ضرور اس کا ذکر فرماتا۔

دوسری بات یہ کہ جو لوگ حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا' دوسرے الفاظ میں وہ یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ قرآن کریم کی جس آیت سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں اس میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

رفعه الله اليه (النساء آیت ۱۵۸)

یعنی "اللہ نے انہیں (مسیح کو) اپنی طرف اٹھا لیا"۔ اپنی طرف اٹھانے کے معنی اگر آسمان پر اٹھانے کے ہیں تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر بیٹھا ہوا ہے حالانکہ یہ نظریہ اللہ تعالیٰ کی ارفع و اعلیٰ شان کے قطعاً خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو لا محدود ہے جبکہ آسمان اپنے کناروں میں محدود ہے اور ایک محدود چیز میں لا محدود چیز سما ہی نہیں سکتی یہ عقلاً" غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی مکان نہیں۔ وہ لا مکاں ہے یعنی مکاں و زماں کی قیود سے آزاد و بالا ہے۔ وہ تو ہر جگہ موجود ہے حتیٰ کہ ہماری رگِ جاں سے بھی قریب ہے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر موجود نہیں ہے اور نہ آسمان اس کی جائے قیام ہے۔ ایک مولانا صاحب نے بہت غوروخوض کرنے اور اس معاملے کے سارے پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد یہ موقف اختیار فرمایا کہ "ہمیں نہیں معلوم کہ جناب مسیحؑ کہاں ہیں ہم اتنا جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا پس جہاں اللہ تعالیٰ ہے وہیں حضرت مسیحؑ ہیں"۔ گویا مولانا صاحب نے خود کو ایک ایسی مصیبت میں پھنسا لیا کہ جس سے رستگاری کی کوئی صورت نکل ہی نہیں سکتی۔

منیر صاحب! غور کیجئے کہ اگر یہ موقف صحیح ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ ہے وہیں حضرت مسیحؑ ہیں پھر تو وہ خدا کی خدائی میں پوری طرح شریک ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ ہے پس لازم آئے گا کہ حضرت مسیحؑ بھی ہر جگہ ہیں۔ اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مسیحی علماء نے بہت سوچ سمجھ کر یہ عقیدہ اختیار کیا تھا اور پوری فکری پلاننگ کے بعد اسے دنیا سے روشناس کرا دیا تاکہ حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ اور تین خداؤں میں سے ایک خدا ثابت کرنے میں جتنی رکاوٹیں پیش آ سکتی ہیں ان سب کو دور کر دیا جائے اور اس تصور تک پہنچنے کے سارے راستے صاف اور ہموار کر دیئے جائیں۔ افسوس کہ ان کے پھیلائے ہوئے اس جال میں ہمارے بہت سے سادہ لوح مسلمان بھی پھنس گئے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! کیا حضرت مسیحؑ نے بھی اپنی آمد ثانی کے بارے میں کچھ فرمایا ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ آیا وہ آسمان سے نازل ہوں گے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! یقیناً انہوں نے اپنی آمد ثانی کے بارے میں فرمایا ہے مگر آسمان سے نازل ہونے کے بارے میں نہیں فرمایا کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ آسمان پر تشریف فرما ہیں اور کسی وقت اس دنیا میں نازل ہوں گے تو ایک سخت مشکل پیش آئے گی اور بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گا یعنی لوگ انہیں پہچانیں گے کیسے کہ واقعی یہی حضرت مسیحؑ ہیں کیونکہ وہ خود انجیل میں فرماتے ہیں کہ:۔

"خبردار کوئی تم کو گمراہ نہ کر دے ○ کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے"۔

(متی کی انجیل باب ۲۴ آیت ۵)

ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ یہ آخری زمانے میں ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت مسیحؑ آسمان سے نازل ہوں گے (اور آخری زمانے میں نازل ہوں گے) تو کیسے معلوم ہو گا کہ یہ حقیقی مسیحؑ ہیں یا جھوٹے مسیح کی قسم کا کوئی مسیح ہے کیونکہ ہمارے پاس اصلی مسیحؑ کو شناخت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے نہ ان کی کوئی تصویر موجود ہے جسے سامنے رکھ کر اور ان کے حلئے سے ملا کر انہیں شناخت کیا جا سکے۔ وہ لاکھ کہتے رہیں گے کہ لوگو! میں وہی مسیحؑ "ابن مریمؑ" ہوں جسے آج سے اتنے ہزار سال قبل آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا ۔۔۔۔۔۔ مگر کون مانے گا۔ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جھوٹا ہے کسی منصوبے کے تحت کوئی ہیلی کاپٹر اسے اتار کر چلا گیا ہے کیونکہ روایات کے مطابق جناب مسیحؑ دن کی روشنی میں نہیں اتریں گے بلکہ رات کے آخری حصے میں جبکہ ابھی اندھیرا ہو گا نزول فرمائیں گے یعنی لوگ اپنے اپنے گھروں میں پڑے سو رہے ہوں گے کہ ان کا نزول ہو جائے گا اور اس واقعے کے مٹھی بھر لوگ گواہ ہوں گے جو روایات کے مطابق نماز فجر کے لئے دمشق کی جامع مسجد میں جمع ہوں گے۔ فرمایئے ان مٹھی بھر لوگوں کی شہادت کو ساری دنیا کیسے تسلیم کرے گی۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ ان کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے(جو اعلان کر رہے ہوں گے کہ لوگو! ہوشیار ہو جاؤ جناب مسیحؑ "ابن مریمؑ" تشریف لا رہے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون ط)

حالانکہ روایت کا مفہوم یہ ہے (جس پر میں آگے چل کر تفصیلی گفتگو کروں گا) کہ امت محمدیہ میں کوئی شخص مسیحی صفات لے کر پیدا ہو گا اور دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر

مبعوث ہو گا یعنی اللہ تعالیٰ اسے دو ایسے فرشتہ صفت اور صادق رفیق عطا فرمائے گا جو اس کے مشن کی تکمیل میں اس کا ساتھ دیں گے نہ کہ ظاہری طور پر فرشتے اسے لے کر آسمان سے اتریں گے کیونکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس وقت سے لے کر آج تک اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی تصدیق کے لئے اس کے ساتھ فرشتے نہیں بھیجے چنانچہ کفارِ مکہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہی اعتراض کیا تھا کہ اگر یہ خدا کا رسول ہوتا تو اس کے ساتھ کوئی فرشتہ بھیجا جاتا جو اس کی تصدیق کرتا۔ قرآن حکیم نے ان کا یہ اعتراض ان الفاظ میں بیان کیا ہے :۔

لولا انزل الیہ ملک فیکون معہ نذیرا" O (الفرقان آیت ۷)

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے :۔

(اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر (لوگوں کو ڈراتا) یعنی ہوشیار کرتا۔)

مولانا صاحب اپنے ترجمے میں اس اعتراض یا مطالبے کو "خرافات" ٹھہراتے ہیں اور خود خداوند تعالیٰ اگلی آیت میں اس قسم کے مطالبات اور اعتراضات کرنے والوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ گویا ثابت ہو گیا کہ خدا اپنے نبیوں اور رسولوں کے ساتھ فرشتے نہیں بھیجا کرتا۔ یہ اس کی سنت اور قانون کے خلاف ہے جس کا اس نے اعلان فرما دیا۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ ظاہری طور پر حقیقی فرشتے اتریں گے وہ قرآن حکیم کے اس قانون کو جھٹلانے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

منیر صاحب! دوسری بات یہ کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کی مخالفت نہ کی گئی ہو اور جسے بغیر مخالفت کے قبول کر لیا گیا ہو۔ یہ بھی سنت الٰہی کے خلاف ہے۔ خود حضرت مسیحؑ کی بھی مخالفت کی جائے گی چنانچہ عالم اسلام کے عظیم مفکر، جلیل القدر عالم اور روحانی پیشوا حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰؑ تشریف لائیں گے تو :۔

"علمائے ظاہر جناب عیسیٰؑ کے اجتہادات و نظریات سے اس لئے انکار کریں گے کہ وہ ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکیں گے اور انہیں کتاب و سنت کے خلاف قرار دیں گے"۔

(مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر دوم ص ۱۰۷ مطبوعہ دہلی)

منیر صاحب! آپ خود سوچئے کہ اگر حضرت مسیحؑ کی آمد پر فرشتے اعلان کر رہے ہوں گے کہ "لوگو! ہوشیار ہو جاؤ اپنی آنکھیں اور کان کھول لو یہی مسیح ابن مریم ہیں" یا یہ اعلان نہ بھی کر رہے ہوں صرف انہیں اپنی معیت میں لے کر نازل ہوں ------ تو کون بدبخت انہیں

قبول کرنے میں تامل کر کے اپنا ایمان برباد کرے گا مگر حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے علمائے وقت ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کریں گے (اور اپنی کند ذہنی اور موٹے دماغ کی وجہ سے) ان کے بیان کردہ روحانی اسرار و رموز کو نہیں سمجھ سکیں گے اور انہیں کتاب و سنت کا باغی قرار دیں گے گویا فتوئ کفر لگائیں گے۔ اگر حضرت مسیحؑ کے ساتھ ظاہری طور پر فرشتے ہوں گے تو جناب مسیحؑ کی صداقت کا اتنا بڑا نشان دیکھ کر تو کوئی معمولی سے معمولی عالم بھی ان کی مخالفت کر کے اپنا ایمان برباد نہیں کرے گا پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ دو فرشتوں کا ہونا تمثیلی کلام ہے کیونکہ حضرت مسیحؑ بھی تمثیلوں میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

منیر احمد :۔ پیام صاحب! جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں اور دوبارہ نازل ہوں گے ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے اس کے لئے بہت آسان ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کو آسمان پر اٹھا لے۔ وہ اپنی قدرت کے نشان دکھاتا رہتا ہے یہ بھی اس کی قدرت کا ایک نشان تھا جو اس نے اپنے بندوں کو دکھایا۔

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! میرا بھی ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر امر پر قادر ہے جو اس میں شک کرتا ہے وہ بے ایمان اور کافر ہے بلاشبہ وہ اپنی قدرت کے نشان بھی دکھاتا رہتا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا کر اپنے بندوں کو اپنی قدرت کا نشان دکھایا وہ ثابت کریں کہ اس نے اپنے کس بندے کو یہ نشان دکھایا۔ کوئی ایک شخص بھی ایسا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ نشان دیکھا؟ کوئی ایک عینی شاہد تو ہو جس کا نام پیش کیا جائے جس نے حضرت مسیحؑ کو زمین سے آسمان کی طرف بلند ہوتے دیکھا ہو۔ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا تو ایک دو نے نہیں ہزاروں اور لاکھوں لوگوں نے دیکھا ہوتا اور فلسطین بلکہ دنیا کی تاریخ اس کے ذکر سے بھری ہوتی۔ اگر وہ اپنے بندوں کو اپنی قدرت کاملہ کا نشان دکھانا چاہتا تھا تو اس کا سب سے بڑا اور موزوں ترین مقام تو وہ تھا جہاں حضرت مسیحؑ کو صلیب دی جانی تھی اور خدا کا رسول رسیوں میں جکڑا کھڑا تھا۔ خداوند تعالیٰ کی قدرت کا اظہار تو یوں ہوتا کہ حضرت مسیحؑ دشمنوں کے دیکھتے دیکھتے ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر مع جوتوں اور کپڑوں کے فضا میں بلند ہو جاتے اور آناً فاناً آسمان کی طرف پرواز کر جاتے۔ ایک دنیا انہیں آسمان کی طرف بلند ہوتا ہوا دیکھ رہی ہوتی۔ لوگ اپنے گھروں کے صحن میں اور چھتوں پر، کسان اپنے کھیتوں میں، دوکاندار اور گاہک بازاروں میں چرواہے اپنی

چراگاہوں میں دنیا کے اس عجیب ترین اور محیر العقول منظر کا مشاہدہ کر رہے ہوتے۔ صرف یروشلم ہی نہیں بلکہ قرب و جوار کے بیسیوں دیہات اور قصبات کے لوگ تاریخ عالم کے اس حیرتناک واقعے کو دیکھ رہے ہوتے اور عقل گم کر دینے والے اس واقعے کی تفاصیل سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہوتی مگر صرف دو انجیل نویسوں کے سوائے جو خود بھی اس واقعے کے عینی شاہد نہیں دنیا کی تاریخ اس واقعے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کرتی اور مکمل طور پر خاموش ہے۔

منیر صاحب! سوچئے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ کیسی قدرت ہے جس کا ایک بھی عینی شاہد نہیں؛ جس کا کسی ایک شخص نے بھی مشاہدہ نہیں کیا' جس کا کوئی گواہ نہیں۔ خداوند تعالیٰ جب اپنی قدرت دکھاتا ہے تو گویا سورج چڑھا دیتا ہے اور ساری دنیا پکار اٹھتی ہے۔ "یہ ہے قدرتِ الٰہی کا نشان" مگر یہاں تو ایسا نہیں ہوا۔ سرے سے کوئی ایسا واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔ اگر ایسا واقعہ پیش آتا تو حضرت مسیحؑ کے سارے مخالفین اسی وقت آپؑ پر ایمان لے آتے خصوصاً گورنر پیلاطوس' بادشاہ ہیروڈیس' قیصر روم اور وہ لاکھوں یہودی جو فلسطین میں آباد تھے اور جن کی آنکھوں کے سامنے حضرت مسیحؑ کی صداقت اور ان کے رسول برحق ہونے کا اتنا بڑا نشان ظاہر ہوا تھا۔ وہ سب اسی وقت سجدے میں گر جاتے' فوراً آپؑ کو قبول کر لیتے اور حضرت مسیحؑ راستے ہی میں سے دوبارہ واپس زمین پر بھیج دئے جاتے مگر یہودیوں کی تاریخ' سلطنت روما کی تاریخ اور خود فلسطین کی تاریخ جہاں اس واقعے کا رونما ہونا بیان کیا جاتا ہے بالکل خاموش ہے پس ثابت ہو گیا کہ یہ واقعہ خوش عقیدہ مسیحیوں نے محض اپنی نفسیاتی تسکین کی خاطر گھڑ لیا جس میں بعض غلط فہمیوں کو بھی دخل تھا ورنہ درحقیقت ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

انبیاء سے اللہ کا معاملہ

منیر صاحب! آیئے ایک اور پہلو سے اس واقعے پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیاء کے ساتھ اس سے پہلے کیا معاملہ رہا اور آزمائشوں اور ابتلاؤں میں اس نے ان کی کس طرح مدد فرمائی؟ انہیں ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے کس طرح بچایا؟ یا کبھی نہیں بھی بچایا۔ حضرت نوحؑ پر جب ان کی قوم کے اکابر نے عرصہ حیات تنگ کر دیا' سرکشی و نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اور آپؑ کے ماننے والوں کو بچا لیا ، مگر اسی زمین پر بچایا' آسمان پر نہیں اٹھایا۔ حضرت ابراہیمؑ پر بہت بڑی آزمائش کا وقت آیا اور بادشاہ وقت نمرود نے آپؑ

کو آگ میں ڈال کر ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان نازک لمحات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھائی اور حضرت ابراہیمؑ پر آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور انہیں مصر چلے جانے کا حکم دیا۔ گویا اس نے اپنے نبی کو اسی دنیا میں بچایا' اسی زمین پر بچایا' آسمان پر نہیں اٹھایا۔ حضرت لوطؑ کی قوم جب طغیان' سرکشی اور بدکاریوں میں حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اس ملک سے نکل جانے کا حکم دیا اور زمین کو تہہ و بالا کر کے ساری قوم کو ہلاک کر دیا۔ گویا حضرت لوطؑ کو بھی اس نے اسی زمین پر ان کے دشمنوں سے محفوظ رکھا' آسمان پر اٹھا کر نہیں بچایا۔ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی نافرمان اور ظالم قوموں کو تباہ و برباد کر دیا' ان کی بستیوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا اور اپنے دونوں مقدس رسولوں کو بچا لیا مگر اسی زمین پر بچایا' آسمان پر نہیں اٹھایا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے دشمنوں (فرعون اور اس کے لشکر) کو اللہ تعالیٰ نے سمندر میں غرق کر دیا اور اپنے دونوں مقدس رسولوں کو بچا لیا مگر اسی زمین پر بچایا' آسمان پر نہیں اٹھایا' حتیٰ کہ حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ دشمنوں کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل ہوتا دیکھنا گوارا کر لیا مگر انہیں آسمان پر اٹھا کر اپنی سنت اور اپنے قانون کو توڑنا گوارا نہیں کیا۔ **یہ بہت تدبر اور غور کرنے کا مقام ہے' اگر کسی میں بصیرت ہو** —— اور آخر میں ہمارے سید و مولاؐ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ہاتھوں سے اسی زمین پر بچایا جب آپؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا تھا' اس وقت اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر نیند طاری کر دی اور حضورؐ اقدس ان کی آنکھوں میں خاک ڈال کر بحفاظت نکل گئے۔ دوسرا موقع وہ تھا جب سفرِ ہجرت کے دوران آپؐ اپنے رفیق خاص حضرت صدیقؓ اکبر کے ساتھ غار ثور میں پناہ گزیں تھے اور دشمن غار کے منہ پر پہنچ گیا تھا۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نشان اسی زمین پر دکھایا یعنی مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بُن دیا اور غار کے منہ پر ہی کبوتری اپنے گھونسلے میں انڈے دے کر ان پر بیٹھ گئی اس طرح دشمن دھوکا کھا گیا۔ گویا حضورؐ اقدس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی زمین پر بچایا آسمان پر اٹھا کر نہیں بچایا۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت مسیحؑ خدا کے ان مقدس نبیوں اور رسولوں کی جماعت سے ماوراء تھے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت تبدیل کر دی جبکہ وہ خود فرما چکا ہے کہ "تم اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔" کیا یہاں پہنچ کر نعوذ باللہ وہ عاجز ہو گیا اور اپنے نبی کو

زمین پر بچانے میں ناکام رہ گیا؟ کیا اس کے نبی کے دشمن اس کی قوت اور تدبیر دونوں پر غالب آ گئے اس لئے جب وہ اپنے نبی کو زمین پر بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تو اپنی سابقہ سنت اور قانون کو توڑ کر مجبور ہو کر اس نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر امر پر قادر ہے اس کے لئے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ بات تو جب تھی کہ وہ اسی زمین پر انہیں ان کے دشمنوں سے بچا کر دکھاتا۔ اس کی قدرت کا نشان تو یہ تھا جس کا مسیحیوں کے بقول ظہور نہیں ہو سکا' مگر ہمارا ایمان ہے اور قرآن کریم اس کی تائید و تصدیق کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کو اسی زمین پر ان کے دشمنوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا اور انہیں قتل ہونے سے بچا لیا۔ آپؑ کے دشمنوں کی تدبیر پر اللہ کی تدبیر غالب آ گئی کیونکہ خود اس کے بقول وہ "خیر الماکرین" ہے یعنی تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا۔

غرض یہ کہ اس واقعے پر جس پہلو سے غور کیا جائے یہ سراسر خلاف عقل ہے' قانون قدرت کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ کی اپنے انبیاء کے ساتھ جو سنت رہی ہے اس کے خلاف ہے' واقعات اور تاریخ کے خلاف ہے' ایک دیومالائی داستان سے زیادہ اس کی اور کچھ حیثیت نہیں۔

خدا عاجز نہیں

منیر صاحب! اب آخر میں ایک عظیم الشان صداقت کی طرف میں آپ کو اور آپ کے ذریعے سے اس انٹرویو کے قارئین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں' صداقت بھی قرآن عظیم نے پیش کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی جلالت و کبریائی کا زبردست نشان ہے' افسوس کہ اس پر غور نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لا تحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض (سورہ النور آیت نمبر ۵۷)

یعنی نہ سمجھ لینا کہ کفار (اپنی تدبیروں سے) ہمیں زمین میں عاجز کر دیں گے)

اس ارشاد ربانی کی روشنی میں اب حضرت مسیحؑ کے واقعے پر غور کیجئے۔ کفار (یہودیوں) نے پوری کوشش کی' پوری تدبیر کی تاکہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر ہلاک کر دیں۔ یہودی تو آپؑ کے دشمن تھے ہی رومی حکومت بھی ان کے دباؤ میں آ کر اور ان کے ورغلانے سے حضرت مسیحؑ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئی گویا دونوں مل کر خدا کو عاجز کر دینا چاہتے تھے' عاجز بھی اسی زمین پر کرنا چاہتے تھے کیونکہ خدا کو آسمان پر عاجز کرنا تو ان کے اختیار میں تھا ہی نہیں

پس اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہے کہ (اے دشمنانِ خدا کان کھول کر سن لو کہ) "تم ہمیں زمین پر عاجز نہیں کر سکتے" دوسری طرف جب اس کا دشمنانِ خدا و رسول سے مقابلہ پیش آتا ہے تو وہ اپنے نبی کو آسمان پر اٹھا لیتا ہے گویا وہ اسے زمین پر نہیں بچا سکا' اسے زمین پر بچانے سے عاجز آ گیا۔ یہ تو اس کے دعوے کی کھلی شکست ہے۔ اس کا یہ دعویٰ اسی وقت درست اور سچا ثابت ہوتا جب وہ اپنے نبی کے مخالفین کی تدبیروں کو اسی زمین پر ناکام کر کے اپنے نبی کو اسی زمین پر بچاتا جیسا کہ اس نے حضرت مسیحؑ کو اسی زمین پر بچایا اور صلیب پر ان کی حالت موت کی حالت سے مشابہ کر دی' شدید طوفان گردباد اور خوفناک زلزلہ برپا کر کے یہودیوں اور رومی سپاہیوں پر دہشت طاری کر دی' ایک منصوبے کے تحت جناب مسیحؑ کو صلیب سے زندہ حالت میں اتروا لیا' ان کے علاج معالجے کے سامان پیدا کر دیئے اور انہیں صحت مند فرما کر اسی زمین پر مدت دراز تک زندہ رکھا اس طرح اس نے ثابت کر دیا اور دنیا کو عملی مشاہدہ کروا دیا کہ:۔

لا تحسبن الذین کفروا معجزین فی الارض

(اے کافرو! کان کھل کر سن لو) "یہ نہ سمجھ لینا کہ تم ہمیں زمین میں (اپنی تدبیروں سے) عاجز کر سکتے ہو" ہرگز نہیں ہم اپنے جس بندے کو تمہاری گرفت سے بچانا چاہیں گے' اسی زمین پر بچائیں گے کیونکہ ہماری حکومت اور ہمارا اقتدار صرف آسمان پر نہیں زمین پر بھی ہے۔ پس خدا کا دشمنانِ خدا کے مقابلے میں غالب آنا اسی صورت میں ثابت ہو گا جب وہ ان کا مقابلہ اسی زمین پر کرے اور جس نبی کو بچانا چاہتا ہے اسی زمین پر بچائے نہ کہ آسمان پر اٹھا کر۔ سو اس نے حضرت مسیحؑ کو ان کے دشمنوں سے اسی زمین پر بچایا اور ان کی تدبیروں کو ناکام کر کے ثابت کر دیا کہ اس کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ کافر اسے زمین پر عاجز نہیں کر سکتے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بلاشک بہت غور طلب ہے میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ جب امت مسلمہ کے اکابر چودہ سو سال سے اس عقیدہ پر قائم ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اٹھا لئے گئے جہاں سے وہ آخر زمانے میں اتریں گے تو اس متفقہ عقیدے کے خلاف آپ جو نظریہ پیش کر رہے ہیں قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا کیا جواز ہے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب۔ پہلی بات یہ کہ آپ کا خیال درست نہیں ہے کہ ہمارے اکابر چودہ سو سال سے اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور وہ

چوتھے آسمان پر بیٹھے ہیں۔ امت مسلمہ آج تک کبھی اس عقیدے پر متفق نہیں ہوئی بلکہ ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو اس غلط عقیدے کی تردید کرتے رہے۔ اس عقیدے کی سب سے پہلے تردید اس وقت ہوئی جب رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کا وصال ہوا اور حضرت عمرؓ نے شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضورؐ فوت نہیں ہوئے ہیں بلکہ موسیٰؑ بن عمران کی طرح چالیس دن کے لئے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے گئے ہیں۔ حضورؐ سے انہیں جو عشق تھا وہ ان پر اتنا غالب آگیا کہ نیام سے تلوار نکال لی اور کہنے لگے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضورؐ فوت ہو گئے ہیں میں اس کے ہاتھ پیر کاٹ دوں گا۔ اس وقت مزاج شناس رسولؐ سیدنا ابو بکر صدیقؓ آگے بڑھے اور آپؓ نے مسجد نبوی میں موجود صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:-

"اما بعد دیکھو! تم میں سے جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ سلم) کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ آپؐ فوت ہو چکے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ **وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الخ** یعنی حضرت محمدؐ صرف اللہ کے رسول تھے آپؐ سے پہلے رسول گذر گئے (یعنی فوت ہو گئے) اگر وہ (رسولؐ اقدس) بھی فوت ہو جائیں یا قتل کر دئے جائیں تو کیا تم ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے یعنی مرتد ہو جاؤ گے۔ یہ واقعہ حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے باب کتاب الجنائز میں اور علامہ ابن ہشام نے اپنی کتاب "السیرۃ النبویہ" جز ثالث کے صفحہ ۳۷۲ پر درج کیا ہے۔

ابو بکر صدیقؓ کا استدلال

منیر صاحب! آپ اس واقعے پر خوب غور کیجئے اور دیکھئے کہ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے، تصور کیجئے کہ رسول اقدس وصال فرما چکے ہیں، حضرت عمرؓ جیسا عاشقِ رسول اور جلیل القدر صحابی یہ تسلیم نہیں کرتا کہ حضورؐ بھی فوت ہو سکتے ہیں، وہ اپنی بات پر مصر ہے کہ اتنے میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ تشریف لاتے ہیں اور وہ حضرت عمرؓ کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے قرآن حکیم کی وہ آیت تلاوت فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "رسولؐ اقدس صرف خدا کے رسول تھے آپؐ سے پہلے بھی رسول مبعوث ہوئے وہ سب فوت ہو گئے پس اگر آپؐ بھی فوت ہو گئے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ اگر حضورؐ اقدس سے پہلے سارے رسول

فوت نہیں ہوئے اور صحابہ کرام کا یہ عقیدہ ہوتا کہ ان رسولوں میں سے حضرت عیسیٰؑ بدستور آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں تو وہ اسی وقت حضرت ابو بکرؓ کو ٹوک دیتے اور کہتے کہ اے ابو بکرؓ تم کیا کہہ رہے ہو؟ رسولؐ اللہ سے پہلے سارے رسول کہاں فوت ہوئے دیکھو عیسیٰؑ ابن مریم تو آسمان پر زندہ ہیں۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کے پاس اس اعتراض کا کیا جواب ہوتا؟ مگر کسی ایک صحابیٔ رسول نے یہ دلیل پیش نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں اس لئے عین ممکن ہے کہ ہمارے رسولؐ پاک بھی زندہ ہوں۔ تاریخ کہتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی تقریر سن کر اور خاص طور پر آپؓ نے جو آیت تلاوت فرمائی تھی وہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ گزشتہ انبیا کی طرح رسولؐ اقدس بھی فوت ہو گئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وفاتِ رسولؐ کے بعد امت مسلمہ کا اس عقیدہ پر اجماع ہوا کہ رسولؐ خدا سے پہلے مبعوث ہونے والے سارے رسول جن میں حضرت مسیحؑ بھی شامل ہیں فوت ہو گئے۔

منیر احمد:- پیام صاحب آپ نے جو آیت اپنے نظریے کی تائید میں پیش کی ہے اس میں یہ کہیں نہیں فرمایا گیا کہ رسولؐ خدا سے قبل مبعوث ہونے والے رسول فوت ہو گئے لفظ "فوت" تو کہیں استعمال نہیں ہوا "خلت" کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی گزر گئے۔

پیام شاہجہانپوری:- منیر صاحب! "خلت" کہتے ہی موت کو ہیں۔ "خلت" کے معنی بلاشبہ گزرنے کے ہیں اور گزرنا استعمال ہی موت کے لئے ہوتا ہے۔ ہم اپنی روزمرہ کی گفتگو میں بھی بولتے ہیں کہ فلاں شخص گزر گیا، فلاں کا بھائی گزر گیا اس کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ وہ فوت ہو گیا۔ ایک مولوی صاحب نے لفظ "خلت" کے مفہوم پر بحث کرتے ہوئے ایک دلچسپ نکتہ اٹھایا تھا فرمانے لگے کہ "گزر گیا" کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ فوت ہو گیا مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ گاڑی گزر گئی تو کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ گاڑی فوت ہو گئی۔ ان مولانا سے کوئی پوچھے کہ حضرت! جب ہم کہتے ہیں کہ گاڑی گزر گئی تو کیا اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ گاڑی آسمان پر چلی گئی اور مع سواریوں کے وہ آسمان پر رواں دواں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے بعض مولوی صاحبان اردو لفظ "گزرنے" کو پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس پر بحث شروع کر دیتے ہیں، گزرنا یا گزر گئے جس عربی (قرآنی) لفظ کا ترجمہ ہے اس پر غور نہیں کرتے یعنی "خلت"۔ میں زیادہ باریکیوں میں نہیں جاؤں گا ورنہ مضمون طویل ہو جائے گا۔

منیر احمد:- پیام صاحب! مہربانی فرما کر اس انٹرویو کے قارئین کو قدیم مفسرین کے حوالے

سے اتنا تو بتا دیں کہ انہوں نے اس عربی لفظ "خلت" کے کیا معنی سمجھے اور بیان کئے تھے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! میں مختصراً" تین نامور مفسرین کی آراء بیان کئے دیتا ہوں۔ تفسیر بیضاوی مشہور ترین تفسیر ہے جسے بڑے بڑے عالم سند کا درجہ دیتے ہیں اس کے حاشے میں اس لفظ کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں۔

"رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح موت سے مستثنیٰ نہیں جس طرح آپؐ سے قبل مبعوث ہونے والے تمام انبیا دنیا سے گزر گئے (یعنی فوت ہو گئے) پس اسی طرح آپؐ بھی گزر جائیں گے یعنی فوت ہو جائیں گے (حاشیۃ القاضی و کفایۃ الراضی علی التفسیر البیضاوی جلد ۳ صفحہ ۶۸)

دوسری تفسیر کا نام ہے "جامع البیان" جو عالم اسلام کے ممتاز مفسر الشیخ علامہ سید معین الدین کا شاہکار ہے۔ علامہ مرحوم "قد خلت من قبلہ الرسل" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"رسولؐ خدا سے قبل جتنے نبی مبعوث ہوئے وہ یا تو (طبعی) موت کے ذریعے دنیا سے گزر گئے یا قتل کے ساتھ (ذریعے) گزر گئے۔ (تفسیر جامع البیان صفحہ ۶۱ زیر آیت وما محمد الا رسول الخ)

تیسرے مفسر علامہ قاضی ثنا اللہ" ہیں جن کی تفسیر قرآن "تفسیر مظہری" کے نام سے پاکستان اور ہندوستان کے ہر دینی مدرسے میں موجود ہے انہوں نے تو رسولؐ خدا سے قبل گزرنے والے تمام انبیاء کے لئے "مات" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہی موت ہیں فرماتے ہیں:۔

(رسولؐ خدا سے) پہلے نبی و رسول دنیا سے گزر گئے اور مات یعنی مرگئے (ان پر موت آگئی) (تفسیر مظہری از علامہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی صفحہ ۴۸۵ زیر آیت وما محمد الا رسول الخ)

ہاں یاد آیا ایک اور بہت بلند پایہ مفسر علامہ زین الدین علی المہائمی گزرے ہیں موصوف "قد خلت" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

(رسولؐ خدا سے قبل تمام انبیا دنیا سے گزر گئے ان میں سے کوئی (طبعی طور پر) فوت ہو گیا (مات) اور کوئی (قُتِلَ) یعنی قتل ہو گیا۔ (تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان جلد ۱ ص ۱۷۷)

یعنی گزشتہ زمانوں میں جتنے نبی مبعوث ہوئے ان کے دنیا سے گزرنے کے دو ہی طریقے تھے (۱) یا تو وہ طبعی موت سے فوت ہو گئے یا انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کے دنیا سے گزرنے کا تیسرا طریقہ اور کوئی نہیں تھا۔ یعنی ان میں سے کسی کو آسمان پر نہیں اٹھایا گیا۔

منیر صاحب! یہاں ذرا سا ٹھہر کر سوچئے کہ اتنے بڑے بڑے مفسر اس آیت (وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسول) کی تفسیر کرتے ہیں اور سب بیک زبان ایک ہی بات کہتے ہیں کہ حضورؐ اقدس سے پہلے دنیا میں جتنے نبی مبعوث ہوئے وہ سب گزر گئے اور گزرنے کے دو ہی طریقے بیان کرتے ہیں کہ (۱) یا تو وہ طبعی موت سے فوت ہو گئے (۲) یا انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان میں سے کوئی ایک مفسر بھی دنیا سے گزرنے کا یہ طریقہ تجویز نہیں کرتا کہ ان میں سے کسی ایک کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ اگر ان فاضل مفسرین کا یہ نظریہ ہوتا تو اپنی تفسیروں میں "الا عیسیٰ ابن مریم" کے الفاظ کا اضافہ کر دیتے یعنی سوائے عیسیٰ ابن مریم کے جو دنیا سے اس طرح گزرے کہ انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا مگر اس آیت کی تفسیر کرتے وقت کسی مفسر نے اس طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

پس ثابت ہو گیا کہ "خلت" کے ایک ہی معنی ہیں یعنی فوت ہو جانا اور یہی معنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پیش نظر تھے جب آپؓ نے حضورؐ اقدس کی وفات کے موقع پر یہ آیت تلاوت فرمائی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ سلم) صرف اللہ کے رسول تھے اور آپؐ سے پہلے جتنے بھی رسول مبعوث ہوئے وہ سب فوت ہو گئے)۔ اکابر صحابہ کی جماعت نے ان معنی کو تسلیم کیا' ان سے اتفاق کیا اور کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ اے ابو بکرؓ! آپ نے اس آیت کی غلط تفسیر کی یا اسے غلط موقع پر چسپاں کیا' دیکھئے سب نبی فوت نہیں ہوئے عیسیٰ ابن مریم ابھی زندہ ہیں' وہ آسمان پر تشریف فرما ہیں اور آخر زمانے میں آکر فریضہ ء تبلیغ ادا فرمائیں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لفظ "خلت" صاف طور پر بتا رہا ہے کہ حضورؐ اقدس سے پہلے سارے رسول فوت ہو گئے جن میں مسیحؑ ابن مریمؑ بھی شامل ہیں۔

رسولؐ پاک کا قول فیصل

منیر احمد:۔ پیام صاحب! اس مسئلے کے حل کے لئے ہم رسولؐ پاک سے کیوں نہ رہنمائی حاصل کریں' حضورؐ پاک نے بھی تو اس بارے میں کچھ فرمایا ہو گا کہ اگر حضورؐ کا کوئی ارشاد

آپ پیش کر دیں تو سارا مسئلہ ہی ہمیشہ کے لئے حل ہو جاتا ہے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ نے نہایت صحیح APPROACH اختیار کی اس مسئلے کے حل کا سب سے زیادہ قریب الفہم اور فیصلہ کن طریقہ یہی ہے۔ روئے زمین پر ظاہر ہونے والی سب سے بڑی ہستی اور قرآن مجسم (رسول اقدسؐ) کا فیصلہ تو قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے اس سے تو کوئی منافق ہی اختلاف کر سکتا ہے اب سنئے:۔

تاریخ اسلام کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ نجران کے عیسائی علماء و اکابر کا ایک وفد حضور اقدسؐ کی خدمت میں اسلام کی صداقت پر تبادلہ خیال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تھا۔ اس وفد سے حضورؐ کی تفصیلی گفتگو ہوئی تھی۔ یہ وہی وفد ہے جسے حضور اقدسؐ نے مسجد نبوی میں عیسائی طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اس وفد کو حضور اقدسؐ نے دعوتِ مباہلہ بھی دی تھی جس کا قرآن حکیم میں بھی ذکر ہے۔ مباہلے کی دعوت سے قبل حضورؐ نے ارکان وفد کو تبلیغ بھی فرمائی تھی اور ان کے غلط عقائد کی تردید کی تھی جن میں یہ مشہور مسیحی عقیدہ بھی شامل تھا کہ جناب مسیحؑ جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے اور اب تک زندہ ہیں چنانچہ عالم اسلام کے بہت بڑے عالم اور مفسر قرآن علامہ ابی الحسن نیشا پوری اپنی تفسیر "اسباب النزل" میں سورہ آل عمران کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"نجران کے مسیحی وفد سے حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر موت نہیں جبکہ عیسیٰؑ پر فنا آچکی یعنی وہ فوت ہو گئے" اصل عربی الفاظ یہ ہیں **"وان عیسیٰ اتی الفنا"** (اسباب النزل صفحہ ۵۳ شائع کردہ مکتبہ و مطبع البابی الحلبی مصر طبع الثانیہ ۱۳۸۷ھ)

کیا اس سے زیادہ واضح اور دو ٹوک فیصلہ ہو سکتا ہے جو زبان رسالت سے صادر ہوا۔ کیا اب بھی کوئی شبہ باقی رہ گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فنا آگئی، آپؑ فوت ہو گئے اور حضورؐ نے اس کا ایک بہت بڑے اجتماع میں اعلان فرمایا جس میں آپؐ کے صحابہ اور جید مسیحی علما و اکابر موجود تھے۔ یہاں ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ عالم اسلام کے جس مایہ ناز عالم اور مفسر قرآن حضرت علامہ ابی الحسن علی بن احمد الواحدی نیشا پوری کی تفسیر کا حوالہ دیا گیا ہے اس کے بعد والے ایڈیشن میں مخصوص مقاصد کے تحت تحریف کر دی گئی ہے۔ اور بہت چالاکی سے سارا مفہوم ہی تبدیل کر دیا گیا ہے اس

لئے آپ اس کتاب کا وہ ایڈیشن دیکھئے جو ایک بار نہیں بلکہ دوبارہ چھپا۔ دوسری بار ۱۳۷۸ھ میں شائع ہوا اور لائبریریوں میں موجود ہے جس کا فوٹو اسٹیٹ اس وقت آپ کے سامنے ہے اسے پڑھئے اور دیکھئے کہ کیا یہ الفاظ موجود ہیں یا نہیں کہ:۔

"تعلمون ان ربنا حی لا یموت وان عیسیٰ اتی علیہ الفنا"

(کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے (ہمیشہ زندہ رہے گا) اس پر موت نہیں (اس پر فنا نہیں آئے گی) جبکہ عیسیٰؑ پر فنا آگئی (یعنی وہ فوت ہو گئے)

منیر احمد:۔ پیام صاحب! بالکل درست ہے "تفسیر اسباب النزل" میں یہی لکھا ہے جو آپ نے بیان کیا ہے لیکن رسولؐ پاک کے اس عقیدے اور ارشاد کی تائید و تصدیق کسی اور ذریعے سے بھی ہوتی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ کیا حضورؐ پاک کے بعد بھی صحابہ کا یہ عقیدہ رہا؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! میں خاصی وضاحت سے بیان کر چکا ہوں کہ حضورؐ کی وفات کے موقع پر ابوبکرؓ صدیق نے جو تقریر کی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کے بعد صحابہ کا یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ آپ کی مزید تسلی اور اطمینان کے لئے ایک اور واقعہ پیش کئے دیتا ہوں۔

صحابی رسولؐ کا عقیدہ

حضور اقدسؐ کے وصال کے بعد جب ارتداد کی رو چلی تو بحرین کے قبائل بھی مرتد ہو گئے، ان میں ایک قبیلہ عبدالقیس نامی تھا۔ مشہور صحابئِ رسول جارودؓ بن معلی اس قبیلے کے سردار تھے یہ قبیلہ بھی مرتد ہو گیا۔ حضرت جارودؓ اس واقعہ کی وجہ سے سخت دل گرفتہ تھے ایک روز انہوں نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ دنیائے اسلام کے عظیم مفکر امام محمد بن عبدالوہابؒ نے یہ واقعہ اپنی کتاب "مختصر سیرۃ الرسولؐ" میں اس طرح بیان کیا ہے۔

قبیلہ عبدالقیس اس بنا پر مرتد ہو گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اگر خدا کے رسول ہوتے تو فوت نہ ہوتے۔ صحابی رسول جارودؓ بن معلی کھڑے ہوئے اور انہوں نے قبیلے کے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ دونوں

اللہ کے رسول تھے۔ اس پر حضرت جارودؓ بن معلیٰ نے کہا کہ میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوائے اور کوئی معبود نہیں اور محمد اللہؐ کے بندے اور رسول تھے۔ (اس کے بعد کہا کہ) جس طرح حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے زندگی گزاری ویسے ہی رسولؐ اللہ نے زندگی گزاری۔ جس طرح وہ دونوں (یعنی حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ) فوت ہو گئے اسی طرح رسولؐ خدا بھی فوت ہو گئے۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں:۔

"عاش کما عاشوا ومات کما ماتوا" (مختصر سیرۃ الرسول صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷ دارالعربیہ۔ بیروت مولفہ حضرت امام محمد بن عبدالوہابؒ)

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ تاریخ اسلام کا عظیم الشان واقعہ ہے جس نے ثابت کر دیا کہ حضورؐ اقدس کے عہد مبارک میں بھی اور حضورؐ کے بعد عہد صدیقی میں بھی صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا کہ رسولؐ اقدس سے قبل جتنے بھی رسول مبعوث ہوئے ان میں سے کوئی ایک بھی موت کا ذائقہ چکھنے سے نہیں بچا سب فوت ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ بھی اور حضرت عیسیٰؑ بھی۔ اس عقیدے کو عین اسلامی عقیدہ بھی وہ شخص قرار دے رہا ہے جو اپنے عہد کا فاضل جلیل اور امام وقت تھا اور لاکھوں مسلمانوں کا روحانی پیشوا یعنی امام الوہابؒ جنہوں نے اپنی کتاب "مختصر سیرۃ الرسول" میں یہ واقعہ درج کر کے اس کی تصدیق کر دی۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! مجھے تو بہت حیرت ہو رہی ہے کہ جب رسولؐ پاک نے بھی یہی عقیدہ رکھا اور رسول پاک کے صحابہ بھی اسی عقیدے پر قائم رہے تو پھر ہمارے زمانے کے تمام نامور علما کیوں اس عقیدے پر قائم ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ فوت نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر ابھی تک زندہ ہیں۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! ہرگز ایسا نہیں، ہمارے زمانے کے تمام نامور علما اس عقیدے پر متفق نہیں ہیں بلکہ ایسے نامور علما کم نہیں جو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو گئے۔ یہ فہرست خاصی طویل ہے اس وقت میں چند ناموں پر اکتفا کروں گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا عقیدہ

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے علم و فضل اور ان کی غیر معمولی بصیرت سے کون انکار کر

سکتا ہے۔ وہ بہت بڑے مفسر قرآن تھے۔ اپنی تفسیر میں مولانا مرحوم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مطالعہ کیجیے۔ مولانا قرآن حکیم کی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (حضرت مسیح کو) نہ قتل کیا گیا نہ صلیب پر ہلاک کیا گیا بلکہ وہ شبہ میں پڑ گئے۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں:۔

"آیت میں جس اشتباہ کا ذکر ہے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی شخصیت مشتبہ ہو گئی اور ان کی جگہ دوسرے آدمی کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کی موت مشتبہ ہو گئی وہ زندہ تھے مگر انہیں مردہ سمجھ لیا گیا"۔ (ترجمان القرآن جلد اول صفحہ ۴۳۱۔ مکتبہ سعیدہ ناظم آباد کراچی)

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر میں اس واقعے کی دونوں صورتیں بیان کر دیں!
(ا) یا تو حضرت مسیحؑ کی بجائے کسی اور کو صلیب پر چڑھا دیا گیا (۲) یا حضرت مسیحؑ کو صلیب پر تو چڑھا دیا گیا مگر یہودی اس اشتباہ میں مبتلا ہو گئے کہ آپؑ فوت ہو گئے ہیں حالانکہ جب آپؑ کو صلیب سے اتار گیا تو آپؑ زندہ تھے لیکن اپنی ظاہری حالت اور سخت قسم کی غشی یا سکتے کی وجہ سے آپؑ یہودیوں کو مردہ نظر آئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں غور و فکر کرنے یا کسی کے توجہ دلانے سے مولانا کے ذہن میں بجا طور پر سوال پیدا ہوا کہ قرآن حکیم تو ایک فیصلہ کن کتاب ہے اور خاص طور پر یہود و نصاریٰ کے درمیان متنازعہ امور کے بارے میں تو وہ حکم و عدل کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کے اختلافات کا واضح فیصلہ کرتی ہے۔ قرآن حکیم تو شبہات کا ازالہ کرتا ہے مزید شبہات پیدا نہیں کرتا اس لئے دو باتوں میں سے ایک درست ہو سکتی ہے یا تو حضرت مسیحؑ کی جگہ کسی اور کو صلیب دی گئی اور یہودیوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ کی شخصیت مشتبہ ہو گئی یا حضرت مسیحؑ صلیب پر چڑھائے گئے مگر سخت غشی یا سکتے کی حالت آپؑ پر طاری ہو گئی جسے یہودیوں نے آپؑ کی موت سمجھ لیا اور آپؑ کو اسی حالت میں صلیب پر سے اتار لیا گیا۔ بعد میں اپنی طبعی عمر پوری کر کے آپؑ کسی علاقے میں فوت ہو گئے۔ آخر مولانا آزاد اسی نتیجے پر پہنچے کہ یہی دوسری صورت درست ہے اور یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کو مردہ سمجھ کر صلیب سے اتار لیا حالانکہ آپؑ زندہ تھے۔ اس رائے کو مولانا نے ایک بزدل انسان کی طرح سینے میں پوشیدہ نہیں رکھا بلکہ ایک جرات مند عالم اور محقق کی حیثیت سے اس کا اظہار بھی فرما دیا چنانچہ مولانا کے ایک عقیدت مند ڈاکٹر انعام اللہ صاحب نے ۶ اپریل ۱۹۵۶ء کو بلوچستان سے ان کی

خدمت میں ایک خط لکھا جس میں بعض امور کے بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی اور درخواست کی تھی کہ آپ فیصلہ کن کتاب لکھ دیں اور یہ بھی درج فرما دیں کہ اس کے ذریعے تمام پرانی تحریریں منسوخ ہیں اور پرانے خیالات بھی تاکہ پرانی باتوں کے ذکر کی گنجائش نہ رہے۔

ڈاکٹر انعام صاحب نے جن امور کے بارے میں ابو الکلام آزاد کی رائے دریافت کی تھی ان میں ایک امر یہ بھی تھا کہ ایک مخصوص فرقے کے لوگ:۔

"کہتے ہیں کہ مولانا وفاتِ مسیحؑ کے قائل ہیں" (یعنی حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں ناقل)

اس کے جواب میں مولانا آزاد فرماتے ہیں:۔

"جواب۔ وفات مسیحؑ کا ذکر خود قرآن میں ہے" (ملفوظات جلد اول (دینی) نمبر ا صفحہ ۱۳۰)
(مرتبہ محمد اجمل خاں پرائیوٹ سیکرٹری مولانا آزاد شائع کردہ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی)

اس کے بعد اب اگر کوئی کہتا ہے کہ آخر عمر میں مولانا آزاد نے اپنی رائے تبدیل کر لی تھی تو وہ نہایت غلط بات کہتا ہے کیونکہ مولانا کی آخری عمر تو وہی تھی جب موصوف ہند کے وزیرِ تعلیم تھے محمد اجمل خاں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے جنہوں نے یہ کتاب شائع کی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگر مولانا آزاد نے اپنی رائے تبدیل کر لی تھی تو انہوں نے اس کا اظہار اپنی کون سی کتاب یا تحریر میں کیا؟ کوئی شخص مولانا کی ایسی ایک بھی تحریر پیش نہیں کر سکتا یہ سب ہوائی باتیں ہیں اور لاچار، بے بس اور لاجواب ہو کر اُڑائی جاتی ہیں جن کے ساتھ نہ کوئی ثبوت ہے نہ دلیل ہے۔

منیر صاحب! غور کیجئے کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر مع جسم عنصری زندہ تسلیم کرنے کی بجائے ان کے وفات پا جانے کا عقیدہ رکھنا اگر کفر یا ضلالت ہے تو اتنے بڑے عالم دین اور مفسر قرآن کو کس زمرے میں شمار کیا جائے گا؟

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی رائے

عالم اسلام کے ایک اور ممتاز مفکر، علوم اسلامی کے جید عالم اور مفسر قرآن مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی قرآن حکیم کے گہرے مطالعے اور اس پر تدبر و تفکر کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات آسمانی کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے صریحاً خلاف اور افسانہ محض ہے۔ چنانچہ مولانا سندھی لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہوگی کہ علوم اسلامیہ کا مرکز و مرجع قرآن عظیم ہے اور اس میں ایسی ایک آیت بھی نہیں ملتی جس سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہو کہ حضرت عیسیٰؑ (ابھی تک) فوت نہیں ہوئے اور (بدستور) زندہ ہیں اور (مستقبل قریب یا بعید میں) نازل ہوں گے البتہ بعض تفاسیر سے یہ استدلال کیا گیا ہے اور یہ آراء ایسی ہیں کہ جنہیں شک و شبہ سے مبرا قرار نہیں دیا جا سکتا نہ انہیں عقیدہ اسلامی کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔ (الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن الجزالثانی صفحہ ۴۹ از حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ)

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی رائے کا لب لباب بھی یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ کو نہ قتل کیا گیا نہ آپؑ کی موت صلیب پر واقع ہوئی اور نہ آپؑ کو آسمان پر اٹھایا گیا بلکہ صلیب سے زندہ بچ جانے کے بعد طبعی عمر پا کر آپؑ فوت ہو گئے۔ یہ دو ممتاز علماء کی آراء ہیں جو میں نے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی ہیں کیونکہ بات کو طول دینا مقصود نہیں ورنہ قرون اولیٰ سے لے کر زمانہ حال تک کے مفکرین اسلام اور مفسرین قرآن کی آراء کا انبار ہے جو **"وما قتلوہ وما صلبوہ"** کی یہی تفسیر کرتے ہیں کہ "حضرت مسیحؑ کو نہ قتل کیا گیا نہ صلیب پر ہلاک کیا گیا اور نہ آسمان پر اٹھایا گیا بلکہ آپؑ کی قریب المرگ حالت دیکھ کر یہودیوں نے خیال کر لیا کہ آپؑ فوت ہو گئے ہیں۔

سید الاولیا حضرت علی ہجویریؒ، سر سید احمد خاں، علامہ چراغ علی، علامہ عنایت اللہ المشرقی غرض کہاں تک نام گنوائے جائیں ان سب علما اور دانشوروں کی یہی رائے تھی یہی عقیدہ تھا کہ حضرت مسیحؑ وفات پا گئے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! یہ تو ہمارے ملک یعنی برصغیر کے علما ہیں میرا سوال یہ ہے کہ ہم لوگوں کے مقابلے میں قرآن پاک اور عربی زبان پر عرب علما کہیں زیادہ دسترس رکھتے ہیں۔ کیا علمائے عرب نے بھی اس بارے میں کوئی رائے ظاہر کی کیونکہ ان کی رائے بہت زیادہ وزنی ہو گی۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! بلاشبہ آپ کا سوال بہت معقول ہے مگر میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ رسولؐ اقدس اور آپؐ کے صحابہ نہ صرف عرب تھے بلکہ فصاحت و بلاغت اور قرآن فہمی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے ان کی انتہائی قیمتی آرا اس سے پہلے میں پیش کر چکا ہوں، پھر ہمارے زمانے سے قریبی زمانے کے ممتاز عرب عالم اور امام حضرت محمد بن عبدالوہابؒ نجدی کی رائے بھی عرض کر چکا ہوں کہ وہ بھی حضرت مسیحؑ کے بارے میں یہی

عقیدہ رکھتے تھے کہ آپؑ فوت ہو گئے۔ اب زمانہ حال کے عرب علماء کی طرف آیئے۔ مصر کی الازہر یونیورسٹی علم دین کا مرکز اور سب سے بڑا گہوارہ ہے۔ وہاں کے علما نے پوری طرح تحقیق اور غور و خوض کرنے کے بعد انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر فیصلہ کر دیا کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا گئے۔ ان نامور علما کی متفقہ رائے کو پیش بھی کس نے کیا؟ آپ کو معلوم ہے؟ پیش کیا بہت بڑے مسیحی محقق مورخ اور عالم رابرٹ گریوز نے۔ اس نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "جیزز ان روم" میں علمائے جامعہ ازہر کے فیصلے کا انگریزی میں ترجمہ درج کیا ہے اس کا اردو ترجمہ یہ ہے :۔

علمائے مصر کا متفقہ فتویٰ

"قرآن حکیم میں ایسی کوئی بات نہیں اور نہ پیغمبرؐ اسلام کی مقدس احادیث میں کوئی ایسی شہادت ملتی ہے جو اس عقیدے کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہو کہ حضرت مسیحؑ کو مع جسم عنصری آسمان پر اٹھا لیا گیا جہاں وہ ابھی تک بیٹھے ہیں اور دل بھی اس عقیدے کو قبول نہیں کرتا۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق قرآنی آیات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے طبعی موت کا وعدہ کیا تھا پس اس نے ان کی زندگی کا دور مکمل کر کے انہیں وفات دیدی۔ جو شخص حضرت مسیحؑ کے مع جسم آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار کرتا ہے وہ کوئی بے دلیل اور بے ثبوت بات نہیں کہتا نہ وہ اسلامی تعلیم کے دائرے سے باہر جاتا ہے' اس کا یہ عقیدہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی نظروں میں بے داغ ہے"۔

(Jesus In Rome, P-69 Cassel and Company LTD
London)

منیر صاحب! یہاں جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ علمائے مصر کے اس متفقہ فیصلے کو اپنی کتاب میں ایک مسیحی مورخ و محقق درج کرتا ہے جس کا بنیادی عقیدہ ہی یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر فوت ہونے کے بعد تیسرے دن جی اٹھے تھے اور پھر اپنے خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا گئے۔ ظاہر ہے کہ علمائے مصر کا یہ فتویٰ اس کے مذہبی عقیدے سے متصادم ہے بلکہ اس کی بیخ کنی کرتا ہے مگر اس کے باوجود وہ اس فتوے کو اپنی کتاب میں درج کرنے پر مجبور ہو گیا کیونکہ یہ نہ تو کوئی جعلی فتویٰ ہے نہ کسی معمولی مولوی کی رائے ہے بلکہ دنیائے اسلام کی

سب سے بڑی دینی یونیورسٹی کے علماء و فضلا کا متفقہ فیصلہ ہے جن کی مادری زبان بھی عربی ہے۔ کیا اس تفسیری فیصلے کو رد کیا جا سکتا ہے؟

علامہ رشید رضا کی رائے

منیر صاحب! اب میں ایک بہت بڑے مذہبی مفکر اور عالم کی رائے پیش کرتا ہوں' اس کی مادری زبان بھی عربی تھی۔ یہ ہیں عالم اسلام کے عظیم مفکر اور ممتاز رہنما علامہ جمال الدین افغانی کے شاگرد خاص مفتی محمد عبدہ' (مفتیٔ اعظم مصر) جن کے علم و فضل اور قرآن فہمی کا سارا عالم اسلام معترف ہے۔ ان کے شاگرد رشید علامہ السید رشید رضا بھی بہت بڑے عالم اور مفسر قرآن تھے۔ یہ وہی علامہ السید رشید رضا ہیں جو مصر کے ممتاز جریدے "المنار" کے ایڈیٹر تھے اور جن کی تفسیر قرآن بہت قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ مفتی محمد عبدہ' اور ان کے شاگرد السید علامہ رشید رضا دونوں قرآن حکیم کا پوری گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے تھے کہ حضرت مسیحؑ وفات پا چکے ہیں چنانچہ علامہ السید رشید رضا اپنی شہرہ آفاق تفسیر قرآن میں لکھتے ہیں کہ :۔

> یہ کہنا تاریخی حقائق کے خلاف نہیں (یعنی تاریخی حقائق اس امر کی تصدیق کرتے ہیں) کہ حضرت مسیحؑ (فلسطین سے ہجرت کر کے) ہندوستان چلے گئے تھے اور وہیں کشمیر کے شہر سری نگر میں ان کی وفات ہوئی"۔ (تفسیر القرآن از السید رشید رضا جلد ۶ صفحہ ۴۲' ۴۳ مطبوعہ مصر)

منیر احمد :۔ پیام صاحب! ایک بات اور دریافت کرنا چاہوں گا کہ اب تک آپ نے جتنی آرا حضرت مسیحؑ کے وفات پا جانے کے بارے میں پیش کی ہیں وہ سب ایک ہی مذہبی خیال کے علما کی ہیں یعنی اہل سنت کی یا اہل حدیث کی لیکن ہمارا ایک دوسرا بہت بڑا فرقہ اہل تشیع کا ہے ان کا اس بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! اہل سنت ہوں یا اہل تشیع ان سب کا عمومی عقیدہ تو یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر مع جسم عنصری اٹھا لیا گیا جہاں وہ ابھی تک تشریف فرما ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس عمومی عقیدے سے قطع نظر انہی اہل سنت و اہل تشیع علما میں ایسے صاحب فکر و دانش اور جید علما بھی گزرے ہیں جن میں اجتہادی شان پائی جاتی تھی

اور جنہوں نے قرآن و حدیث سے استدلال کر کے ثابت کیا کہ یہ عقیدہ کہ حضرت مسیحؑ مع جسم خاکی آسمان پر اٹھا لئے گئے غلط فہمی پر مبنی ہے۔ ایسے شیعہ علما میں مجتھد العصر علامہ محمد بن عبدالوہاب الجبائی البصری اور مفسر قرآن علامہ الشیخ فضل بن الحسن فضل الطبرسی المشہدی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ یہ ممتاز شیعہ مفسر (علامہ فضل بن الحسن) چھٹی صدی ہجری کے عالم تھے اور ۵۴۸ ھ میں فوت ہوئے اب کا عقیدہ اور نقطہ نظر بھی دیکھ لیجئے۔ قرآن کریم کے الفاظ "فلما توفیتنی" کی تفسیر کرتے ہوئے یہ شیعہ مفسرین قرآن لکھتے ہیں:۔

شیعہ مجتہدین کا عقیدہ

(جبائی بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عیسیٰؑ کو وفات دے کر اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کرلی اس کے بعد ان کا اپنی طرف رفع فرمایا کیونکہ جناب عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں بیان کیا کہ میں تو اپنی امت پر اس وقت تک شاہد (گواہ) تھا جب تک ان کے درمیان موجود رہا مگر جب تو نے مجھے موت دے دی' میری روح قبض کرلی اس کے بعد تو ہی ان پر شاہد (گواہ) تھا اس لئے کہ اگر لفظ توفی مطلق آئے تو اس کے معنی صرف اور صرف موت ہوتے ہیں۔"

(تفسیر مجمع البیان زیر آیت "فلما توفیتنی" سورہ المائدہ مطبوعہ ایران ۱۸۶۸)

علامہ شیخ فضل بن الحسن نے اپنے فرقے کا عقیدہ اور نقطۂ نظر پوری وضاحت سے بیان کردیا کہ قرآن شریف کی آیت "فلما توفیتنی" میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بیان فرما دیا ہے کہ اس نے حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کو وفات دے دی' پھر انہیں اپنے پاس بلا کر بلند درجے پر فائز کیا۔ یہ نقطۂ نظر آٹھ سو سال تک پیش کیا جاتا رہا اور اس کی کسی بڑے سے بڑے شیعہ عالم نے تردید نہیں کی لیکن افسوس کہ ان کی وفات کے قریباً آٹھ سو سال کے بعد اب ان کی تفسیر میں تحریف کی گئی اور ان کی روح کو اذیت پہنچائی گئی چنانچہ ۱۳۸۰ ھ میں بیروت سے "مکتب الحیات" کے زیر اہتمام علامہ فضل بن الحسن کی تفسیر "مجمع البیان" کا جو ایڈیشن شائع کیا گیا اس کے حاشئے میں لکھ دیا گیا کہ "یہ ضعیف ہے"۔

سوال یہ ہے کہ ممتاز شیعہ عالم جبائی (محمد بن عبدالوہاب الجبائی البصری) جو دوسری صدی کے جید عالم اور مفسر قرآن تھے انہیں اس روایت کے ضعف کا علم نہیں ہو سکا؟ اور پھر علامہ

شیخ فضل الطبرسی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار نہیں دیا۔ قریباً آٹھ سو سال تک سارے علما اثنا عشری اس سے اتفاق کرتے رہے۔ آخر ان کی وفات کے آٹھ سو سال بعد یہ انکشاف کیوں ہوا؟ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی مصلحتیں مذہب میں بھی در آئیں۔ بہرحال اس تحریف اور تبدیلی کے باوجود علامہ فضل الطبرسی کے اصل نسخے سے جو ۱۸۶۸ء میں ایران سے شائع ہوا تھا علامہ موحوم کا عقیدہ تو نہیں مٹایا جا سکتا اور یہ نسخہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ فرقہ اثنا عشری کا بہت بڑا مفسر قرآن اسی عقیدے کا قائل تھا کہ جناب مسیحؑ ناصری فوت ہو کر اپنے اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔ انہیں آسمان پر اٹھانے کا عقیدہ قطعاً غیر اسلامی اور خلاف قرآن ہے۔ ان کے اس عقیدے کو شیعہ علماء میں آٹھ سو سال تک مقبولیت حاصل رہی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی تفسیر کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ اس سے وہ بری ہیں اور نہ اس سے ان کا نقطۂ نگاہ مجروح و متاثر ہوتا ہے انہیں جو کچھ کہنا تھا لکھ گئے جو سند ہے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جتنے بھی علما گزرے ہیں جتنے بھی مفسر گزرے ہیں ان سب کا رہنما تو قرآن پاک تھا انہوں نے جو کچھ لیا ہو گا وہیں سے لیا ہو گا تو کیوں نہ آپ قرآن پاک سے دلیل دیں کیونکہ حدیثوں اور تفسیروں میں بہت سی ملاوٹ بھی کر دی گئی ہے مگر قرآن پاک تو ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک ہے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا بلکہ قریب قریب سارا ہی اتار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم قرآن حکیم کو اپنا رہنما اور ہادی بنا لیں تو سارے مسائل ہی حل ہو جائیں۔ قرآن حکیم میں ایک دو نہیں درجنوں آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نہایت وضاحت سے فرمایا ہے کہ کوئی شخص آسمان پر نہیں جا سکتا اور نہ حضرت مسیحؑ آسمان پر گئے۔ قرآن حکیم اعلان کر رہا ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنی عمر طبعی گزار کر وفات پا گئے۔ اتنی گنجائش تو نہیں ہے کہ میں وہ ساری آیات پیش کروں چند آیات پر اکتفا کروں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی میں آپ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:۔

قرآن حکیم کا فیصلہ

اذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی الخ (سورۃ آل عمران آیت ۵۶)

(یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر تجھے اپنی طرف

اٹھانے والا ہوں)

اس ارشاد الٰہی میں اللہ تعالیٰ وضاحت سے فرما رہا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اس کے بعد تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا یعنی اپنے حضور میں تجھے بلند درجے پر فائز کروں گا۔ گویا پہلے حضرت مسیحؑ کی وفات کا واقعہ پیش آئے گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر ارفع و اعلیٰ درجات حاصل کرنے کا۔ اگر یہ عقیدہ اختیار کر لیا جائے کہ حضرت مسیحؑ پہلے آسمان پر جائیں گے یا جاچکے ہیں اس کے بعد آپؑ کی وفات ہوگی تو یہ عقیدہ ترتیبِ قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن تو یہ فرماتا ہے کہ (۱) **یٰعیسیٰ انی متوفیک** (۲) **ورافعک الی**۔ اس میں دو وعدے ہیں اور دونوں ترتیب وار بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) پہلا وعدہ یہ ہے کہ "میں تجھے وفات دوں گا" (۲) دوسرا وعدہ یہ کہ "پھر اپنے حضور بلند درجات عطا کروں گا" مگر ہمیں یہ سکھایا اور پڑھایا جاتا ہے کہ نہیں، ایسا نہیں ہے پہلے حضرت مسیحؑ آسمان پر گئے ہیں اس کے بعد واپس آکر فوت ہوں گے۔ گویا یہ لوگ قرآن حکیم کی ترتیب کو بدل رہے ہیں۔ اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے فرمودات کو بدل دیا جائے، اور اس میں معنوی تحریف کردی جائے۔ پس اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نہایت وضاحت سے غلطی خوردہ مسلمانوں کے اس غلط خیال کی تردید فرما دی کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر بیٹھے ہیں اس نے دوٹوک فیصلہ فرما دیا کہ ہرگز نہیں، وہ فوت ہوگئے اور ہمارے حضور حاضر ہوکر بلند مراتب پر فائز ہوگئے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! بعض علماء نے بلکہ قریب قریب سب علما نے اس آیت میں استعمال ہونے والے لفظ "توفی" کے معنی موت کی بجائے "پورا پورا لینے" کے کئے ہیں یعنی جسم اور روح دونوں کو اٹھالینا۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! بلاشبہ "توفی" کے معنی "پورا پورا لینے" کے بھی ہیں اور موت کے بھی۔ اسی لئے سب علما نے ہر موقع پر "توفی" کے معنی پورا پورا لینے کے نہیں کئے۔ بعض جگہوں پر پورا پورا لینے کے اور بعض جگہ موت کے۔ آپ پوچھ سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے؟ میں اس کی صرف دو مثالیں دیتا ہوں:۔

(۱) **ثم توفی کل نفسٍ ما کسبت** (سورہ بقرہ آیت ۲۸۱)

یہاں "توفی" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور معنی یہ ہیں کہ پھر "پورا پورا" دیا جائے گا ہر ایک

نفس کو جو اس نے کمایا۔ اس مقام پر "توفی" کے اور کوئی معنی ہو سکتے ہی نہیں کیونکہ عمل کا ذکر ہو رہا ہے یعنی ہر نفس کو اس کے اعمال کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اس میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی۔

(۲) **و توفی کل نفسٍ ما عملت** (سورہ النحل آیت نمبر ۱۱۲)

(اور پورا پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا)

آپ نے دیکھا یہاں بھی "توفی" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اس میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی لیکن دونوں مقامات پر یہ لفظ (توفی) اعمال کا پورا پورا بدلہ دینے کے معنی میں ہی استعمال ہوا ہے، آسمان پر اٹھا لینے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ یہ استعمال عقلاً غلط ہے نہ موقع اور محل کے لحاظ سے درست ہے۔ میرا چیلنج یہ ہے کہ قرآن حکیم سے صرف ایک مثال پیش کردی جائے جہاں لفظ "توفی" کسی انسان کے لئے استعمال ہوا ہو اور پھر اس کے معنی "پورا پورا لے لینے" کے کئے گئے ہوں یعنی مع جسم اور روح آسمان پر اٹھا لینے کے۔

توفی کے معنی موت؟

منیر احمد:۔ پیام صاحب! کیا آپ قرآن پاک سے کوئی مثال پیش کریں گے جس میں یہ لفظ یعنی "توفی" انسان کے لئے استعمال کیا گیا ہو اور اس کے معنی صرف موت کے ہوں اس کے علاوہ کوئی اور معنی خصوصاً روح اور جسم دونوں کو آسمان پر اٹھانے کے مراد نہ لئے گئے ہوں۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! آپ ایک مثال چاہتے ہیں درجنوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ زمانۂ حال کے ایک ممتاز عالم دین مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (مرحوم) نے اس لفظ کے استعمال کی جو مثالیں دی ہیں پہلے ان پر ایک نظر ڈال لیجئے تاکہ منہ کا ذائقہ تھوڑی دیر کے لئے بدل جائے کیونکہ گفتگو خشک ہوگئی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت مولانا لفظ "توفی" کی مندرجہ ذیل مثالیں یہ ثابت کرنے کے لئے دے رہے ہیں کہ اس لفظ کے معنی صرف "پورا پورا لینے کے" ہیں یعنی جسم اور روح دونوں کو اٹھالینا۔ مولانا صاحب کی پیش کردہ مثالیں آپ کے سامنے ہیں فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں کہ ان سے مولانا کا موقف درست ثابت ہوتا ہے یا نہایت ہی مضحکہ خیز صورت پیدا ہوتی ہے۔ مولانا ایک مثال یہ پیش کرتے ہیں:۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا

ترجمہ بھی خود ہی فرماتے ہیں :۔ اللہ پورا لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی جانوں کو ابھی موت نہیں آئی (انہیں) پورا پورا لے لیتا ہے نیند میں" (قصص القرآن مولفہ مولانا حفظ الرحمٰن جلد چہارم صفحہ ۱۱۳ طبع کراچی)

حضرت مولانا کے ترجمے کی رو سے جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں پورا لے لیتا ہے یعنی جسم اور روح دونوں کو آسمان پر اٹھا لیتا ہے اور جن پر موت کا حکم جاری نہیں ہوتا صرف نیند کی حالت میں ہوتے ہیں انہیں بھی پورا پورا لے لیتا ہے یعنی انہیں بھی جسم اور روح دونوں کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیتا ہے۔ فرمایئے! دنیا والوں کے لیے باقی کیا بچا۔ جو سوتے میں فوت ہو گئے وہ بھی مع روح اور جسم آسمان پر چلے گئے انہیں بھی پورا پورا لے لیا گیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ سیر آسمانی کر کے واپس بھی آ گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؎ گویا اگلی شب پھر یہی عمل شروع۔ ایک اور مثال' حضرت مولانا ایک آیت پیش فرماتے ہیں۔

حتی اذا جاء احد کم الموت توفتہ رسلنا (انعام)

خود ہی ترجمہ فرماتے ہیں ("یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے کسی ایک کو موت' قبض کر لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)" (کتاب کا صفحہ نمبر ۱۱۴)

حضرت مولانا کے ترجمے کی رو سے جب کسی شخص کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو پورا پورا لے لیتے ہیں یعنی اس کا جسم اور روح دونوں کو اٹھا کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ گویا ہر شخص مرنے کے ساتھ ہی مع روح اور جسم آسمان پر چلا جاتا ہے۔ معلوم نہیں پھر یہ جنازے کس کے پڑھے جاتے ہیں اور قبروں میں کون لوگ دفن ہوتے ہیں؟ یہ پوچھنے کی کون جسارت کر سکتا تھا حضرت مولانا سے؟

یہ دو مثالیں ہیں ورنہ ساری کتاب اسی قسم کے عجائب و غرائب سے بھری پڑی ہے یہ کوئی نئی یا عجیب بات نہیں جب کوئی شخص الٰہی صداقت کا مقابلہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمودات میں معنوی تحریف کی کوشش کرتا ہے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔ حالانکہ دونوں آیات مبارکہ کے سیدھے سادے اور مطابق قرآن معنی یہ ہیں کہ :۔ اللہ یتوفی الانفس (الزمر) جن لوگوں کے لئے حالت نیند میں موت کا وقت آ جاتا ہے ان کی روحیں قبض کر لی جاتی ہیں یعنی وہ فوت ہو جاتے ہیں اور جن کی موت کا وقت نہیں آتا ان کی روحیں ان کے جسموں میں

واپس چلی آتی ہیں یعنی وہ نیند سے بیدار ہو جاتے ہیں۔

اس طرح دوسری آیت "حتی اذا جا احد کم الموت" کے بھی سیدھے اور صاف معنی یہ ہیں کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ فوت ہو جاتا ہے۔

اگر عین مطابق قرآن یہ معنی لئے جاتے تو وہ مضحکہ خیز صورت کبھی پیدا نہ ہوتی جو حضرت مولانا کے معنی سے پیدا ہوئی مگر چونکہ وہ "توفی" کے معنی موت اور قبض روح کرنے سے گریزاں تھے اور اس لفظ کے معنی "پورا پورا لینا" تجویز فرما چکے تھے اس لئے موصوف کو یہ پاپڑ بیلنے پڑے اور حضرت عیسیٰؑ کو پورا لیتے لیتے ساری دنیا کے انسانوں کو پورا پورا لے کر نسل انسانی کی تعطیل کروا دی اور زمین انسانوں کے بوجھ سے کچھ مدت کے لئے فارغ ہو گئی۔

منیر احمد :۔ پیام صاحب! واقعی یہ تو بڑی عجیب صورت حال ہے لیکن آپ کا جو موقف ہے اس کے مطابق اس لفظ (توفی) کو قرآن پاک کس طرح استعمال کرتا ہے؟

پیام شاہجہانپوری :۔ قرآن کریم نے ہر جگہ اس لفظ کے ایک ہی معنی مراد لئے ہیں یعنی جہاں بھی اس کا استعمال انسانوں کے لئے ہوا ہے اس کے ایک ہی معنی ہیں یعنی موت وارد کر دینا' وفات دیدینا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور معنی ہوں یعنی پورا پورا لے لینا اور جسم و روح دونوں کو آسمان پر اٹھا لینا تو میں ہر سزا قبول کرنے کو تیار ہوں۔ سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

الذین تتوفھم الملئکۃ ظالمی انفسھم (سورہ النحل آیت ۲۸)

یعنی ان کافروں پر عذاب آنے والا ہے جن کی روحیں فرشتے عین اس وقت قبض کرتے ہیں جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں((سورہ النحل آیت ۲۸)

یہاں "**تتوفھم**" استعمال ہوا ہے یعنی فرشتے ان کی روحیں نکالتے ہیں اور ان کی وفات ہو جاتی ہے۔ یہ معنی تو مراد نہیں لئے جا سکتے کہ فرشتے ان کافروں کو روح اور جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا :۔

الذین تتوفھم الملئکۃ طیبین (سورہ النحل آیت ۳۱)

(یعنی وہ متقی اور پاک لوگ جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں)

یہاں بھی "**تتوفھم**" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور معنی یہی مراد لئے جائیں گے کہ "جب نیک لوگوں کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں"۔ یہ معنی تو کوئی مراد نہیں لے گا کہ نیک لوگوں

کو پورا پورا لے لیا جائے گا۔ جب بھی کوئی نیک اور پاک شخص فوت ہوتا ہے توکیا فرشتے اس کی روح اور جسم دونوں کو لے کر آسمان پر جا بٹھاتے ہیں؟ ایسے معنی تو بالبداہت غلط ہیں۔

پھر ارشاد ہوا:۔ **والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا** (سورہ البقرہ آیت ۲۳۴)

(اور تم میں سے جن لوگوں کو موت آجاتی ہے(جن کی روح قبض کرلی جاتی ہے) اور وہ اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں)

یہاں بھی توفی کا لفظ استعمال ہوا ہے (یتوفون) معنی بھی صاف اور واضح ہیں کہ "جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جاتے ہیں"۔ ان کے بارے میں ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں چاہئے کہ وہ عدت کی مدت جو چار ماہ دس دن ہے پوری کریں۔ کیا جو لوگ بیویاں چھوڑ کر مرجاتے ہیں انہیں پورا پورا لے لیا جاتا ہے یعنی آسمان پر مع جسم اٹھا لیا جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ:۔

اعبدالله الذی یتوفکم (سورہ یونس آیت ۱۰۴)

(میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم کو وفات دے گا۔)

یہاں رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ "آپ ان (کافروں) سے کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے دین کے بارے میں کسی شک و شبہ میں مبتلا ہو تو اچھی طرح سن لو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوائے جن معبودوں کی پرستش کرتے ہو میں ان کی پرستش نہیں کرتا بلکہ میں تو اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دے گا"۔

یہاں بھی لفظ "توفی" استعمال ہوا ہے۔ کیا یہاں کوئی شخص اس لفظ کے یہ معنی کرے گا کہ میں تو اس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو اے کافرو! موت کے وقت تمہیں مع جسم آسمان پر اٹھالے گا (پورا پورا لے لے گا)

ایک اور مقام پر فرمایا کہ:۔

حتی اذا جاء احد کم الموت توفته رسلنا (سورہ الانعام آیت نمبر ۶۱)

(یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے ملائکہ اس کو وفات دے دیتے ہیں یعنی اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔)

ایسا کون سا نادان شخص ہے جو یہاں "توفی" کے یہ معنی مراد لے گا کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے فرشتے اسے پورا پورا لے لیتے ہیں یعنی جسم سمیت

آسمان پر اٹھا لے جاتے ہیں۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہر شخص موت کے فوراً بعد مع جسم آسمان پر چلا جاتا ہے اور اس کی چارپائی خالی رہ جاتی ہے۔

منیر صاحب! میں نے "توفی" کے استعمال کی پانچ مثالیں قرآن حکیم سے پیش کر دی ہیں ورنہ کلام الٰہی ان سے بھرا پڑا ہے اور جگہ جگہ اور ہر آیت مبارکہ میں لفظ توفی کے ایک ہی معنی ہیں کہ روح کو قبض کرلینا اور جسم کو دنیا میں چھوڑ دینا۔ توفی کا لفظ روح کے ساتھ جسم کو قبض کر لینے یا موت کے وقت روح اور جسم دونوں کو آسمان پر اٹھا لینے کے معنی میں ہرگز استعمال نہیں کیا گیا۔ پس ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ "یعیسیٰ انی متوفیک"۔(اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا) تو اس کے معنی صرف اور صرف ایک ہی تھے کہ اے عیسیٰ میں تیری روح قبض کروں گا اور ابتدائے آفرینش سے آج تک موت کے وقت یہی ہوتا ہے کہ مرنے والے کی روح قبض کرلی جاتی ہے' جسم یہیں اور اسی دنیا میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہی سنتِ الٰہی حضرت مسیحؑ کے ساتھ بھی روا رکھی گئی۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! لفظ توفی کے استعمال پر سیر حاصل گفتگو ہو گئی۔ کیا آپ قرآن پاک سے حضرت مسیحؑ کی وفات کے بارے میں کوئی اور دلیل پیش کریں گے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ اس وقت میں دو حوالوں پر اکتفا کروں گا ورنہ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں قرآن حکیم درجنوں مقامات پر فرماتا ہے کہ کوئی انسان آسمان پر موجود نہیں اور وہ تمام لوگ بھی فوت ہو گئے جنہیں غلطی سے خدا یا خدا کا بیٹا بنا لیا گیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

تمام غیر اللہ فوت ہو گئے.

"جنہیں اللہ کے سوائے عبادت کے لئے پکارا جاتا ہے (جن کی پرستش کی جاتی ہے) وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے (بلکہ) وہ تو خود پیدا کئے جاتے ہیں (اپنی پیدائش کے محتاج ہیں) ان (سب) پر موت آ چکی ہے۔ (ان میں سے کوئی) زندہ نہیں اور وہ (تو یہ بھی) نہیں جانتے کہ انہیں دوبارہ کب اٹھایا جائے گا۔" (سورۂ النحل آیت نمبر ۲۰' ۲۱)

اس آیتِ کریمہ پر خوب غور کیجئے۔ اس نے ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا کہ جن لوگوں کو زمین یا آسمان پر زندہ تسلیم کیا جاتا ہے وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں پانچ

بنیادی نکات ہیں۔

(۱) کچھ ایسی ہستیاں بھی ہیں جنہیں اللہ کے سوائے معبود بنا لیا گیا ہے۔

(۲) وہ کسی چیز کی خالق نہیں۔

(۳) بلکہ وہ تو مخلوق ہیں انہیں تو پیدا کیا گیا ہے۔

(۴) وہ سب فوت ہو چکی ہیں اور اب ان کا جسمانی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔

(۵) ان کی بے خبری کا تو یہ عالم ہے کہ انہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ وہ دوبارہ کب زندہ کی جائیں گی یعنی یوم حشر کب ہو گا۔

ان نکات میں ایسی تمام شخصیتوں کا احاطہ کر لیا گیا ہے جن میں کسی بھی خدائی صفت کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہو سکتا ہے۔ حضرت ادریس" حضرت ایلیاہ" (الیاس") حضرت خضر" حضرت مریم" اور حضرت مسیح" یہ سب وہ لوگ ہیں جن سے کسی نہ کسی رنگ میں خدائی صفات منسوب ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض کو تو کھلم کھلا معبود بنا لیا گیا ہے۔ اس آیت میں ان کی خدائی کے انکار کے حق میں دلیل یہ دی گئی ہے کہ وہ کسی چیز کی خالق نہیں یعنی جو شخص ایک مکھی' مچھر یا گھاس کا ایک تنکا تک پیدا نہ کر سکے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے اور جو خدا نہیں ہو سکتا وہ کسی خدائی صفت سے متصف بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دوسرا نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ سب تو مخلوق ہیں۔ یہ ان کی عاجزی کی دلیل ہے اور اس نکتے میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ مخلوق پر موت آ جاتی ہے وہ ایک مدت مقررہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتیں۔

تیسرے نکتے میں صاف صاف اعلان کر دیا گیا کہ اموات غیر احیاء۔ یہ سب مر چکے ہیں ان کا جسمانی زندگی سے اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ آخری نکتے میں ان کی جسمانی موت کی یہ دلیل دی گئی ہے کہ دنیا ----- اور اس کے معاملات سے وہ کلیتہً "بے خبر ہیں۔

پس ثابت ہو گیا کہ حضرت مریم" اور حضرت مسیح" دونوں کا انتقال ہو گیا کیونکہ ان دونوں کو خدا بنا لیا گیا تھا اور قرآن نے فیصلہ فرما دیا کہ جن شخصیتوں کو خدا کے سوائے معبود کے طور پر پکارا جاتا ہے وہ سب فوت ہو گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون ط**

حضرت مسیحؑ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے

اور اب آخر میں ایک ایسی قرآنی دلیل جس نے اس قضیئے کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا چنانچہ حضرت مسیح" فرماتے ہیں کہ :۔

"اور اللہ تعالیٰ نے مجھے برکت والا بنایا ہے اور مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں" (سورۂ مریم آیت ۳۱)

اس آیت کریمہ کی رو سے حضرت مسیح" کو اللہ تعالیٰ نے دو حکم دیئے تھے ایک نماز پڑھنے کا اور دوسرا زکوٰۃ ادا کرنے کا اور ساتھ ہی حد بندی بھی فرما دی تھی کہ جب تک تم زندہ ہو اس وقت تک نماز پڑھتے رہنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو حضرت مسیح" فوت ہو چکے یا بدستور زندہ ہیں۔ اگر زندہ ہیں تو زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہوں گے۔ آپ ہی بتایئے کہ کیا حضرت مسیح" آسمان پر زکوٰۃ ادا کر رہے ہیں؟ کیا وہاں بھی فقرا و مساکین اور محتاجوں کی بستیاں آباد ہیں جو دانے دانے کو محتاج ہیں جن کی پرورش کے لئے روپے پیسے' کپڑے لتے اور اناج وغیرہ کی ضرورت ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ نہایت لغو تصور ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح" زکوٰۃ ادا نہیں کر رہے۔ اگر زکوٰۃ ادا نہیں کر رہے تو یقیناً فوت ہو چکے ہیں کیونکہ خود حضرت مسیح" نے فرمایا تھا کہ مجھ پر اس وقت تک زکوٰۃ ادا کرنے کی پابندی ہے جب تک میں زندہ ہوں اور ہر شخص پر یہ پابندی اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک وہ زندہ ہوتا ہے پس حضرت مسیح" کا زکوٰۃ ادا نہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہ وفات پا گئے۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! کیا اس پر یہ اعتراض نہ ہو گا کہ زکوٰۃ اس پر واجب ہوتی ہے جو مالی لحاظ سے اس قابل ہو' دوسرے ایسی جگہ رہتا ہو جہاں زکوٰۃ لینے والے موجود ہوں۔ جب حضرت عیسیٰ" کے پاس مال ہی نہیں تو وہ زکوٰۃ کہاں سے ادا کریں گے اور جب زکوٰۃ لینے والے ہی آسمان پر موجود نہیں تو وہ زکوٰۃ کسے دیں گے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! اگر اس اعتراض کو درست مان لیا جائے تو اس کی زد تو اللہ تعالیٰ پر پڑے گی کہ اس نے نعوذ باللہ ایک لغو حکم دیا جو ناقابل عمل ہے۔ پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح" کو قابل عمل حکم دیا تھا جس پر عمل اسی دنیا میں ہو سکتا تھا جہاں زکوٰۃ دینے والے بھی ہوتے ہیں اور زکوٰۃ لینے والے بھی نہ کہ آسمان پر جہاں اس مادی محتاجی کا سرے سے تصور ہی نہیں۔ گویا حضرت مسیح" کا یہ اعلان کرنا کہ "اللہ تعالیٰ نے

مجھے اس وقت تک زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ ہوں" ------ ثابت کرتا ہے کہ اب وہ زندہ نہیں ان کی زندگی کا دور ختم ہو چکا ہے کیونکہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کر رہے۔

ساری دنیا کو چیلنج

برادر عزیز منیر صاحب! اب میں آپ کو اور آپ کی وساطت سے اس انٹرویو کے قارئین کو ایک بہت بلیغ نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور یہ چیلنج دیتا ہوں کہ **اگر کوئی شخص اس دلیل کو توڑ سکے تو وہ میدان میں آئے۔** سنئے! حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:-

انی عبداللہ اتنی الکتب "میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے -

تھوڑا سا آگے چل کر فرمایا:-

واوصٰنی بالصلوۃ والزکوۃ ما دمت حیاہ (اور مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ ہوں) (سورہ مریم آیت ۳۰' ۳۱)

فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں- اس میں مسیحیوں اور مسلمانوں دونوں کے لئے سبق ہے کہ مجھے خدا نہ بنا لینا میں خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہوں اور خدا کے بندے اسی زمین پر زندگی گزارا کرتے ہیں آسمان پر نہیں- پھر فرمایا اس نے مجھے "الکتٰب" عطا فرمائی ہے- "کتاب" نہیں کہا- "الکتاب" کہا اور کون نہیں جانتا کہ الف لام تخصیص کے لئے آتا ہے یعنی وہ خاص کتاب جو حضرت مسیحؑ کو دی گئی جسے انجیل کا نام دیا گیا جس کی طرف آپؑ اپنی قوم کو دعوت دیتے تھے- پھر فرمایا کہ مجھے "الصلوٰۃ" پڑھنے کا حکم دیا گیا- "صلوٰۃ" نہیں کہا بلکہ الصلوٰۃ کہا یعنی وہ خاص نماز جو حضرت مسیحؑ پڑھا کرتے تھے کیونکہ الصلوٰۃ کے ساتھ بھی الف لام ہے جو تخصیص کے لئے آتا ہے- پھر فرمایا کہ مجھے "الزکوٰۃ" ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے "زکوٰۃ" نہیں کہا- یعنی زکوٰۃ کا وہ خاص طریقہ جو حضرت مسیحؑ کے لئے مقرر کیا گیا تھا- یہاں بھی الف لام آیا ہے جو تخصیص کے لئے آتا ہے-

اب آپ اس پوری آیت پر غور کیجئے- حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے ایک خاص کتاب دی ہے (گویا جس کی طرف میں لوگوں کو اس وقت تک بلاؤں گا جب تک زندہ ہوں) اس نے مجھے نماز کا خاص طریقہ تعلیم فرمایا ہے- اس طریقے کے مطابق

میں اس وقت تک نماز پڑھوں گا اور لوگوں کو پڑھنے کی تلقین کروں گا جب تک کہ میں زندہ ہوں- اس نے مجھے زکوٰۃ ادا کرنے کا ایک خاص طریقہ سکھایا ہے اس کے مطابق میں اس وقت تک زکوٰۃ دوں گا اور دوسروں کو بھی زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کرتا رہوں گا جب تک کہ میں زندہ ہوں-

منیر صاحب! خوب غور کیجئے- اگر حضرت مسیحؑ ابھی تک آسمان پر زندہ ہیں اور دوبارہ دنیا میں واپس آئیں گے تو وہ لوگوں کو انجیل کی طرف دعوت دیں گے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کا حکم دیا ہے- اس طریقے کے مطابق نماز پڑھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر فرمایا تھا اور اس طریقے کے مطابق زکوٰۃ دیں گے اور دوسروں کو بھی تلقین کریں گے جس کی انہیں تعلیم دی گئی تھی- اگر ایسا ہی ہے تو پھر اسلام پر انا للہ پڑھ لیجئے کیونکہ اسلام کی تاریخ کا وہ بدترین اور منحوس ترین دن ہو گا جب حضرت مسیحؑ آسمان سے اتر کر (نعوذ باللہ) قرآن کو منسوخ کر دیں گے- رسولِ خدا کی مقرر کردہ نماز کے طریقے کو منسوخ کر دیں گے اور قرآن کے مقرر کردہ طریقِ زکوٰۃ کو منسوخ کر دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ان پر فرض ہو گی جس کا ان سے ازروئے قرآن وعدہ لیا گیا ہے اور ایک نبی خدا سے کئے گئے وعدے کے خلاف کام کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا- پھر غور کیجئے! خدا نے جناب مسیحؑ سے کیا وعدہ لیا؟ پہلا وعدہ یہ لیا کہ وہ اس وقت تک لوگوں کو انجیل کی طرف بلاتے رہیں جب تک زندہ ہیں- قرآن کی طرف بلانے کا ان کو پابند نہیں کیا گیا- اگر وہ ابھی تک زندہ ہیں تو واپس آکر لوگوں کو انجیل کی طرف دعوت دیں گے قرآن کی طرف ہرگز دعوت نہیں دیں گے کیونکہ قرآن تو انہوں نے پڑھا ہی نہیں اور نہ اس کی طرف بلانے کا انہیں حکم دیا گیا- دوسرا وعدہ ان سے یہ لیا گیا کہ جب تک وہ زندہ ہیں اس خاص طریقے کے مطابق نماز پڑھتے رہیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی تلقین کرتے رہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھائی تھی- اگر جناب مسیحؑ ابھی تک زندہ ہیں تو آسمان سے اتر کر وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کی مقرر کردہ نماز نہیں پڑھیں گے اور نہ دوسروں کو اس کی تلقین کریں گے بلکہ وہ خاص نماز پڑھیں گے اور دوسروں سے بھی پڑھوائیں گے جس کی اللہ تعالیٰ نے انہیں تعلیم دی تھی- جس میں نہ اعوذ تھا نہ سورۂ فاتحہ نہ رکوع و سجود اور قیام و قعود کی مسنونہ دعائیں' نہ پانچ وقت کی قید تھی اور نہ فرضوں اور سنتوں کی مقررہ تعداد اور نہ نوافل کا تصور' آگے چلئے- زکوٰۃ ادا کرنے اور

ادا کروانے کا وہ خاص طریقہ اختیار کریں گے جس کا ان سے وعدہ لیا گیا تھا گویا قرآن کریم کے
مقرر کردہ طریق کے مطابق زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ نزول مسیح" کے
ساتھ قرآن بھی گیا' اسلامی نماز بھی گئی اور اسلامی زکوٰۃ بھی گئی۔ ظاہر ہے یہی حال روزہ
رمضان کا بھی ہو گا۔ اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مسیحی حضرات کیوں اس قدر زور لگا
رہے ہیں کہ یسوع مسیح" آسمان پر بیٹھا ہے اور آخر زمانے میں نزول فرما کر لوگوں کو نجات کی
طرف دعوت دے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مسیح" کا آسمان پر زندہ موجود ہونا اور اسی جسم کے
ساتھ دوبارہ واپس آنا اگر تسلیم کر لیا جائے تو مسیحیت کی فتح عظیم ہو گی اور ان کے خیال میں
نعوذ باللہ اسلام نیست و نابود ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اربوں کھربوں روپے خرچ
کر کے ساری دنیا میں مشنریوں کا جال بچھا رکھا ہے۔

پس اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلام کو مکمل مذہب اور قرآن کو مکمل اور آخری شریعت کے
طور پر ساری دنیا تسلیم کرے تو اس لغو عقیدے کو یکسر ترک کر دیجئے کہ حضرت مسیح" بدستور
آسمان پر زندہ ہیں۔ وہ فوت ہو گئے' ان کے ساتھ ان کی شریعت بھی فوت ہو گئی' ان کا طریق
نماز اور طریق زکوٰۃ بھی منسوخ ہو گیا جس کی طرف وہ اپنی زندگی میں لوگوں کو بلاتے رہے
کیونکہ یہ صرف ان کی امت کے لئے تھا اور اس وقت تک کے لئے تھا جب تک کہ خدا کا
آخری نبی" مبعوث نہیں ہو جاتا۔ نبیؐ آخر الزمان نے مبعوث ہو کر تمام سابقہ شریعتوں کو
منسوخ کر دیا اور قیامت تک کے لئے ایک نئی اور مکمل شریعت نافذ کر دی جس میں کوئی تغیر و
تبدل نہیں ہو سکتا۔

لفظ نزول کے معنی

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ کی تمام تر تحقیق کے باوجود ایک بات بہت کھٹکتی ہے۔ یہ جو
احادیث ہیں کہ آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ" آسمان سے نازل ہوں گے ان کے بارے میں
آپ کیا کہیں گے؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! میں احادیث کا انکار نہیں کرتا نہ میں منکرِ حدیث
ہوں۔ احادیث تو ہمارے دین کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں مگر ان احادیث میں سے کسی صحیح حدیث
میں آسمان کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت مسیح" آسمان سے نازل ہوں گے۔ ہاں نازل ہونے کا ذکر

ضرور ہے کہ مسیح" ابن مریم نازل ہوں گے جس کے لئے احادیث میں "نَزَلَ" کا لفظ استعمال کیا
گیا ہے اور "نَزَلَ" کے معنی ہرگز آسمان سے اترنے کے نہیں۔ یہ لفظ قرآن حکیم میں متعدد
جگہ استعمال ہوا ہے اور ان مقامات میں سے کسی ایک جگہ بھی "نزل" کے معنی آسمان سے
اترنا مراد نہیں لئے گئے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یٰبنی ادم قد انزلنا لباسا (سورہ الاعراف آیت ۲۱)

(یعنی اے آدم کے بیٹو! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے)

پھر فرمایا:۔

و انزلنا الحدید الخ (سورۃ الحدید آیت ۲۶)

(یعنی اور ہم نے لوہا نازل کیا)

پھر سورۃ "الزمر" کی آیت ۶ میں فرمایا "اور اس نے تمہارے لئے چارپایوں میں سے آٹھ
جوڑے نازل کئے"۔ یہاں بھی "انزل" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

یہ تین مثالیں ہیں ان میں لباس' لوہا اور چارپائے ان تینوں کے بارے میں فرمایا کہ "ہم
نے نازل کیا"۔ حالانکہ معمولی عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ نہ لوہا آسمان سے اترتا ہے نہ
کپڑے کے تھان تیار ہو کر آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور نہ گائیں' بھینسیں' اور بھیڑ
بکریاں دودھ دیتی ہوئی آسمان سے نازل ہوتی ہیں' یہ سب چیزیں اسی زمین پر پیدا اور تیار ہوتی
ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے "انزل" کا لفظ استعمال فرمایا کہ "ہم نے یہ چیزیں نازل
کیں"۔ معلوم ہوا کہ نازل ہونے کے معنی ہر جگہ آسمان سے اترنا ہرگز نہیں۔

منیر صاحب! اور آگے چلئے اور ان لوگوں پر اظہارِ افسوس کیجئے بلکہ ان سے اظہارِ ہمدردی
کیجئے جو عالم ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود قرآن حکیم کے اسرار و رموز سے یکسر محروم ہیں۔ اب
دیکھئے اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے جو سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم کا وجودِ مسعود' اس کے بارے میں بھی "اَنْزَلَ" کا لفظ استعمال فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا کہ:۔

قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا (سورۃ الطارق آیت ۹)

(یعنی اللہ نے تم پر ایک ایسا بزرگ رسول نازل کیا ہے جو تمہارے سامنے اللہ کی آیات
تلاوت کرتا ہے)

آپ نے دیکھا حضورؐ اقدس کے بارے میں بھی "انزل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ

"اس بزرگ رسول کو تم میں نازل کیا گیا" حالانکہ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ حضورؐ اقدس آسمان سے نازل نہیں ہوئے تھے بلکہ ایک مقدس ترین خاتون حضرت آمنہؓ کے بطنِ مبارک سے اسی زمین پر پیدا ہوئے تھے۔

نزول مسیحؑ کی حقیقت

اسی طرح جب حضورؐ اقدس نے فرمایا کہ :۔

کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم فامکم منکم (صحیح مسلم کتاب الایمان الجزو الاول صفحہ ۹۳ مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ)

(یعنی اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے جو تم میں سے تمہارے امام ہوں گے) اس حدیث کی تشریح بھی قرآن کریم کے بیان کردہ معنی کی رو سے یہی ہو گی کہ جناب مسیحؑ آسمان سے نہیں اتریں گے جس طرح حضورؐ اقدس آسمان سے نازل نہیں ہوئے۔ حضرت مسیحؑ بھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوں گے جس طرح حضورؐ اقدس ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یعنی مسیحی صفات رکھنے والا کوئی شخص جو ہو بہو عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی صفات کا حامل ہو گا کسی نیک فطرت اور پاکیزہ سرشت مسلمان خاتون کے بطن سے پیدا ہو گا۔

منیر احمد:۔ محترم پیام صاحب! یہاں مجھے تھوڑا سا اختلاف کرنے کی اجازت دیجئے۔ جو حدیث نبوی آپ نے پیش کی ہے اس میں "ابن مریم" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ جب تم میں "ابن مریم" نازل ہو گا۔ ان کے مثیل کے الفاظ تو نہیں ہیں۔ حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی صفات کا کوئی شخص پیدا ہو گا بلکہ فرمایا کہ خود عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! بہت اچھا کیا کہ آپ نے یہ سوال کر دیا اس طرح ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے گا۔ میں آپ کو ایک بہت لطیف نکتے کی طرف متوجہ کرتا ہوں یقیناً آپ اپنے ذہن میں روشنی کی لہریں داخل ہوتی ہوئی محسوس کریں گے، غور فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں حضرت مسیحؑ ابن مریم کی زبان سے ایک بشارت دیتا ہے، فرماتا ہے :۔

و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (سورہ الصف آیت ۶)

حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ ----- "اور میں (تمہیں) ایک ایسے رسول کی بشارت دیتا ہوں

جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہو گا"۔

"اسمہ احمد" کی پیش گوئی

منیر صاحب! آپ بھی جانتے ہیں اور دنیا کا ہر پڑھا لکھا مسلمان جانتا ہے کہ حضرت مسیحؑ اس آیت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کی آمد کی بشارت دے رہے ہیں اور اس مقدس رسول کا نام احمد بتاتے ہیں۔ میں آپ سے اور آپ کی وساطت سے اس انٹرویو کے قارئین سے سوال کرتا ہوں کہ قرآن کریم کی یہ پیش گوئی کیا لفظی طور پر پوری ہوئی اور کیا حضرت مسیحؑ کے بعد کوئی ایسا رسول آیا جس کا نام احمد تھا؟ حضرت مسیحؑ کے بعد ایک رسول ضرور آیا جو تمام رسولوں کا سردار اور خاتم النبین تھا مگر اس کا نام تو محمد تھا (صلی اللہ علیہ و آلہ سلم) احمد نہیں تھا۔ حضورؐ کے دادا نے آپؐ کا نام محمدؐ رکھا تھا۔ سارا مکہ، سارا مدینہ سارا عرب آپ کو محمدؐ کے نام سے پکارتا تھا۔ قرآن میں ہر جگہ آپؐ کو محمدؐ کہہ کر ہی خطاب کیا گیا۔ ایک پوری سورۃ حضورؐ کے اسی اسم مبارک سے منسوب ہے یعنی سورۃ محمدؐ۔ درود شریف میں بھی حضور کا نام محمدؐ ہے، پانچ مرتبہ اذان میں بھی محمدؐ ہی کی رسالت کی شہادت دی جاتی ہے، کلمہ طیبہ میں بھی محمدؐ الرسول اللہ ہے۔ کلمہ شہادت میں بھی محمد الرسول اللہ ہے۔ احمد رسول اللہ تو کسی ایک جگہ بھی نہیں آیا۔ پھر حضرت مسیحؑ کی پیش گوئی بلکہ قرآن حکیم کی پیش گوئی لفظی طور پر کہاں پوری ہوئی۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے تو آپ کے پاس کیا جواب ہو گا۔ سو بات یہ ہے میرے عزیز منیر صاحب! کہ ہر پیش گوئی ہمیشہ اپنے ظاہری الفاظ کے ساتھ پوری نہیں ہوتی کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ایک باریک سا حجاب بھی درمیان میں رکھ دیتا ہے یہ معرفت کے لطیف نکات ہیں جنہیں عارف ہی سمجھ سکتے ہیں ہر آدمی کے بس کی بات نہیں بقول جگرؔ۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

تو میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح قرآن حکیم میں حضرت مسیحؑ کے بعد مبعوث ہونے والے نبی کا نام احمد بتایا گیا مگر وہ آیا محمدؐ کے نام سے، احمد کے نام سے نہیں آیا اگرچہ اس کا ایک جمالی نام یہ بھی ہے یعنی احمد مگر قرآن حکیم میں، اذان میں، نماز میں، درود میں، کلمہ طیبہ میں، کلمہ شہادت میں، "ذکر" میں غرض ہر جگہ محمدؐ ہے احمدؐ کہیں نہیں۔ اسی طرح حضورؐ اقدس

کی اس حدیث مبارک میں ظاہری طور پر ابن مریمؑ کا نام ہے مگر مراد وہ عیسٰیؑ نہیں جو مریمؑ کا بیٹا تھا کیونکہ وہ تو فوت ہو گیا' حضورؐ اقدس پر نازل ہونے والے قرآن نے اور خود حضورؐ اقدس نے اس کا فیصلہ فرما دیا جس کے حوالے میں پیش کر چکا ہوں پس یہاں ابن مریم کا کوئی مثیل مراد ہے جو مسیحی صفات کا حامل ہو گا' جس طرح احمدؐ سے مراد محمدؐ ہے یعنی وہ مقدس ہستی جس کا نام تو محمدؐ ہو گا مگر اپنی صفات کے لحاظ سے احمدؐ بھی ہو گا جو حضورؐ کا جمالی نام ہے یعنی وہ مقدس وجود' رحمت و شفقت کی صفات کا حامل ہو گا احمد کا یہی مفہوم ہے۔ یہ حضورؐ کا صفاتی نام ہے جس کے ذریعے سے آپؐ کے رحمت للعالمین ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ جس طرح جناب مسیحؑ اپنی امت کے لئے رحمت بن کر آئے تھے اور لوگوں کو عجز و انکسار اور بنی نوع انسان سے ہمدردی کی تعلیم دیتے تھے' اسی طرح حضورؐ اقدس بھی احمدؐ ہونے کی مناسبت سے حضرت مسیحؑ سے ایک مشابہت رکھتے تھے اور ایک رنگ میں ان کے مثیل تھے اگرچہ باقی صفات میں سارے انبیاء سے افضل تھے۔

منیر صاحب! اب تو بات واضح ہو گئی کہ ابن مریمؑ کے نام سے آنے والا حقیقت میں ابن مریم نہیں ہو گا بلکہ اس کی صفات کا حامل کوئی امتی ہی ہو گا۔ جس طرح جناب مسیحؑ ابن مریمؑ نے دعوت و تبلیغ کے ذریعے غافل یہودیوں میں روحانی بیداری پیدا کر دی اور ان میں سے صاحب ایمان اور پاکیزہ کردار لوگوں کی ایک جماعت کھڑی کر دی جو رفتہ رفتہ ساری دنیا پر چھا گئی اسی طرح آنے والا مسیحؑ بھی بھٹکے ہوئے لوگوں کی اصلاح کر کے' انہیں پاک کر کے ان میں سے ایک جماعت کھڑی کرے گا جس کا وہ امام ہو گا اور پھر یہ جماعت رفتہ رفتہ ساری دنیا پر چھا جائے گی اور اسلام کو دوبارہ عالمی غلبہ نصیب ہو گا کیونکہ حضورؐ اقدس کے یہ الفاظ کہ "فا مکم منکم" یعنی جو تم میں سے تمہارا امام ہو گا صاف طور پر ثابت کر رہے ہیں کہ وہ مسیح امت محمدیہ میں پیدا ہو گا اور مسلمانوں کا امام ہو گا۔ کہیں باہر سے نہیں آئے گا وہی امام مہدی ہو گا' اس طرح حضورؐ نے ہمیں مطلع فرما دیا کہ امت محمدیہ کا امام ہی اس کا مسیح ہو گا اور آنے والا مسیح ہی امت کا امام ہو گا' یہ دو الگ الگ وجود نہیں ہوں گے' وہی امام (مہدی) ہو گا وہی مسیح ہو گا۔ عقلاً" بھی بیک وقت دو امام اور خلیفہ نہیں ہو سکتے ورنہ بڑا فساد پیدا ہو گا اور دونوں کی صفوں میں شیطان صفت لوگ داخل ہو کر ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے خلاف ورغلانے اور آمادۂ فساد کرنے کی کوشش کریں گے جس طرح ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ

اور امیر المومنین سیدنا علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ ہوا تھا اسی لئے حضورؐ اقدس نے قبل از وقت فیصلہ فرما دیا کہ امت محمدیہ میں بیک وقت ایک ہی شخص امام (مہدی) اور مسیح ہو گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک صاحب امام یا مجدد ہونے کا دعویٰ کریں دوسرے صاحب مسیح یا خلیفہ رسولؐ ہونے کے مدعی ہوں۔ کچھ لوگ ایک کی پیروی اختیار کریں کچھ دوسرے کی۔ خود ان دو مدعیوں کے لئے سخت مشکل پیش آئے گی کہ کون کس کی اطاعت کرے؟ جو بھی دوسرے کی اطاعت کرے گا وہ اپنے پہلے مرتبے سے گر جائے گا اور معزول ہو جائے گا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ مسیحؑ تو مبعوث ہی اس لئے ہو گا کہ دین کے بارے میں جو اختلافات پیدا ہو چکے ہیں انہیں ختم کرے نہ کہ اس کی وجہ سے ایک اور فتنہ پیدا ہو۔ پس اس کی ایک ہی صورت ہے کہ امت میں ایک ہی شخص مبعوث کیا جائے' وہی رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دے۔ حضور اقدس اسی کو مسیح قرار دے چکے ہیں اور فرما چکے ہیں کہ **لا المھدی الا عیسی بن مریم** (حدیث ابن ماجہ) یعنی کوئی مہدی نہیں سوائے عیسٰیؑ کے۔ گویا دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ حضورؐ اقدس کے اس فیصلے کو تبدیل کرنا مومن کا کام نہیں۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! قرآن پاک کی اتنی واضح آیات' رسولؐ پاک کے فرمودات اور اصحاب رسولؐ کے اتنے اقوال کے بعد جو آپ نے اپنے موقف کے حق میں پیش کئے ہیں آخر مسلمانوں میں یہ عقیدہ داخل کیسے ہو گیا کہ حضرت عیسٰیؑ ابھی تک زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں؟

پیام شاہجہانپوری:۔ منیر صاحب! بات یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھائے جانے کا عقیدہ خالص مسیحی عقیدہ ہے جو مسیحیوں نے بعض غلط فہمیوں اور کچھ حضرت مسیحؑ سے غیر معمولی عقیدت کی وجہ سے اختیار کر لیا۔ حضورؐ اقدس کے وصال کے بعد جب اسلام کی تبلیغ کا دائرہ وسیع ہوا تو بہت سے نامور عیسائی علما بھی اسلام میں داخل ہو گئے اور حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ اپنے ساتھ لائے چونکہ قرآن حکیم انجیل کی تصدیق کرتا ہے اس لئے ان نومسلم مسیحی علما نے سوچا کہ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق انجیل بھی آسمانی کتاب ہے اس میں جو کچھ درج ہے وہ درست ہے پس وہ اس عقیدے پر قائم رہے۔ ان میں سے بعض نومسلم مسیحی علما نے جب قرآن حکیم کی تفسیریں لکھیں تو ان میں یہ عقیدہ بھی داخل کر دیا۔ ہمارے بہت سے مفسرین نے بھی کسی بدنیتی سے نہیں بلکہ غلط فہمی اور مسیحی

پروپگنڈے سے متاثر ہو کر یہ نظریہ قبول کرلیا اس طرح یہ غلط عقیدہ عام مسلمانوں تک پہنچ گیا لیکن جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ ہر دور میں ایسے مفسرین اور امام بھی پیدا ہوتے رہے جو اس غلط عقیدے کی تردید کرتے رہے مگر ان کی تعداد کم تھی اور انہوں نے اس مسئلے کو دین و ایمان کا مسئلہ نہ سمجھتے ہوئے اس پر زیادہ زور بھی نہیں دیا اس طرح یہ عوام الناس کا بھی عقیدہ بن گیا لیکن اس کی مضرت رسانیوں کا اب اندازہ ہوا جب اس عقیدے کی وجہ سے لاکھوں مسلمان اسلام سے نکل کر مسیحیت کی آغوش میں چلے گئے اور اسلام کو ایک خونخوار مذہب کی حیثیت سے پیش کیا جانے لگا۔

منیر احمد:۔ پیام صاحب! جب آپ فرماتے ہیں کہ قرآن انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ انجیل کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تو پھر کیسے سمجھے ہوئے۔

پیام شاہجہانپوری:۔ نہیں منیر صاحب! ہرگز ایسا نہیں ہے قرآن اس انجیل کی تصدیق کرتا ہے جو حضرت مسیحؑ کو عطا کی گئی تھی مگر اس میں تو تحریف ہوئی، اصل انجیل جو حضرت مسیحؑ پر نازل ہوئی تھی بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں وہ انجیل جو حضرت مسیح کے فرمودات پر مشتمل تھی وہ تو آج روئے زمین پر کہیں موجود نہیں اس کی نقل تک موجود نہیں۔ انجیل کے نام سے جو کچھ موجود ہے وہ اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہیں۔ جن میں بہت اختلاف ہے صحیح اور غلط سب آپس میں خلط ملط ہو گئے ہیں۔ آپ حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے واقعے کو ہی لیجئے اس وقت مروجہ چار انجیلیں ہیں ایک متی کی انجیل، دوسری مرقس کی انجیل، تیسری لوقا کی انجیل اور چوتھی یوحنا کی انجیل۔ اگر آپ نے چاروں انجیلیں پڑھی ہیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ان چار میں سے دو انجیلیں تو اس بارے میں مکمل طور پر خاموش ہیں یعنی متی اور یوحنا حالانکہ ان میں سے یوحنا حضرت مسیحؑ کا وہ بزرگ اور قابل اعتماد حواری تھا جس کے سپرد حضرت مسیحؑ نے اپنی والدہ کو کیا تھا اور فرمایا تھا کہ "تم خیال رکھنا کہ یہ تمہاری والدہ ہیں"۔ اتنا قابل اعتماد حواری جو تمام واقعات وحالات سے ذاتی طور پر واقف تھا اور حضرت مسیحؑ کا محبوب ترین صحابی تھا وہ اپنی انجیل میں جو چاروں انجیلوں میں سب سے مستند انجیل سمجھی جاتی ہے حضرت مسیحؑ کے بارے میں اشارہ تک نہیں کرتا کہ آپؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ یوحنا کی انجیل آپ کے

سامنے ہے اسے دیکھئے اور مجھے بتایئے کہ اس میں حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھائے جانے کا کہیں بھی ذکر تو کیا آسمان کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے؟ دوسری مستند انجیل جسے موجودہ انجیلوں میں مستند قرار دیا جاتا ہے متی کی ہے یہ بھی حضرت مسیحؑ کے صحابی (حواری) تھے اور نہایت وفادار صحابی تھے جنہیں حضرت مسیحؑ نے اپنا رسول (نائب) مقرر فرما کر تبلیغ کے لئے بھیجا تھا ان کی انجیل بھی آپ کے سامنے ہے دیکھئے اس میں کسی ایک جگہ بھی حضرت مسیحؑ کے بارے میں ہلکا سا اشارہ بھی ہے کہ آپؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ البتہ مرقس اور لوقا نے اپنی انجیلوں کے آخر میں یہ الفاظ شامل کردئے ہیں کہ "غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھا لیا گیا اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا" (مرقس کی انجیل باب ۱۶ آیت ۱۹) لوقا صاحب نے یہ اضافہ فرمایا کہ "جب وہ (یسوع مسیحؑ) انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا (لوقا کی انجیل باب ۲۴ آیت ۵۱)

سوال یہ ہے کہ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا تھا تو اس کا سب سے زیادہ علم تو جناب مسیحؑ کے صحابیوں کو ہونا چاہئے تھا جو آپؑ کے زمانے کے لوگ تھے یعنی جناب متی اور جناب یوحنا۔ وہ تو حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر تو کیا اشارہ تک نہیں کرتے مرقس اور لوقا جن میں سے ایک بھی حضرت مسیحؑ کا صحابی (حواری) نہیں تھا اور جن کا زمانہ بھی بہت بعد کا ہے انہیں کہاں سے معلوم ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا پس اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ روایت کچھ غالی قسم کے مسیحیوں نے گھڑی تاکہ حضرت مسیحؑ کی عظمت میں اضافہ ہو جائے اور وہ یہود سے پیچھے نہ رہ جائیں جو ان کے اصل حریف تھے کیونکہ یہودی حضرت ادریسؑ اور حضرت الیاسؑ کو آسمان پر چڑھا چکے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ خدا کے یہ دونوں مقدس نبی آسمان پر بیٹھے ہیں۔ مسیحیوں نے حضرت مسیحؑ کو آسمان پر بٹھا کر بزعم خود یہودیوں کی ہمسری حاصل کرلی اس سے زیادہ اس روایت کی اور کچھ حقیقت نہیں۔

وہ آسمان جس پر مسیحؑ کو اٹھایا گیا

منیر احمد:۔ پیام صاحب! ایک بات کی وضاحت چاہوں گا۔ یہ جو آسمان پر جانے کا

عقیدہ ہے یہودیوں کا بھی عیسائیوں کا بھی اور عام مسلمانوں کا بھی خواہ غلط ہو خواہ صحیح ہو آخر یہ کیسے اختیار کر لیا گیا؟ اس کی کوئی وجہ تو ہو گی؟

پیام شاہجہانپوری :۔ منیر صاحب! آسمان بلندی کا نام ہے' یہ رفعت و عظمت کا Symbol ہے اللہ تعالیٰ کا عرش بھی آسمان پر قرار دیا جاتا ہے حتیٰ کہ جنت کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی آسمان پر ہے۔ میرے خیال میں اسی لئے مختلف مذاہب کے ماننے والوں نے اپنے بعض روحانی پیشواؤں کو آسمان پر بٹھا رکھا ہے تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ صاحبِ عظمت اور مقربِ الٰہی ثابت کیا جا سکے لیکن ایک نہایت باریک اور لطیف نکتہ تھا جس کی طرف ذہنوں کی رسائی نہ ہو سکی وہ یہ کہ ایک تو یہ آسمان ہے جو ہمیں اپنی ظاہری آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ اس کثیف آسمان پر نہ حضرت ادریس" تشریف لے گئے' نہ حضرت الیاس" اور نہ حضرت مسیح"۔ منیر صاحب! اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ اس آسمان کے علاوہ ایک اور آسمان بھی ہے جس کی طرف ہمارے مفسرین کی نگاہ نہ جا سکی۔ اس آسمان کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے اور میرا سرچشمہء معلومات و ہدایت یہی کتاب اللہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ ہود میں فرماتا ہے :۔

واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خلدین فیھا ما دامت السموات والارض (ہود آیت ۱۰۸)

(یعنی اور جو نیک لوگ ہیں وہ ہمیشہ اس وقت تک جنت میں رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔)

اس ارشادِ الٰہی کا صاف اور واضح مفہوم یہ ہے کہ جنتی اس وقت تک جنت میں رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جب زمین و آسمان فنا ہو جائیں گے تو اس وقت جنتی جنت سے نکال دیئے جائیں گے؟ حالانکہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ جنتیوں کو بشارت دیتا ہے کہ :۔

وما ھم منھا بمخرجین (سورۃ الحجرات آیت ۴۸)

(اور جنتیوں کو) جنت میں سے کبھی نہیں نکالا جائے گا)

اس طرح تو کلام الٰہی میں تضاد پیدا ہو گیا کہ ایک مقام پر تو وہ فرماتا ہے کہ جنتی اس وقت تک جنت میں رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں اس کے دوسرے معنی یہ

ہوئے کہ جب زمین و آسمان فنا ہو جائیں گے تو جنتی جنت میں سے نکال دیئے جائیں گے۔ جبکہ دوسری جگہ اس کے برعکس یہ فرماتا ہے کہ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے حالانکہ کلام الٰہی میں تضاد کا تصور بھی گناہ ہے۔ پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ زمین و آسمان سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہمارے یہ مادّی زمین و آسمان نہیں کیونکہ یہ تو فانی ہیں' ایک دن فنا ہو جائیں گے وہ کوئی اور آسمان ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا اور وہ آسمان جنت کا آسمان ہی ہو سکتا ہے۔ یہی وہ آسمان ہے جس کا احادیث میں ذکر ہے اور جس کے مختلف درجات ہیں۔ انہی درجات میں کہیں حضرت آدم" کہیں حضرت ابراہیم" کہیں حضرت ادریس" کہیں حضرت الیاس" کہیں حضرت موسیٰ" اور کہیں حضرت عیسیٰ" تشریف فرما ہیں۔ یہ آسمان جنت کے قریب ہے اور اتنا قریب ہے کہ موت کے بعد ہی مومنوں کی ارواح جنت کے نظاروں سے لطف اندوز ہونے لگتی ہیں۔ حضورِ اقدس نے معراج کے موقع پر اسی آسمان کی سیر فرمائی تھی اور یہیں آپ" کی قیادت میں تمام گزشتہ انبیاء نے نماز ادا کی تھی۔

منیر احمد :۔ پیام صاحب یہ تو آپ نے بہت عجیب نکتہ بیان کیا ہے کیا آپ کی اس بات کی تائید کسی اور بزرگ اور عالم شخصیت کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کی شہادت

پیام شاہجہانپوری :۔ ہاں منیر صاحب! بالکل ہوتی ہے۔ چنانچہ برصغیر پاک و ہند کے ممتاز روحانی پیشوا' قطبِ وقت حضرت علی ہجویریؒ جو اپنی صدی کے مجدد بھی تھے فرماتے ہیں :۔

"پیغامبر گفت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اندر شب معراج آدم و یوسف و موسیٰ و ہارون و عیسیٰ و ابراہیم را صلوٰت علی نبینا و علیھم اجمعین اندر آسماں دیدم' لا محالہ آں ارواح ایشاں بود" (کشف المحجوب ص ۲۵۸ مرتبہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع)

(یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ" نے شب معراج میں آسمان پر آدم' یوسف' موسیٰ' ہارون' عیسیٰ اور ابراہیم کو دیکھا تو لا محالہ وہ ان کی ارواحِ مبارکہ تھیں۔)

اگر حضرت مسیح" ابن مریم" اپنے مادی جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے تو معراج کی شب حضورِ انور کی ان سے ملاقات بھی ان کے مادی جسم کے ساتھ ہونی چاہئے تھی مگر عالمِ اسلام کے جلیل القدر عالم اور قطبِ وقت حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ اس کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضورِ انور نے جن انبیائے کرام سے شب معراج میں

ملاقات فرمائی ان سب کی ارواح سے یہ ملاقات ہوئی۔ حضرت علی ہجویریؒ نے ان انبیائے کرام میں حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کو بھی شامل کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ مع جسم عنصری آسمان پر اٹھائے گئے تو معراج کی شب ان کا جسم کہاں گیا؟ کیا وہ بے جان اور بے روح رہ گیا تھا؟ اگر بے روح رہ گیا تھا تو گویا مردہ جسم تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی جسم میں سے روح نکال لے تو دوبارہ اس میں واپس نہیں بھیجتا۔

اور اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حضورؐ اقدس نے جناب مسیحؑ سے ان کے مادی جسم کے ساتھ ملاقات فرمائی تو یہ تاریخ عالم کا سب سے عجیب واقعہ تھا کہ ایک نبی (حضرت مسیحؑ) اپنے گوشت پوست کے جسم کے ساتھ ملاء اعلیٰ میں موجود تھا جبکہ باقی تمام انبیاء گوشت پوست کا جسم اسی زمین پر چھوڑ کر اس جہان فانی سے گئے مگر حضورؐ اقدس نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے دنیا کے اس عجیب تر واقعے کا کہیں ذکر نہیں فرمایا کہ "حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت یحییٰؑ تک جتنے انبیاء سے میری ملاقات ہوئی وہ سب تو اپنے روحانی جسم کے ساتھ مجھے ملے مگر ایک نبی (عیسیٰؑ ابن مریمؑ) ایسا بھی تھا جسے میں نے گوشت پوست کے جسم کے ساتھ عالم ثانی میں دیکھا"۔

پس اس واقعے کا بیان نہ کرنا ثابت کرتا ہے کہ حضورؐ اقدس کی ملاقات جس مسیحؑ ابن مریمؑ سے ہوئی وہ فوت ہو چکا ہے۔ اپنا مادی جسم اسی زمین پر چھوڑ گیا ہے۔ حضورؐ کی ملاقات اس سے بھی دوسرے انبیاء کی طرح اس روحانی جسم کے ساتھ ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے عالم ثانی میں اپنے تمام انبیاء کو عطا فرمایا۔ یہ اُسی عالم ثانی اور اُسی آسمان کا واقعہ ہے جس کے بارے میں قرآن حکیم نے فرمایا کہ "وہ ہمیشہ قائم رہے گا" اور ظاہر ہے کہ وہاں سے آج تک نہ کوئی واپس آیا ہے نہ آئے گا۔

حرف آخر

منیر صاحب! میں آپ سے اجازت لینے سے قبل حرفِ آخر کے طور پر رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک اور ارشاد پیش کرنا چاہتا ہوں اور اسی پر یہ گفتگو ختم کرتا ہوں۔ اسلامیات کا کوئی طالب علم ایسا نہیں جو امام المفسرین حضرت علامہ حافظ ابن کثیرؒ کے نام نامی سے واقف نہ ہو۔ یہ اس پائے کا مفسر تھا کہ عالم اسلام نے اس پائے کے مفسر بہت کم پیدا کئے۔ امام ابن کثیرؒ کی یہ حدیث جو میں پیش کر رہا ہوں "تفسیر فتح البیان"

الجزالثانی کے حاشے میں درج ہے (صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ)

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حدیث رسول ہے کہ:۔

"لو كان موسیٰ و عیسیٰ حیّین لما وسعهما الا اتباعی"

(یعنی رسول اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ سلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی کرنے کے سوائے اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔)

منیر صاحب! اب تو دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو گیا کہ رسول اقدسؐ نے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ایک ہی صف میں رکھا اور جس طرح حضرت موسیٰؑ وفات پا گئے حضورؐ نے ہمیں بتا دیا کہ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ ـــــــ "حیّین" اگر زندہ ہوتے تثنیے کا صیغہ ہے یعنی "اگر دونوں زندہ ہوتے" معلوم ہوا کہ دونوں زندہ نہیں ہیں نہ موسیٰؑ زندہ ہیں نہ عیسیٰؑ زندہ ہیں دونوں کا اکٹھے ذکر کرنا ثابت کرتا ہے کہ دونوں ایک ہی حالت میں ہیں اور دونوں وفات پا چکے ہیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون ط

آپ کا دلی شکریہ منیر صاحب! اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا خدا حافظ۔

(پیام شاہجہانپوری)

منیر احمد:۔ پیام صاحب! آپ کے ساتھ بہت سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ حیرت ہے کہ پوری دنیا علم کی موجودہ روشنی کے باوجود حضرت مسیحؑ کی زندگی اور ان کے "نزول" کے حوالے سے ابھی تک اندھیرے میں ہے۔ امید ہے آپ کی تحقیق اقوام عالم میں بہت جلد ایک نئے ذہنی انقلاب کا موجب بنے گی۔ آپ نے دوران گفتگو کوئی نکتہ ایسا نہیں چھوڑا جس سے تشنگی کا احساس ہوتا ہو خدا آپ کو اس نیک کام کا اجر دے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت نکال کر مجھ ناچیز کو ایک انتہائی اہم حقیقت جاننے کا موقع دیا۔ امید ہے کہ یہ انٹرویو جب کتاب کی شکل میں سامنے آئے گا تو حضرت عیسیٰؑ کے عقیدت مند اور ہمارے روشن خیال علما اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔

منیر احمد 5-7-93

پیلاطوس کا انجام؟

"پیلاطوس" واقعہ ء صلیب کا وہ مظلوم کردار ہے جس کا حقیقی رول روایات کے غبار میں گم ہو گیا۔ اس پر الزام ہے کہ اس نے حضرت مسیحؑ کو قتل کرایا یعنی آپؑ کو صلیب پر چڑھوایا۔ دوسری طرف یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت مسیحؑ کو صلیبی موت سے بچانے کی بھرپور کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔ گویا پیلاطوس نے دو مختلف اور متضاد کردار ادا کیے۔ اس کے کردار کے اسی تضاد نے اس کی شخصیت پر دبیز پردے ڈال دئے جو اب تک پڑے ہوئے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ یہ پردے اٹھا دئے جائیں اور پیلاطوس کو اس کی حقیقی شکل میں پیش کر دیا جائے۔

اس حقیقت کو اب دنیا کے بڑے بڑے فاضل اور مسیحی محقق بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ رومی کلیسیا نے پیلاطوس کے اصل کردار کو مسخ کیا اور اسے ایک ظالم اور حضرت مسیحؑ کے قاتل کی حیثیت سے پیش کیا ورنہ حقیقت کچھ اور تھی چنانچہ مشہور مسیحی مورخ پروفیسر برانڈن (Prof : S.G.F. Brandon) نے لکھا ہے کہ:۔

"قابل ذکر بات یہ ہے کہ جب تک رومی حکومت نے مسیحی مذہب اختیار نہیں کیا تھا اس وقت تک مسیحی مورخین پیلاطوس کو بے گناہ قرار دیتے تھے مگر جب رومی حکومت نے مسیحیت کو سرکاری مذہب کا درجہ دیدیا تو چونکہ حضرت مسیحؑ رومی حکومت کے محبوب (اور اس کی عقیدت کا مرکز و محور) بن چکے تھے اس لئے مسیحی مورخوں کو حضرت مسیحؑ کی بے گناہی کی شہادت دلوانے کے لئے پیلاطوس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی پس بعد کے مورخین نے جن میں "Eusebius" (ایوسی بیئس)، کا نام سرفہرست ہے پیلاطوس کے انجام کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں گھڑلیں جن میں ایک کہانی یہ بھی تھی کہ پیلاطوس نحوست اور بدبختی کا شکار ہوا اور اس نے (خود ہی) اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا یعنی خود کشی کر لی۔" (1)

پیلاطوس کی کردار کشی

چونکہ یہ ایسی حقیقت تھی جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت مسیحؑ کا واقعہ ء صلیب رومی عہد حکومت میں پیش آیا تھا اس لئے اس واقعے کی ذمہ داری رومی حکومت ہی پر عائد ہو رہی تھی پس رومی کلیسیا اور بعد کے مسیحی مورخوں نے رومی بادشاہ (قیصر طبریوس) کو بچانے کے لئے سارا الزام گورنر پیلاطوس پر عائد کر دیا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اس واقعے میں قیصر کا ہاتھ نہیں تھا دراصل یہ ساری کارروائی خود گورنر پیلاطوس نے اپنے طور پر کی بلکہ یہ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی گئی کہ قیصر تو جناب مسیحؑ کا عقیدت مند تھا چنانچہ "دی لاسٹ بکس آف دی بائی بل" میں حضرت مسیحؑ کے مبینہ قتل کی ذمہ داری اسی غریب پیلاطوس پر ڈالی گئی ہے اور رومی بادشاہ (قیصر طبریوس) کو صاف بچا لیا گیا ہے۔ بائبل کے اس گمشدہ صحیفے کا متعلقہ اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"روم کا بادشاہ قیصر طبریوس ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے سنا کہ یروشلم میں یسوع نامی ایک حاذق طبیب ہے جس کے الفاظ میں یہ تاثیر ہے کہ ان سے بیمار صحتیاب ہو جاتے ہیں یعنی وہ اپنی زبان سے چند الفاظ ادا کرتا ہے اور مریض ٹھیک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک معتمد "Volusianus" (وولوسیانس) کو یہ پیغام دے کر گورنر پیلاطوس کے پاس بھیجا کہ "یسوع کو میرے پاس بھیج دو تاکہ وہ مجھے صحت یاب کر دیں۔" لیکن بادشاہ طبریوس کا یہ پیغام پیلاطوس کو اس وقت ملا جب وہ حضرت مسیحؑ کو صلیب دلوا چکا تھا۔ روایت میں اس امر کی بھی صراحت کی گئی ہے کہ پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ کو اس لئے صلیب دی کہ وہ آپؑ سے دشمنی اور عداوت رکھتا تھا۔

بادشاہ کا پیغام سن کر پیلاطوس نے اس کے پیغامبر کو جواب دیا کہ یسوع نامی یہ شخص مجرمانہ افعال کا ذمہ دار تھا' یہ بہت بڑا مجمع باز تھا اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لینے کا فن جانتا تھا (یعنی اس سے امن و امان کو خطرہ تھا) اس لئے میں نے یروشلم کے سرکردہ لوگوں کے مشورے پر اسے صلیب دے کر مروا دیا۔ یہ سن کر بادشاہ کا پیغامبر اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔ روایت میں بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد بادشاہ کے پیغامبر کی ملاقات ایک خاتون سے ہوئی جس کا نام "Veronica" (ویرونیکا) تھا یہ خاتون حضرت مسیحؑ کی بہت بڑی عقیدت مند تھی۔ پیغامبر نے اس سے پوچھا کہ اس شہر میں ایک حاذق طبیب رہا کرتا تھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنے

الفاظ سے بیماروں کو صحت یاب کر دیا کرتا تھا اسے یہودیوں نے قتل کیوں کروا دیا؟ یہ سن کر وہ عورت زاروقطار رونے لگی اور بولی کہ وہ تو میرا خداوند تھا جسے پیلاطوس نے عداوت کی بنا پر گرفتار کروایا اور پھر صلیب پر مروا دیا۔

روایت آگے بڑھتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ باتیں سن کر بادشاہ کے پیغامبر نے نہایت دکھ کا اظہار کیا اور کہا کہ اس کے آقا نے جو خدمت اس کے سپرد کی تھی' افسوس کہ اب وہ یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکے گا۔ جب پیغامبر نے اس خدمت کی تفصیل بیان کی تو خاتون نے اس سے کہا کہ (تم مایوس نہ ہو) میرے پاس یسوع کی ایک تصویر ہے۔ خاتون نے اس تصویر کا عجیب و غریب پس منظر بیان کیا' کہنے لگی کہ جب وہ (حضرت مسیحؑ) تبلیغ کے لئے جاتے تھے تو ان کی جدائی مجھ پر بہت شاق گذرتی تھی میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش ان کی تصویر میرے پاس ہوتی جسے دیکھ کر میں سکون حاصل کر لیا کرتی۔ (ایک روز کا واقعہ ہے کہ) جب میں کینوس لے کر یسوع کی تصویر بنوانے مصور کے پاس جا رہی تھی تو راستے میں میرے خداوند سے میری ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں جا رہی ہو۔ جب میں نے اپنے سفر کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے مجھ سے کینوس طلب کیا اور جب واپس کیا تو اس پر آپؑ کے چہرۂ مبارک کی شبیہہ بنی ہوئی تھی۔

خاتون "ویرونیکا" بیان کرتی ہے کہ اس نے بادشاہ طبریوس کے پیغامبر کو بتایا کہ اگر تمہارا آقا صدق دل سے اس تصویر کی ایک جھلک بھی دیکھ لے گا تو اس کی صحت بحال ہو جائے گی اور وہ پوری طرح تندرست ہو جائے گا۔ کہانی آگے چلتی ہے اور بادشاہ کا پیغامبر خاتون سے پوچھتا ہے کہ کیا یہ تصویر قیمت دے کر میں آپ سے خرید سکتا ہوں؟ خاتون جواب دیتی ہے کہ ہرگز نہیں' اسے صرف جذباتِ عقیدت سے خریدا جا سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تصویر لے کر میں تمہارے ساتھ جاؤں گی اور بادشاہ کو پیش کر دوں گی اسے دیکھ کر وہ صحتیاب ہو جائے گا اس کے بعد میں تصویر لے کر واپس آ جاؤں گی چنانچہ پیغامبر (Volusianus) خاتون کو لے کر روم آیا اور قیصر طبریوس کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے اطلاع دی کہ حضور والا جس یسوع سے ملنے کے خواہشمند تھے اسے گورنر پیلاطوس اور یہودیوں نے ظالمانہ اور غیر منصفانہ طریقے سے ہلاک کرا دیا ہے تاہم میں اپنے ساتھ ایک خاتون کو لے آیا ہوں جس کے پاس یسوع کی حقیقی تصویر ہے' خاتون کا دعویٰ ہے کہ اگر آپ اسے جذبۂ عقیدت سے دیکھیں گے تو اسی وقت شفایاب ہو جائیں گے۔

روایت میں کہا گیا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ جس راستے سے حضرت مسیحؑ کی تصویر لائی جائے اس پر ریشم کے تھان بچھا دئے جائیں۔ اس کے بعد جناب مسیحؑ کی شبیہہ اس کے پاس لائی گئی جیسے ہی اس کی نظر آپؑ کی تصویر پر پڑی وہ فوراً صحت یاب ہو گیا۔ روایت کے مطابق اپنی صحت یابی کے بعد بادشاہ (قیصر طبریوس) نے گورنر پیلاطوس کو روم طلب کیا۔ **پیلاطوس جب بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے حضرت مسیحؑ کا جُبّہ زیب تن کیا ہوا تھا۔** مختصر یہ کہ قیصر طبریوس نے پیلاطوس کو اس وقت تک کے لئے جیل میں ڈال دیا جب تک کہ اس کے بارے میں آخری فیصلہ نہیں کر لیا جاتا۔ آخر کار بادشاہ نے پیلاطوس کو موت کی سزا دینے کا حکم دیا۔ جب پیلاطوس کو معلوم ہوا کہ اسے سزائے موت دی جائے گی تو اس نے خود ہی خنجر سے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ روایت کے مطابق جب قیصر کو پیلاطوس کی موت کا علم ہوا تو اس نے کہا کہ پیلاطوس ایسی عبرتناک موت سے دوچار ہوا ہے کہ اس کے ہاتھوں نے بھی اسے معاف نہیں کیا۔ اس کی لاش کو ایک بھاری پتھر سے باندھ کر دریائے ٹائبر میں غرق کر دیا گیا(2)

پیلاطوس کی حضرت مسیحؑ سے عقیدت

ظاہر ہے کہ اس کہانی کا بنیادی مقصد یہ تاثر دینا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی صلیب دہی کے واقعے میں رومی بادشاہ کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ وہ تو آپؑ کا اتنا عقیدتمند تھا کہ آپؑ کی تصویر دیکھ کر ہی شفایاب ہو گیا تھا اصل قصوروار تو گورنر پیلاطوس تھا جس سے حضرت مسیحؑ کی دشمنی تھی اور اسی دشمنی کی بنا پر اس نے آپؑ کو صلیب دلوائی لیکن روایت نویس بھول گیا کہ اسی کے بقول جب پیلاطوس بادشاہ (قیصر طبریوس) کے روبرو پیش ہوا تو اس نے (برکت کے لئے) **حضرت مسیحؑ کا جُبّہ پہنا ہوا تھا** (صفحہ ۲۸۱ کالم نمبر ۱)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر پیلاطوس حضرت مسیحؑ کا دشمن ہوتا' اس کے دل میں آپؑ کے خلاف عداوت ہوتی اور اسی عداوت کی بنا پر اس نے آپؑ کو قتل کرایا ہوتا تو ایسے نازک موقع پر اسے آپؑ کا جبہ پہننے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسے حضرت مسیحؑ سے دلی عقیدت تھی اور عقیدت بھی ایسی جو ایک راسخ العقیدہ مرید کو اپنے مرشد سے ہوتی ہے اسی لئے اس کا اعتقاد تھا کہ اگر اس نے حضرت مسیحؑ کا جبہ پہن لیا تو اس کی برکت سے وہ بادشاہ کے غیظ و غضب سے محفوظ رہے گا۔

بعض اور تاریخی دستاویزات اور زمانہ ء حال کی تاریخوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیلاطوس حضرت مسیح" کو بے گناہ سمجھتا تھا اور آپ" کو رہا کر دینا چاہتا تھا چنانچہ "ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا" کا مسیحی مقالہ نگار لکھتا ہے کہ :-

"جب (حضرت) مسیح" پیلاطوس کی عدالت میں پیش ہوئے تو اس نے آپ" کو رہا کرنے کی کوشش کی کیونکہ وہ آپ" کو بے گناہ سمجھتا تھا لیکن علمائے یہود اور حضرت مسیح" کے دشمنوں نے آپ" کو سزائے موت دینے کے مطالبے پر اصرار کیا (اس کے باوجود) شاید پیلاطوس آپ" کو رہا کر دیتا مگر اسے خطرہ تھا کہ **اس صورت میں وہ اپنے عہدے سے برطرف کر دیا جائے گا۔**" (3)

یہ بڑے غور کا مقام ہے اور اس انتہائی اہم تاریخی دستاویز کے آخری (نمایاں) الفاظ پڑھ کر ہر شخص بجا طور پر سوچے گا کہ "ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا" کا مسیحی مقالہ نگار یہ کیا کہہ رہا ہے کہ پیلاطوس کو خطرہ تھا کہ اگر وہ حضرت مسیح" کو صلیب پر نہ چڑھاتا تو اسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا جاتا ـــــ آخر کیوں؟ اگر شہنشاہ روم جناب مسیح" کا عقیدت مند تھا تو اس صورت میں پیلاطوس حضرت مسیح" کو صلیب نہ دے کر اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرتا اور انعام و اکرام کا مستحق قرار پاتا مگر یہاں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کہ وہ حضرت مسیح" کو صلیب سے بچانے کی صورت میں خود کو خطرے میں محسوس کر رہا تھا اور سمجھتا تھا کہ اگر اس نے حضرت مسیح" کو صلیب پر نہ چڑھایا تو وہ قیصر کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے گا۔ پس اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ خود بادشاہ (قیصر روم) کی خواہش تھی کہ جناب مسیح" کو مصلوب کر دیا جائے کیونکہ یہودیوں کی شکایت کی بنا پر وہ حضرت مسیح" کو اپنا اور اپنی حکومت کا باغی سمجھتا تھا اور اسی کی خواہش پر پیلاطوس نے جناب مسیح" کو صلیب پر چڑھوایا۔

واقعہ ء صلیب کے بارے میں پیلاطوس کی رپورٹ

حال ہی میں "بائبل" کے کچھ گم شدہ صحائف منظر عام پر آئے ہیں ان سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت مسیح" کو صلیب دینے کا سارا واقعہ پہلے ہی شہنشاہ روم (قیصر طبریوس) کے علم میں تھا بلکہ گورنر پیلاطوس اسے حالات سے پوری طرح باخبر رکھ رہا تھا چنانچہ واقعہ ء صلیب کے بعد گورنر پیلاطوس نے بادشاہ کو جو رپورٹ بھیجی تھی وہ دستیاب ہو گئی ہے اور چھپ بھی گئی ہے۔ ذیل میں اس رپورٹ کے بعض اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

"پونتیئس پیلاطوس کی طرف سے شہنشاہ قیصر طبریوس کی خدمت میں۔

ہدیہ ء تہنیت قبول فرمایئے۔ یسوع' جس کی بابت میں اپنے پچھلے خط میں آپ کو مکمل معلومات فراہم کر چکا ہوں' اسے آخر کار ایک سخت ترین سزا دیدی گئی جس کا یہاں کے لوگ بھی مطالبہ کر رہے تھے۔ اگرچہ میں یہ سزا دینے کے لئے خود کو تیار نہیں پاتا تھا بلکہ اپنے اس فعل سے خوفزدہ تھا (کیونکہ) اتنا نیک اور ثابت قدم شخص نہ اس سے پہلے دنیا میں آیا تھا نہ آئندہ آئے گا۔ جب اسے صلیب پر چڑھایا گیا تو بہت سے مافوق الفطرت واقعات رونما ہوئے......"

"یہ قدم اٹھاتے وقت میرے پیش نظر اپنی ذاتی خواہش کے برعکس آپ کی وفاداری اور نمک خواری کا احساس بھی تھا اس لئے میں نے یسوع کے خون ناحق کو روکنے اور انہیں تکلیف سے نجات دلانے کے لئے اپنی قوت اور اختیار کو استعمال نہیں کیا......"

(اب) اجازت چاہتا ہوں۔ ۵ر اپریل ـــــ (4)

گورنر پیلاطوس کی اس رپورٹ سے چار صداقتوں کی نشاندہی ہوتی ہے (۱) واقعہ ء صلیب سے قبل حضرت مسیح" کی سرگرمیوں اور یہودیوں کی طرف سے آپ" کی مخالفت کے بارے میں پیلاطوس بادشاہ کو مکمل معلومات فراہم کر چکا تھا (۲) اس کے باوجود بادشاہ نے پیلاطوس کو جناب مسیح" کے بارے میں اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں دی کہ آپ" کو صلیب نہ دی جائے ورنہ پیلاطوس کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنے آقا اور بادشاہ وقت کی ہدایت اور منشا کے خلاف آپ" کو صلیب پر چڑھاتا (۳) پیلاطوس ذاتی طور پر حضرت مسیح" کو صلیب پر چڑھوانے کے لئے تیار نہ تھا کیونکہ وہ نہ صرف آپ" کو بے گناہ بلکہ دنیا کا سب سے عظیم روحانی انسان سمجھتا تھا (۴) پیلاطوس اپنی رپورٹ میں نہایت صاف اور واضح طور پر لکھتا ہے کہ اس نے حضرت مسیح" کو صلیب پر اس لئے چڑھایا کہ بادشاہ اس سے بدظن نہ ہو جائے اور اسے اپنا باغی اور مخالف نہ سمجھے۔

سوچنا چاہئے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ بادشاہ اپنے گورنر (پیلاطوس) کو ہدایت دے چکا ہو تاکہ مسیح" کو صلیب نہ دی جائے مگر اس واضح ہدایت بلکہ حکم کے بعد وہ آپ" کو صلیب دے کر پھر یہ رپورٹ بھی لکھتا کہ میں نے حضور والا کی خوشنودی حاصل کرنے اور اظہار وفاداری کی خاطر مسیح" کو سولی پر چڑھوا دیا۔ اس سے زیادہ بے عقلی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

ابی سینائی چرچ کی شہادت

پھر جب ہم مسیحی لٹریچر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ایک عظیم حقیقت ہمیں اپنا منتظر پاتی ہے۔ یہ اتنی بڑی حقیقت ہے کہ اس کی طرف سے کوئی ہوشمند شخص آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ اس حقیقت کا تعلق کلیسیا سے ہے چنانچہ "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" کا مسیحی مقالہ نگار لکھتا ہے کہ:۔

"ابی سینائی چرچ (کلیسیا) نے پیلاطوس کو اولیا کی فہرست میں شامل کیا اور ۲۵ جون کو (جس روز اسے قتل کیا گیا) اس کا یوم منایا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی بیوی "پروکلا" (Procla) کو یونانی چرچ کی طرف سے ولیہ کا درجہ دیا گیا اور اس کا یوم ۲۷ اکتوبر کو منایا جانے لگا۔" (5)

اگر پیلاطوس حضرت مسیحؑ کا قاتل ہوتا اور اس نے بادشاہ کے واضح حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آپؑ کو سولی دلوائی ہوتی تو زمانہء قدیم کے مسیحی اکابر کبھی اسے اپنے اولیا کی فہرست میں شامل نہ کرتے اور نہ اس کا یوم مناتے۔ دنیا میں کسی مذہب کے لوگ خاص طور پر اس کے علماء و اکابر اپنے مقدس بانی کے قاتل کو ولی اور شہید کا درجہ نہیں دیتے نہ اس کی یاد مناتے ہیں بلکہ اس سے نفرت اور اظہارِ بیزاری کرتے ہیں پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم کے مسیحی بلکہ چرچ بھی پیلاطوس کو حضرت مسیحؑ کا شیدائی سمجھتا تھا۔

ایک اور بہت اہم دستاویز بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ پیلاطوس بہت نیک دل اور حضرت مسیحؑ کا فدائی تھا۔ یہ دستاویز حضرت مسیحؑ کے مقدمے سے تعلق رکھتی ہے اس دستاویز کا مرتب لکھتا ہے کہ:۔

"پیلاطوس پر مقدمہ چلایا گیا اور پھر اس کا سر کاٹ دیا گیا (اصل انگریزی الفاظ یہ ہیں (Pilate is Beheaded) (بلاشبہ) اس نے ایک راستباز اور خدا پرست انسان کی حیثیت سے وفات پائی" (6)

یہ امر پیشِ نظر رکھئے کہ ان الفاظ کا خالق کوئی معمولی یا نام کا مسیحی نہیں تھا بلکہ اپنے مذہب اور اپنی مذہبی تاریخ کا بہت بڑا عالم اور ایک ایسی یونیورسٹی کا پروفیسر تھا جو مذاہب عالم کے تقابلی مطالعے کے لئے انگلستان کے شہر مانچسٹر میں قائم کی گئی تھی۔ اس پروفیسر کا اپنا مضمون اور

موضوع بھی مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ تھا جس کی تعلیم وہ اپنے شاگردوں کو برس ہا برس دیتا رہا۔ اس محقق نے جس کا نام پروفیسر برانڈن (Prof : S.G.F.Brandon) ہے حضرت مسیحؑ کے مقدمے پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور پیلاطوس کے کردار کے ہر پہلو کا بھرپور جائزہ لیا ہے اس کے بعد وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ:۔

پیلاطوس نے ایک راست باز اور خدا پرست انسان کی حیثیت سے جان دی (کتاب کا صفحہ ۱۵۵)

دوسرے الفاظ میں یہ محقق مسیحی اس خیال کو مسترد کرتا ہے کہ پیلاطوس نے قیصر طبریوس کی منشا کے خلاف از خود حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھانے کا حکم دیا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ پیلاطوس کو راست باز اور خدا پرست قرار نہ دیتا۔

سب سے اہم نکتہ یہ ہے جو حقیقت کی تہہ تک پہنچنے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے اور جس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی کہ خود گورنر پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ کے واقعہء صلیب کا ذمہ دار کسے قرار دیا؟ کیونکہ حقائق کا اصل رازدار تو وہی تھا۔ جب ہم اس نقطۂ نظر سے اس واقعہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ساری حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے چنانچہ "دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" کا مسیحی مقالہ نگار لکھتا ہے کہ:۔

"پیلاطوس نے اپنے اس فعل (مسیحؑ کو صلیب دینے) کا ذمہ دار بادشاہ کو قرار دیا۔" (7)

سوچئے اور ہزار بار سوچئے یہ کیسے ممکن تھا کہ بادشاہ اپنے گورنر (پیلاطوس) کو حکم دیتا کہ جناب مسیحؑ کو رہا کر دیا جائے اور آپؑ کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچائی جائے مگر گورنر نہ صرف حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا دیتا بلکہ الٹا بادشاہ کو اس فعل کا ذمہ دار قرار دیتا۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ خود قیصر کی رضامندی اور ہدایت کے مطابق پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا۔

حضرت مسیحؑ کا فیصلہء ناطق

کہا جا سکتا ہے کہ یہ تاریخ کی شہادتیں ہیں اور مقدس اور آسمانی کتابوں کے مقابلے میں تاریخ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ آیئے اس تنازعے کے حل کے لئے انجیل مقدس کی طرف رجوع کریں اور دیکھیں کہ یہ آسمانی صحیفہ کیا کہتا ہے۔

انجیل مقدس کا بیان ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کو گرفتار کر کے گورنر پیلاطوس کے قلعے میں لے جایا گیا تو اس نے آپؑ سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو یعنی صوبہ ٔ یہودیہ کے یا صوبہ ٔ گلیلی کے؟ حضرت مسیحؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر پیلاطوس نے آپؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ :۔

"تو مجھ سے بولتا (کیوں) نہیں! کیا تو نہیں جانتا کہ مجھے تجھ کو چھوڑ دینے کا بھی اختیار ہے اور مصلوب کر دینے کا بھی اختیار ہے؟"۔ (8)

حضرت مسیحؑ نے جواب دیا کہ تمہیں مجھ پر کوئی اختیار حاصل نہیں۔ یہ اختیار تمہیں اوپر سے دیا گیا ہے اس لئے وہ شخص زیادہ گنہگار ہے جس نے مجھے تمہارے سپرد کیا ہے۔ انجیل مقدس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ آپؑ نے پیلاطوس سے کہا کہ :

"اگر تجھے اوپر سے نہ دیا جاتا تو تیرا مجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا اس سبب سے جس نے مجھے تیرے حوالے کیا اس کا گناہ زیادہ ہے۔" (9)

حضرت مسیحؑ کے اس جواب میں دو الفاظ کلید کی حیثیت رکھتے ہیں ایک "اوپر" اور دوسرا "گناہ"۔ "اوپر" سے وہی شخصیت مراد ہو سکتی تھی جو پیلاطوس سے بالا تھی اور وہ شخصیت قیصر کے سوائے اور کون ہو سکتی تھی جس کا پیلاطوس نوکر، ماتحت اور نمائندہ تھا۔ پیلاطوس یہودیوں یا ان کے مذہبی پیشوا کا تو ملازم یا ماتحت نہیں تھا۔ اگر کوئی کہے کہ "اوپر" سے مراد اللہ تعالیٰ ہے کہ اصل اختیار و اقتدار اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی سب سے بالا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آگے چل کر یعنی اس جملے کے معاً بعد حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں کہ :۔

"اس سبب سے جس نے مجھے تیرے حوالے کیا اس کا گناہ زیادہ ہے۔"

اگر "اوپر" سے حضرت مسیحؑ کی مراد اللہ تعالیٰ ہوتا تو آپؑ یہ کبھی نہ فرماتے کہ "اس کا "گناہ" سب سے زیادہ ہے" کیونکہ گناہ کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف تو ایک فاسق و فاجر اور انتہائی بدبخت شخص بھی منسوب نہیں کر سکتا کجا حضرت مسیح علیہ السلام جیسا جلیل القدر نبی؟ پس خود حضرت مسیحؑ نے نہایت فیصلہ کن الفاظ میں ہمیں بتا دیا کہ آپؑ کو صلیب دینے کا حکم قیصر نے دیا تھا اور وہی اس کا ذمہ دار تھا، اسی کا گناہ سب سے زیادہ تھا اور اصل مجرم وہی تھا۔

پیلاطوس کو کیوں قتل کیا گیا؟

تمام مورخ متفق ہیں کہ پیلاطوس اپنی طبعی عمر تک نہیں پہنچ سکا بلکہ اسے موت کی سزا دے کر

اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا چنانچہ "انسائیکلوپیڈیا . بلیکا" کا مسیحی مقالہ نگار لکھتا ہے کہ :۔

"قیصر طبریوس نے پیلاطوس کو روم طلب کیا اور حضرت مسیحؑ کی صلیب دہی کے سلسلے میں اس سے باز پرس کی اور پھر اسے سزائے موت دیدی۔" (10)

یہاں بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب پیلاطوس نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر دی تھی اور حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا دیا تھا تو بادشاہ نے اسے موت کی سزا کیوں دی۔ حضرت مسیحؑ کے Trial (مقدمے کی کارروائی) پر اب تک قریباً اٹھارہ انیس کتابیں (انگریزی میں) شائع ہو چکی ہیں مگر کسی ایک مصنف نے اس موضوع پر حقیقت پسندانہ نقطۂ نگاہ اختیار نہیں کیا اور اصل حقائق پیش کرنے سے گریز کیا۔ اصل حقائق کیا تھے؟ وہ ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

اصل حقائق یہ ہیں کہ شہنشاہ قیصر طبریوس سے یہودیوں نے شکایت کی تھی کہ پیلاطوس نے (قانونی تقاضے پورے کئے بغیر) مسیحؑ کو (شدید بیہوشی کی حالت میں) صلیب سے اتروا لیا اور بھیس بدلوا کر یروشلم سے فرار کرا دیا۔ جب قیصر کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو وہ نہایت برہم ہوا کیونکہ وہ حضرت مسیحؑ کو اپنا اور اپنی حکومت کا باغی سمجھتا تھا اس نے پیلاطوس کو روم طلب کیا اور اس جرم میں اسے قتل کرا دیا کہ اس نے مسیحؑ کو جو قیصر کا باغی تھا صلیب پر ہلاک ہونے سے کیوں بچایا اور کیوں یروشلم سے فرار کرایا۔ یہ حقائق چونکہ چرچ (کلیسیا) کے خود تراشیدہ عقائد کے خلاف جا رہے تھے اس لئے اس نے ان پر پردہ ڈال دیا اور انہیں توڑ مروڑ کر پیش کیا لیکن ایک صاحب بصیرت شخص اگر ان روایات کا باریک بینی سے جائزہ لے تو ان کے بین السطور اصل حقائق صاف نظر آ جاتے ہیں۔ آیئے ان حقائق کا جائزہ لیں۔

پیلاطوس کے قتل کا واقعہ چونکہ ایک ایسی حقیقت تھی جس پر پردہ ڈالنا چرچ کے لئے ممکن نہ تھا اس لئے ہر مسیحی مصنف کو یہ واقعہ اپنی کتاب میں درج کرنا پڑا البتہ بعض مورخوں نے اسے قتل کی بجائے خودکشی بنا دیا مگر بیشتر مورخوں نے اسے سزائے موت اور قتل ہی قرار دیا البتہ اس قتل کے اسباب بیان کرتے ہوئے انہوں نے بہت ہوشیاری سے کام لیا اور جس طرح ایک چالاک مجرم ارتکابِ جرم کرنے کے بعد جرم کے نشانات مٹا دیتا ہے تاکہ وہ پکڑا نہ جا سکے بالکل اسی طرح ان مورخوں نے بھی یا تو سرے سے اس قتل کے اسباب بیان ہی نہیں کئے یا اگر بیان کئے تو فرضی اور غلط۔ اصل سبب کو پردے کے پیچھے چھپا دیا۔ مثلاً کیلی فورنیا یونیورسٹی کے استاد اور قانون داں پروفیسر میکس راڈین (Prof : Max Radin) نے یہ لکھ کر اپنا دامن بچا لیا (یا واقعی اصل حقائق تک ان کی رسائی نہ ہو سکی) کہ :۔

رومی گورنر پیلاطوس حضرت مسیحؑ کو صلیب دینے کے فیصلے پر دستخط کرنے کے بعد یہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ دھو رہا ہے کہ "میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں"۔ (قلمی تصویر) ("دی ٹرائل آف جیزز آف نزارتھ" نامی کتاب سے حاصل کی گئی تصویر۔ مولفہ پروفیسر برانڈن)

"پیلاطوس کو بعض الزامات کے تحت قیصر طبریوس کی وفات سے قبل روم طلب کیا گیا لیکن ہم پورے یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اس پر کیا الزامات لگائے گئے تھے"۔ (11)

اسی طرح اور بہت سے مورخوں نے بھی پیلاطوس کو روم طلب کئے جانے اور وہاں اس پر مقدمہ چلا کر اسے قتل کر دینے کا واقعہ تو بیان کر دیا مگر ان الزامات کا ذکر نہیں کیا جن کے تحت پیلاطوس پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ بعض رومی مورخوں نے یا ان مورخوں نے جو رومی کلیسیا کے زیر اثر تھے حقائق کے برعکس یہ نظریہ پیش کیا کہ قیصر طبریوس نے پیلاطوس کو اس لئے قتل کرا دیا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو بچانے میں ناکام ہو گیا تھا لیکن زیادہ محتاط مورخوں اور مصنفوں نے اس نظریے کو مسترد کر دیا کہ پیلاطوس کو اس لئے قتل کیا گیا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر ہلاک ہونے سے بچانے میں ناکام ہو گیا تھا۔ ان مصنفوں اور مقالہ نگاروں میں "دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" کا مسیحی مقالہ نگار بھی شامل ہے اس کی تحقیق کے مطابق :۔

"پیلاطوس کے بعض اقدامات کی وجہ سے یہودی اس کے مخالف ہو گئے تھے ان میں سے ایک بڑا اقدام یہ تھا کہ پیلاطوس نے یروشلم کے طول و عرض میں رومی بادشاہ کی مورتیاں نصب کرائی تھیں۔ دوسرا اقدام یہ تھا کہ اس نے سکوں پر بادشاہ کی تصویر ڈھلوائی تھی اور سرکاری پرچموں پر اس کی تصویریں بنوائی تھیں۔ پیلاطوس کے ان اقدامات کو یہودی بت پرستی اور اپنے مذہب میں مداخلت قرار دیتے تھے۔ اس پر تیسرا الزام یہ تھا کہ اس نے بہت سے یہودیوں کو غیر قانونی طور پر موت کی سزا دی تھی۔ اس پر چوتھا الزام یہ تھا کہ اس نے حضرت مسیحؑ کے مقدمے کے دوران استقامت نہیں دکھائی اور ایسی قانونی سزا دی جو اس کی کمزوری پر دلالت کرتی تھی۔ ان الزامات کے تحت اسے روم طلب کر کے اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے سزائے موت دیدی گئی۔" (12)

پیلاطوس کے خلاف الزامات کی حقیقت؟

گویا یہ مسیحی محقق پیلاطوس پر چار الزامات لگا رہا ہے بلکہ ان کا اعادہ کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ ان الزامات کی بنا پر اسے موت کی سزا دی گئی۔ آیئے دیکھیں کہ الزامات کی حقیقت کیا ہے کیا یہ الزامات ایسے تھے بھی کہ ان کی بنا پر پیلاطوس کو موت کی سزا دی جاتی؟ ان الزامات کی رو سے :۔

بحیرۂ مردار (فلسطین) کے ساحلی مقام پر واقع وہ تاریخی غار جس میں سے پہلی صدی عیسوی کی ایسی دستاویزات برآمد ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو صلیب سے زندہ حالت میں اتار لیا گیا تھا اور وہ صحت یاب ہو کر یروشلم سے ہجرت کر گئے تھے۔

(۱) پیلاطوس نے سارے یروشلم میں بادشاہ کی مورتیاں نصب کروائیں۔
(۲) سکوں پر بادشاہ کی تصویر ڈھلوائی اور سرکاری پرچموں پر بھی اس کی تصویریں بنوائیں۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اقدام بھی ایسا نہ تھا جو بادشاہ کو پیلاطوس کے خلاف مشتعل کرتا بلکہ اس کے یہ اقدامات تو ثابت کرتے ہیں کہ وہ بادشاہ کا انتہائی وفادار بلکہ عقیدت مند تھا۔ جن لوگوں نے روم کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ رومی بادشاہ حد درجہ خود پسند تھے' اس کے ساتھ ساتھ وہ مذہب کو بھی اپنی سیاست کے لئے استعمال کرتے تھے اس لئے انہوں نے خود کو روحانی لبادہ پہنایا تھا تاکہ عوام و خواص دونوں کی عقیدت کا مرکز بن سکیں۔

چنانچہ مورخ جے۔ بی۔ بیوری (J.B.Bury) لکھتا ہے کہ :۔

"پہلی صدی عیسوی میں رومیوں نے بہت سے خدا بنا لئے تھے ان میں روزبروز اضافہ ہو رہا تھا اور بادشاہوں کو بھی ان خداؤں میں شامل کر لیا گیا تھا یہ زندہ اور مردہ دونوں قسم کے بادشاہ تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی۔" (13)

یہی مورخ (جے۔ بی۔ بیوری) پھر لکھتا ہے کہ :۔

"قیصر جولیس" کو دیوتا کا مرتبہ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا "آگیس ٹس" بادشاہ ہوا تو اسے اس کی زندگی ہی میں دیوتا کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ اس کے نام پر مندر تعمیر کئے گئے اور ان میں پروہت متعین کئے گئے۔ ان مندروں میں قیصر "آگیس ٹس" کی پرستش کی جاتی تھی۔" (14)

ایک اور بڑے مورخ ایچ۔ ایف۔ پیلہم (H.F.Pelham.) کا بیان ہے کہ :

"قیصروں کو صاحبِ حکومت و اقتدار ہونے کی وجہ سے دیوتاؤں کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور ان کی باقاعدہ پرستش کی جاتی تھی۔ ان میں سے "طبریوس" سے لے کر "نیرو" تک جتنے قیصر تخت پر بیٹھے ان سب کو دیوتاؤں کی اولاد قرار دیا جاتا تھا۔" (15)

تاریخ کہتی ہے کہ ان میں سے بعض بادشاہوں نے اپنے دیو قامت مجسمے بنوائے تھے اور لوگوں سے ان کی پرستش کراتے تھے۔ پس پیلاطوس نے اپنے بادشاہ (قیصر طبریوس) کی مورتیاں یروشلم میں نصب کروا کر اور سکوں اور پرچموں پر بادشاہ کی تصویریں بنوا کر اس کی خواہش پوری کی تھی' اس کی شان و شوکت کا پرچم بلند کیا تھا اس کا آقا اس کے اس اقدام پر ہرگز ناراض نہیں ہو سکتا تھا' نہ اس اقدام کی وجہ سے اس پر مقدمہ چلا کہ اسے قتل کرا سکتا تھا۔ وہ (پیلاطوس) تو اپنے آقا کا اتنا بڑا وفادار تھا کہ اس نے یہودیوں میں اپنی مقبولیت کو داؤ پر لگا دیا مگر

اپنے آقا کے نام کا علم بلند رکھا۔ کوئی بادشاہ یا حکمراں ایسے وفادار ملازم اور ماتحت عہدیدار کو کبھی قتل نہیں کیا کرتا وہ تو ایسے وفادار ملازم کو انعام و اکرام سے نوازتا اور اُس کا مرتبہ اور بھی بلند کرتا ہے۔

پیلاطوس پر تیسرا الزام یہ تھا کہ اس نے بہت سے یہودیوں کو قانونی تقاضے پورے کئے بغیر سزائے موت دیدی۔ اس کا یہ اقدام بھی بادشاہ کی ناراضگی کا موجب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا اور تاریخ اس کی گواہ ہے کہ یہودی شروع ہی سے رومی تسلط کے خلاف تھے' ریشہ دوانیاں' فتنہ و فساد اور بغاوتیں کرنا ان کی سرشت میں داخل تھا۔ پیلاطوس کو بھی وہ چین نہیں لینے دیتے تھے اور جب اس نے قیصر کی مورتیاں یروشلم میں نصب کرائیں' سکوں اور شاہی پرچموں پر بادشاہ کی تصویریں بنوائیں تو یہودیوں نے اس کی قیام گاہ کے سامنے بہت بڑا مظاہرہ کیا اور مارنے مرنے پر تیار ہو گئے تھے پس اگر پیلاطوس نے امن و امان قائم رکھنے کے لئے کچھ یہودیوں کو قتل کرا دیا ہو تو چنداں تعجب انگیز بات نہیں مگر اس نے یہ اقدام ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور اپنے آقا (قیصر) کے مفاد میں کیا تھا اس لئے بادشاہ اس اقدام پر بھی اسے ہرگز سزائے موت نہیں دے سکتا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آخر بادشاہ نے پیلاطوس کو کس جرم میں سزائے موت دی؟ اس سوال کا جواب ہمیں "دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" کا فاضل مقالہ نگار مہیا کر دیتا ہے وہ لکھتا ہے کہ :۔

"یہودیوں کی طرف سے اس (پیلاطوس) کی مخالفت کی ایک اہم وجہ (حضرت) مسیحؑ کو دی جانے والی قانونی سزا بھی تھی جسے یہودی پیلاطوس کی کمزوری سے تعبیر کرتے تھے۔" ("دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" جلد نمبر۹ ص ۴۴۰۔ ایڈیشن ۱۹۸۶ء)

حقیقت منکشف ہو گئی۔

اس حوالے نے اصل حقیقت منکشف کر دی۔ اس فاضل مسیحی محقق کی تحقیق کی رو سے یہودی پیلاطوس پر الزام لگاتے تھے اور انہوں نے بادشاہ سے بھی شکایت کی تھی کہ اس نے حضرت مسیحؑ کو قانونی سزا نہیں دی اور اس میں کمزوری دکھائی۔ وہ قانونی سزا کیا تھی جو پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ پر نافذ نہ کر کے کمزوری دکھائی؟ وہ سزا یہی تھی کہ اس نے حضرت مسیحؑ کو

وقت سے پہلے (زندہ حالت میں) صلیب پر سے اتروا لیا اور وہ صحت یاب ہو کر یروشلم کے مضافات اور فلسطین کے دیگر شہروں میں بھیس بدل کر گھومتے پھرتے رہے[لے] مگر پیلاطوس نے انہیں گرفتار نہیں کیا حتیٰ کہ آپؑ فلسطین سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ پیلاطوس کا اصل جرم یہی تھا جس کی وجہ سے قیصر اس کے خلاف مشتعل ہو گیا کیونکہ اس نے ایک ایسے شخص کو صلیبی موت سے بچا لیا تھا جسے قیصر اپنا باغی اور دشمن سمجھتا تھا اور اسے قتل کروانا چاہتا تھا۔

پس تاریخ کی شہادت ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ حالت میں نہ اتار لئے جاتے اور پھر فلسطین سے بچ نکلنے میں کامیاب نہ ہو جاتے تو پیلاطوس کبھی قتل نہ کیا جاتا گویا وہ حضرت مسیحؑ کی محبت میں مارا گیا اور رومی شہنشاہ قیصر طبریوس کے حکم سے اس کا سر کاٹا گیا کیونکہ قیصر سمجھتا تھا کہ پیلاطوس نے اس کے ایک باغی (حضرت مسیحؑ) کو جو اسرائیلیوں کا بادشاہ ہونے کا مدعی تھا بچا لیا۔ قیصر طبریوس کے بارے میں قدیم مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نفسیاتی مریض تھا۔ اس کے بارے میں یہی رائے زمانہ ءحال کے مسیحی مورخین کی بھی ہے چنانچہ ممتاز مورخ H.F.Pelhem (ایچ۔ ایف۔ پیلہم) نے اپنی عالمانہ کتاب میں لکھا ہے کہ :۔

"قیصر طبریوس بگڑے ہوئے مزاج کا آدمی تھا اور بہت شکی واقع ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ کوئی شخص اس سے محبت نہیں کرتا تھا (دراصل) اسے جن حالات سے دوچار ہونا پڑا انہوں نے اسے اور بھی شکی اور بدگمان بنا دیا تھا اور یہ شک اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ ہر شخص کو اپنا (اور اپنی حکومت کا) غدار سمجھنے لگا تھا۔" (16)

پس اس قسم کے شکی مزاج شخص کا معمولی سے شبہ پر بھی کسی سے بدظن ہو جانا ہرگز تعجب انگیز نہیں جبکہ یہاں تو فلسطین کے یہودی حضرت مسیحؑ کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ یہ شخص قیصر کے مقابلے میں اپنی متبادل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے پس اس کا پیلاطوس کو یہ حکم دینا کہ یسوع نامی اس شخص کو صلیب دے کر مار دو پوری طرح قابلِ یقین

[لے] متی کی انجیل باب ۲۸ آیت نمبر۹' ۱۰۔ اور یوحنا کی انجیل باب نمبر۲۰ تا ۲۶۔ باب ۲۱ آیت نمبر۱ تا ۱۴۔

واقعہ ہے جو قیصر کے مزاج اور افتاد طبع سے مکمل مطابقت رکھتا ہے اور جب اس نے سنا کہ یسوع نامی یہ شخص صلیب سے زندہ بچ نکلا ہے اور یہودیوں نے اس کا ذمہ دار پیلاطوس کو قرار دیا تو اس نے پیلاطوس کو بھی اپنا مخالف اور دشمن سمجھا اور اس کا سر کٹوا دیا۔ اس سے قبل وہ شاہی فوج کے کمانڈر اور پیلاطوس کے سرپرست "سجانس" (Sejanus) کو بھی قتل کروا چکا تھا جس نے پیلاطوس کی سفارش کر کے اسے فلسطین کے صوبہ ء یہودیہ کا گورنر مقرر کرایا تھا کیونکہ شکی مزاج قیصر طبریوس "سجانس" کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا۔ پس ان میں سے کوئی واقعہ غیر منطقی نہیں تھا۔

جو مورخ یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ قیصر نے پیلاطوس کو اس لئے قتل کرایا کہ وہ حضرت مسیح کا قاتل تھا اور اس نے قیصر کی خلافِ منشا آپ کو صلیب پر چڑھایا تھا وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ حضرت مسیح کا قاتل تو خود قیصر تھا اور اسی نے پیلاطوس کو حضرت مسیح کی گرفتاری اور موت کی سزا دینے پر مامور کیا تھا اس کی سب سے بڑی شہادت (جیسا کہ اس سے پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے) خود حضرت مسیح نے دی جب پیلاطوس کے ایک سوال پر آپ نے کہا کہ:۔

"اگر تجھے اوپر سے (اختیار) نہ دیا جاتا تو تیرا مجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا اس سبب سے جس نے مجھے تیرے حوالے کیا اس کا گناہ زیادہ ہے۔" (یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۱، ۱۲)

یعنی تجھے ذاتی طور پر میرے بارے میں کوئی اختیار حاصل نہیں، تجھے یہ اختیار اوپر سے (قیصر کی طرف سے) دیا گیا ہے اور اسی نے تجھے میری گرفتاری اور صلیب دہی پر مامور کیا ہے۔ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ "اس کا گناہ زیادہ ہے" گویا اصل مجرم قیصر ہے۔

پس حضرت مسیح کے اس ارشاد نے اس قضئے کا ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا کہ گورنر پیلاطوس نے آپ کو صلیب پر سے زندہ (شدید غشی) کی حالت میں اتروا لیا تھا اور بھیس بدل کر یروشلم سے بچ نکلنے میں حضرت مسیح کی مدد کی تھی۔ قیصر نے اسی جرم میں گورنر پیلاطوس کو قتل کرایا تھا۔

قیصر طبریوس کا انجام

قیصر کا جرم معمولی نہیں تھا۔ اس نے خدا کے ایک مقدس نبی کو صلیب پر مروانے کی

پوری کوشش کی تھی اور ایک عاشقِ نبی (پیلاطوس) کو قتل کرا دیا۔ اس کا یہ جرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابلِ معافی تھا اس لئے اسے دنیا ہی میں اس کی سزا مل گئی۔ چنانچہ سلطنت روم کے ایک بڑے تاریخ نگار کا بیان ہے کہ قیصر طبریوس بیمار ہوا مگر پھر اس کی حالت سنبھل گئی اس کو زندگی کی طرف واپس لوٹتے دیکھ کر:۔

(طبریوس کے دست راست اور) شاہی فوج کے کمانڈر "سرتوریس ماکرو" نے گلا گھونٹ کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔" (17)

اس طرح وہ شخص اپنے انجام کو پہنچا جس نے حضرت مسیح کو صلیب پر قتل کرنے کی پوری کوشش کی اور پھر آپ کے عاشقِ صادق پیلاطوس کے خونِ ناحق کا مرتکب ہوا۔

(ختم شد)

(حوالہ جات)

(1)"The Trial of Jesus of Nazareth" By Prof:S.G.F Brandon, B.T.Batsford LTD London. (1968) P - 156.

(2) "The Death of Pilate" Quoted from "The Lost Books of the Bible" (L.D Publishing company Newyork. city) PP - 279 to 282.

(3) "The world Book Encyclo Pedie" Vol:15 Under "Pilate." Published by world book, inc. A Scott fetzer company chicago, London, Sydney, Toronto.

(4)TheLostBooksoftheBible"(L.DPublishingCompanyNewyorkcity) PP - 272, 273.

(5) "The Encyclo Pedia Britannica" Vol:21 Edition 1911 A.D P - 602

(6) "The Trial of Jesus of Nazareth" By Prof: S.G.F. Brandon, P - 155.

(7) "The New EncycloPedia Britannica" Edition(15) 1986 Vol : 9, P - 440

(8) S.John, 19:11 (Urdu Edition.)

(9) S.John. 19:11 (Urdu Edition.)

(10) Encyclopedia Biblica, London Mcmii (1902) Vol III P-3774.

(11) The Trial of Jesus of Nazareth By Prof : Max Radin.

Published By the University of Chicago, Press, Chicago (1931 A.D)

(12) The New Encyclopedia Britannica" Edition 1986 Vol:9. P - 440

(13) - تاریخ سلطنت رومہ مصنفہ جے۔بی۔ بیوری صفحہ 876 ترجمہ سید ہاشمی فرید آبادی

مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔

(14) - تاریخ سلطنت رومہ مصنفہ جے۔بی۔ بیوری صفحہ 245 ترجمہ سید ہاشمی فرید آبادی

مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔

(15) Outlines of Roman History By Prof:H.F.Pelham 34 King Street

Covent Carden Londom (1905) P - 452.

(16) Outlines of Roman History By Prof:H.F.Pelham. P - 436

(17)"HistoryofRomanEmprire"ByJ.B.Bury.(316 اردو ترجمہ سید ہاشمی فرید آبادی صفحہ)

*** *** *** ***